

إِنَّ هَذَا الْعِلْمَ دِينٌ فَاَنْظُرُوا عَمْرًا تَأْخُذُ وَنَ دِينَكُمْ

بے شک یہ علم دین ہے، پس خوب سوچ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

تفہیم المسائل

پروفیسر مفتی منیب الرحمن

جلد اول

ضیاء القرآن پبلسٹی کیشنز

لاہور • کراچی • پاکستان

این کتاب علم دین ہے پس خوب سوچ لو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟
وَأَعْمَنَ تَأْخُذُ وَنُكَرُ

تفہیم المسائل

جلد اول

تصحیح و نظر ثانی شدہ ایڈیشن

پروفیسر مفتی منیب الرحمن

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

تفہیم المسائل (جلد اول)	نام کتاب
پروفیسر مفتی منیب الرحمن	مصنف
مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی	تصحیح
مولانا فیصل ندیم احمد قادری (ایم اے، ایل ایل بی، بی ایڈ)	
محمد حفیظ البرکات شاہ	ناشر
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور	
ششم، مارچ 2011ء	طبع
ہفتم، اپریل 2012ء	
ہشتم، جنوری 2013ء	
ایک ہزار	تعداد
FQ4	کمپیوٹر کوڈ
400/- روپے	قیمت

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350 فیکس 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

انتساب

میں اپنی اس ناچیز علمی و فقہی کاوش کو اپنے والد ماجد قاضی حبیب الرحمن نور اللہ مرقدہ اور والدہ کریمہ مد اللہ ظلہا العالی کے نام منسوب و معنون کرتا ہوں، جنہوں نے پسماندگی اور ظلمت کے ماحول میں مجھے نورِ علم سے آشنا کیا اور ذوقِ آگہی عطا کیا، لڑکپن کی ناتجربہ کاری کے باعث میرے قدم جب بھی علم و عرفان کے جادہ مستقیم سے ڈگمگانے لگے تو ان کی دعاؤں اور تربیت نے ثابت قدم رکھا۔

رَبِّ اُرْحَمُهُمَا كَمَا رَٰبِّيْنِي صَغِيْرًا ﴿١٣﴾ (بنی اسرائیل)

ناکارہ خلاق

غیب الرحمن



صدر مجلس شوریٰ اسلامی
ریسرچ اینڈ جسریشن آفیسر محکمہ اوقاف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میں نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے شائع کردہ کتاب
”تفہیم المسائل (حصہ اول)“ تالیف پروفیسر علامہ مفتی
منیب الرحمن صاحب کے پروف پوری توجہ سے پڑھے ہیں
میرے علم کے مطابق اس کتاب میں درج آیات قرآنی کے
الفاظ اور اعراب غلطیوں سے مبرا ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

فقط
حافظ محمد اسرار
فیضی

فہرست مضامین

	انتساب
	مانی الضمیر
	کلمات تشکر
	تبرکات اکابر
	کتاب العقائد
29	اللہ میاں، اللہ سائیں کہنا
31	عذاب قبر
32	کلمہ طیبہ کا ذکر قرآن میں
32	آثار قیامت
34	قیامت کا دن
34	دجال کی حقیقت
36	جنت کے کھانے کیسے ہوں گے؟
37	برزخ سے کیا مراد ہے؟
39	ارشاد احمد حقانی سے مکالمہ لفظ ”مولانا“ کا اطلاق
44	اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی
45	دولت مندوں کی جنت سے دوری
45	مفلس کون
47	کتاب الطہارت
49	غسل کے بعد وضو

49	نیل پالش اور وضو
50	کیا جھوٹ بولنے سے وضو ٹوٹتا ہے
50	دوران نماز وضو کا ٹوٹنا
50	وضو کی جگہ پر جوتے دھونا
51	ہاتھ پاک کرنا
51	آنسو بہنے سے وضو پر اثر
52	حائض اور جب کے لئے قرآن کی تلاوت اور چھونے کا حکم
52	معلمات اور طالبات کا ایام کے دوران تعلیم قرآن
52	پان یا نسوار منہ میں رکھ کر سلام کا جواب دینا
53	ڈرائی کلین کیسے ہوئے کپڑوں کی ظہارت کا مسئلہ
54	بغل اور زیر ناف بالوں کے ازالے کے لئے کون سا طریقہ بہتر ہے؟
55	کتاب الصلوٰۃ
57	باب الاذان، دعا بعد الاذان و دعا کے کلمات
65	تخویب کیا ہے؟
65	بیت الخلاء میں اذان کا جواب
66	خطبے کے دوران کلام و نشست کے آداب
66	نماز کی نیت میں تاخیر
67	رکوع اور سجود میں کتنی دیر ٹھہرے
67	تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا
68	نمازی امام کو رکوع میں پائے تو کیا کرے؟
69	نابالغ بچے کی امامت

69	سورۃ الکوثر کی صرف دو آیتیں پڑھنا
85	قرآن مجید کی سورتوں کا ترتیب سے پڑھنا
86	نماز میں قرأت کا مسئلہ
86	قرأت میں تلفظ کا مسئلہ
86	التحیات نماز میں ہے، قرآن میں نہیں
87	وتر میں دعائے قنوت کی جگہ ”قل هو اللہ“ پڑھنا
87	مسجد میں دوبارہ جماعت کرانا
88	عورت، مرد کی نماز
89	سترہ کے مسئلے پر ایک علمی بحث
118	نماز کے آگے کا فاصلہ
119	نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا
119	فوجی ٹوپی اور ہیٹ پہن کر نماز پڑھنا
120	نماز میں ٹوپی پہننے کا حکم
121	سلام کے الفاظ
122	قضا نمازوں کا حکم
122	بہت سی قضا نمازوں کو تخفیف کے ساتھ پڑھنے کا مسئلہ
124	قضا نمازیں ادا کرنا
125	قضائے عمری سے کیا مراد ہے؟
129	قضا میں سنتوں کا چھوڑنا
129	قضائے عمری پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے؟
129	فجر اور عصر سے پہلے نفل، قضائے عمری، وتر کی قضا

129	سفر کی قضا میں سنتوں کی قضا
129	فجر اور عصر سے پہلے قضا کی عمری
130	ظہر یا جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھیں؟
131	کیا عبادت میں نیابت جائز ہے؟
132	کیا بخار کی حالت میں نماز قضا کی جاسکتی ہے؟
133	نماز میں صاحب ترتیب کون ہے؟
133	صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے
133	نمازی کے آگے جوتے رکھنا ☆ فجر کی سنتوں کی قضا
134	جماعت کھڑی ہو چکی اور فجر کی سنتیں
134	اوقات مکروہہ
135	رمضان میں فرض جماعت سے نہ پڑھے، وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟
136	نماز میں بلا ضرورت امام کو لقمہ دینا اور امام کا لقمہ لینا
139	الٹی شلوار اور قمیص پہن کر نماز پڑھنا
139	لباس کو ٹخنوں تک لٹکانے کا شرعی حکم
143	رکوع میں بھول کر سجدہ کی تسبیح پڑھنا
143	تکبیر بھول جائے تو؟
144	نماز میں بھول، سجدہ سہو
144	نماز وتر میں دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا تو کیا کرے؟
145	کیا سجدہ سہو کی ضرورت ہے؟
145	عیدین میں سجدہ سہو
146	سجدہ تلاوت کا طریقہ

146	فجر اور عصر کے بعد سجدہ تلاوت کا حکم
147	عورت کا باپردہ مسجد میں جا کر مسئلہ پوچھنا اور سجدہ تلاوت
148	کیسٹس پر تلاوت سننا اور سجدہ تلاوت
148	سجدہ شکر کی شرعی حیثیت
149	ترجمہ قرآن پڑھنے سے تلاوت کا ثواب
150	نماز کی قصر
151	مسافت قصر، آغاز قصر
151	قصر کب تک پڑھے؟
152	مسلل تین جمعوں کے چھوڑنے کا حکم
152	فیکٹری، کارخانے میں نماز جمعہ
153	کیا نماز جمعہ کی قضا ہے؟
154	کیا شوہر اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے؟
155	ایک سے زائد میتوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنے کا حکم
156	نماز جنازہ کی تکرار
156	میت کا سوگ
157	کیا میت کی آنکھ سے لینس نکالنے ضروری ہیں؟
158	نماز جنازہ میں تکبیر کا چھوٹنا
158	دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا
159	امانتا میت کو قبر میں دفن کرنا
159	میت کے اہل خانہ کے لئے کھانا بھیجنا
160	میت کے گھر ضیافت کا اہتمام

161	ایصال ثواب کی حقیقت
161	میت کے ترکے سے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کرنا
163	سوئم، دسواں اور چالیسواں
164	مفاد عامہ کے لئے مختص اور ہر قسم کی تعمیرات کے لئے ممنوع جگہ پر مسجد بنانا
168	ایک مسجد کی رقم یا مال دوسری مسجد پر خرچ کرنا
169	مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا چندہ لگانا
170	مساجد و مدارس میں تعلیم القرآن کے لئے زکوٰۃ و فطرے کا استعمال
171	مسجد کے فنڈ سے پچاغاں
172	مسجد میں محراب نہیں ہے
172	مسجد میں گیس لیمپ اور ڈیول سے غسل
173	مصلے کو موڑنا
173	مسجد میں سلام کا جواب دینا
174	غیر مسلموں کا مسجد بنانا
176	استخارہ کیا ہے؟
177	استخارہ سے فیصلہ
178	مسجد میں سوال کرنے اور سائل کو دینے کا شرعی حکم
183	مسجد کے فنڈ سے امام مسجد کے بیٹے کو وظیفہ دینا
185	کتاب الصوم
187	کیا روزے کی زبانی نیت ضروری ہے؟
188	روزہ اور غسل واجب
188	سائرن، ٹی وی، اذان سے سحری کا اختتام

188	شوال المکرم کے چھ روزے
189	روزے میں جھوٹ، چغلی اور غیبت کا حکم
190	روزے کی حالت میں خون دینا، آنکھ کان میں دوا ڈالنا وغیرہ
190	روزے میں خواتین کا میک اپ کرنا
191	روزے میں مسواک کا حکم
191	روزے میں خون دینا
191	روزے میں وکس لگانے کا حکم
192	روزے میں آنکھ، ناک، کان میں دوا کا استعمال
192	مفسدات صوم و جدید مسائل
193	بچے کی ولادت کے کتنے دن بعد روزہ رکھا جائے
197	قضا روزے
198	ایام مخصوص میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا اور نماز کی معافی
199	تین روزہ، پانچ روزہ یا دس روزہ تراویح
201	رمضان المبارک کی عشرہ اخیرہ میں شبینوں کا اہتمام
201	عورتوں کا اجتماعی اعتکاف
202	مسجد الحرام میں اعتکاف کے مسائل
203	رویت ہلال، چاند کے چھوٹا بڑا ہونے کا مسئلہ
204	یوم شک کا روزہ
204	کیا مسلسل تیس دن کے کئی قمری مہینے ہو سکتے ہیں؟
205	عید کے دو مہینے ناقص نہ ہونے کا مطلب
206	پاکستان میں رمضان شروع کر کے سعودی عرب میں عید منانا

207	عیدی دینا
208	کیا جمعہ کے دن نقلی روزہ رکھنا مکروہ ہے؟
211	کتاب الزکوٰۃ
213	سونے چاندی پر زکوٰۃ
214	زیورات کی ملکیت، زکوٰۃ
215	زکوٰۃ فنڈ سے قرض حسنہ دینا
215	زکوٰۃ فنڈ کی سودی اسکیموں میں انویسٹمنٹ
216	بینک اور زکوٰۃ کی کٹوتی
217	پیشہ ور بھکاریوں کا مسئلہ
218	بری اور جہیز کے سامان اور زیورات کی ملکیت کا مسئلہ
221	کتاب الحج
223	حج فرض ادا نہ کیا تو کیا حکم ہے؟
223	غیر شادی شدہ بالغ بیٹی گھر پر بیٹھی ہو اور حج پر جانا
224	عورت، احرام اور ایام
224	عورتوں کا بغیر محرم کے سفر حج
225	دوران حج عورتوں کو ایام مخصوصہ شروع ہو جانا
226	دوران حج ایام مخصوصہ
227	عمرہ، حج میں مانع حیض دوائیوں کا استعمال
228	حج بدل کے لئے کسے بھیجا جائے
228	حج بدل کا شرعی حکم
229	حج بدل کی وصیت پوری کرنا

229	مرحومین کا حج بدل
230	”قربانی“ قربانی کا وجوب
231	خصی جانور کی قربانی
231	عقیقے کا گوشت
231	دوران حج شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کیا کرے؟
232	قربانی کے فضائل و مسائل
236	ذبح کا طریقہ
239	کتاب النکاح
241	خفیہ نکاح کا شرعی حکم
242	ٹیلیفون پر نکاح
243	سول میرج کی شرعی حیثیت
243	محرم و صفر میں نکاح
244	مایوں اور مہندی کی شرعی حیثیت
244	قرآن میں نکاح کا لکھنا
244	قادیانی مرد سے مسلمان عورت کا نکاح
245	تجدید ایمان اور تجدید نکاح
246	نامناسب حرکت
246	مہر کی شرعی مقدار
247	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کا خطبہ نکاح
249	کتاب الطلاق
251	طلاق کا احسن طریقہ

252	طلاق لینے کا طریقہ
252	تحریری طلاق
253	طلاق مغلظہ کے باوجود بیوی کا شوہر کے ساتھ رہنا اور اولاد کے نسب کا مسئلہ
255	حاملہ کو طلاق دینا
256	طلاق کا حق بیوی کو دینا
257	طلاق بائن کا ایک دقیق فقہی مسئلہ
257	موضوع بحث، پس منظر، الاستفتاء
258	جواب
264	متابعۃ الجواب
271	رد "متابعۃ الجواب"
271	مسلمہ اصول کی خلاف ورزی
271	استفتاء میں لفظی و معنوی تحریف
273	علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کا اپنے سابق جواب پر استقرار سے گریز
273	اصل فتویٰ کی "بناء استدلال" کا ذکر.....
274	علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کا نظریہ
274	علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کی تازہ بنائے استدلال
274	البحر الرائق کی اصل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم
276	جد الممتاز کی عبارت سے استدلال
281	پس نوشت
302	تصدیقات و تائیدات علماء کرام
307	دو طلاق کے بعد رجوع

307	بہن سے قطع تعلق کی قسم کھانا
309	مشروط طلاق دینا، دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کارڈ
313	دو طلاق کے بعد نکاح پھر تیسری طلاق
313	دوران عدت گھر سے باہر نکلنا
315	بد زبان بیوی
315	نکحے مفت خورشوہر سے نجات
316	ماں کے نام سے نسبت
316	لے پالک
317	لے پالک کا نسب
319	”میراث“ ترکے کی تقسیم
320	”عاق“ کی شرعی حیثیت
321	لاوارث بچی کی ولدیت کا مسئلہ
325	کتاب البیوع
327	سونے کے کاروبار میں شراکت
327	اسلام میں نیلام عام
328	نیلام کا جواز
329	ہنڈی کی بیع
329	گنے کا پیشگی سودا
330	ٹھیکے کے حصول اور بل کی وصولی کے لئے رشوت کا لین دین
332	لائسنسوں کی فروخت
333	فلیٹ، دکان کی پگڑی

333	منافع کی شرح
334	انعام، بانڈز پر انعام
335	کروڑ پنی، مالامال اسکیم اور پرائز بانڈ
336	انعامی بانڈز کی پرچیوں کا کاروبار
337	انعامی بانڈز پر انعام کے جواز کا مسئلہ
337	کاروباری اداروں کی انعامی اسکیمیں
338	قومی بچت اسکیمیں، سود یا منافع
338	بینک کی ملازمت
341	کتاب الیمین
343	قسم کی قسمیں
343	کافر ملت پر معلق کر کے قسم کھانا
345	قسم کی شدت
345	مشروط قسم
345	اللہ تعالیٰ سے وعدہ
346	قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے
347	قسم توڑنا
348	جھوٹی قسم
348	وعدہ کے وقت ان شاء اللہ کہنا
349	وعدہ معاف گواہ کا حکم
351	اسماء
352	نام رکھنے کا طریقہ

353	نام تبدیل کرنا
354	عبدالنبی نام
356	”پرویز“ اور ”قیصر“ نام رکھنا
357	سیرت
358	تاریخ و یوم ولادت سید المرسلین ﷺ
358	نبی کریم ﷺ کے نام کے ساتھ (م) لکھنے پر اکتفا کرنا
359	حضرت خضر علیہ السلام کون ہیں؟
365	عورتوں کے متفرق مسائل
367	بٹی کی پیدائش اظہار رنج و غم
368	شادی شدہ عورت اور چوڑیاں
368	عورتوں کی محفل میلاد
368	عورتوں کا قبرستان جانا
369	عورتوں کا آپس میں مصافحہ و معانقہ
369	عدت کے دوران ٹی وی دیکھنا
370	خواتین کی تزئین جائز، ناجائز
370	شوہر کو بتائے بغیر خرچ کرنا
372	شوہر کو مذاقاً پاگل بدتمیز کہنا
372	بہو کے ساتھ ناروا سلوک
374	ضبط تولید کا مسئلہ
377	حلال و حرام جائز و ناجائز
379	وظیفے کی تعریف

379	بدشگونی کا شرعی حکم
381	تیرہ تیزی کیا ہے؟
382	آخری بدھ
382	یوم عاشورا اور کاروبار
383	نظر بد سے بچنے کے لئے مکان پر سینگ، کالا کپڑا لگانا یا کالا دھاگا باندھنا
385	نظر لگنے کا حکم
385	ستاروں کی تاثیر
387	سورج گرہن اور ستاروں کی تاثیر کے بابت اسلام کا نظریہ
391	صلوٰۃ کسوف
392	ستاروں کی تاثیر
394	اوجھڑی حلال یا حرام
395	پولٹری فارم کی مرغیوں کی خوراک
396	مرد کے لئے زیور پہننا
396	اعتراف جرم
397	بالوں میں خصاب لگانا یا رنگنا
398	خودکشی حرام کیوں؟
400	چوری شدہ مال
401	حلال کمائی اور دوسرے لوگ
401	تعویذ کی شرعی حیثیت
403	رات کے وقت ناخن کاٹنا
403	”اذان“ کے نام سے فلم بنانا

404	آنکھوں کی گناہ سے حفاظت
405	دوسروں کی چیزیں استعمال کرنا
405	انسان کا گھر میں اور باہر الگ الگ رویہ
406	دوسرے لوگوں کو تکلیف دینا
406	بزرگان دین کے مزارات پر عقیدت
407	میت کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام
407	میت کو دوسری جگہ دفن کرنا
408	قرآن مجید سفر میں کیسے لے جائیں
409	کیا سینے میں دودل ہو سکتے ہیں؟
412	شیخ محمد یوسف لدھیانوی سے کچھ مسائل میں اختلاف
413	والدین کی نصیحت
414	کارخانوں اور دفاتر میں نماز جمعہ
417	ٹی وی، ویڈیو کا مسئلہ
419	اختلاف امت اور صراطِ مستقیم
420	شبیبہ بیت اللہ کا طواف
420	قبروں پر منتیں اور چڑھاوے
422	ترجمہ میں علمی خیانت
425	صفات باری تعالیٰ کا مظہر بننے کا مفہوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَةِ لِّلْعَالَمِیْنَ، سیدنا و مولینا
محمد و علی الہ الطیبین الطاہرین و علی صاحبہ الصدیقین الکاملین، و علی
اولیاء امتہ و علمآء ملتہ من الفقہآء المجتہدین و المحدثین و المفسرین اجمعین

مافی الضمیر

”تفہیم المسائل“ کے عنوان سے میں نے مارچ 1999ء میں روزنامہ ”ایکسپریس“ کراچی کے
جمعہ ایڈیشن میں ہفتہ وار کالم شروع کیا تھا جو قارئین کے ارسال کردہ دینی سوالات کے جوابات پر
مشتمل ہے۔ الحمد للہ علی احسانہ یہ کالم کافی مقبول ہوا۔ قارئین نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اس میں
حصہ لیا اور دیگر علمی حلقوں نے بھی پذیرائی اور حوصلہ افزائی سے نوازا۔ اب یہ دسمبر 2000ء تک
شائع شدہ سوالات و جوابات پر مشتمل دینی و علمی مواد ”تفہیم المسائل“ ہی کے نام سے کتابی شکل
میں آپ کے سامنے موجود ہے۔ یہ جلد اول ہے اور انشاء اللہ العزیز آئندہ مجلدات وقفے وقفے
سے آتی رہیں گی۔

میں نے دیگر معاصر اخبارات کے اس نوع کے کالموں کی طرح نہ تو بالکل اختصار سے کام لیا
ہے کہ محض، ہاں ہاں، یا نہ اور ”جائز“ یا ”ناجائز“ کی حد تک جواب دے دیا جائے اور نہ ہی دلائل
کا انبار لگایا ہے کہ کتاب طویل ہو جائے اور عام قاری کا ذہن اکتا جائے، بلکہ حتی الوسع توسط و
اعتدال سے کام لیا ہے اور حسب ضرورت مختصر دلائل اور حوالہ جات بھی درج کر دیئے ہیں تاکہ
دینی ذوق رکھنے والوں کی علمی ضیافت کا بھی اہتمام ہو جائے اور ان کی کما حقہ تسلی و تشفی بھی ہو سکے۔
اخبار میں مطبوعہ سوالات و جوابات کے علاوہ چند مدلل و جامع فقہی فتاویٰ بھی اس میں شامل
ہیں، جو بعض معاصر اہل فتویٰ سے تحریری بحث و تمحیص کے نتیجے میں مرتب ہوئے، لیکن ان کی تعداد
بہت کم ہے۔ دارالعلوم نعیمیہ کے شیخ الحدیث اور شرح صحیح مسلم و ”تبیان القرآن“ کے مصنف علامہ
غلام رسول سعیدی مد اللہ ظہم العالی کا وجود اور علمی خدمات دارالعلوم نعیمیہ، اہلسنت اور ملت اسلامیہ
کے لئے سرمایہ افتخار ہیں، ان کی مشاورت، رہنمائی اور علمی سرپرستی اس کتاب کی تسوید و تہیض اور
روزمرہ دینی امور میں ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے، ان کی صحت و درازی عمر اور تصنیفی و تدریسی

فیوض و برکات کے تادیر جاری رہنے کے لئے میں انتہائی خلوص کے ساتھ بارگاہ الوہیت میں دست بدعاء ہوں۔

دارالعلوم نعیمیہ کے استاذ حدیث مولانا احمد سعیدی زید مجدہم سے بھی دینی و فقہی مسائل میں مشاورت کرتا رہتا ہوں، ان کا علمی تعاون بھی میرے شامل حال رہا ہے۔ بناء بریں ان کا شکر گزار ہوں۔

عزیز محترم مولانا نور نبی حلف الرشید علامہ مفتی عبدالرحیم شاہ پورچا کر سندھ نے تفہیم المسائل کے منتشر و غیر مرتب سوال و جواب کی باقاعدہ تبویب (Classification) کی ہے جو بلاشبہ بہت اہم کام ہے اور اس کے بغیر اس مواد کو کتابی شکل میں لانا میرے لئے دشوار ہوتا، میں ان کے اس مخلصانہ علمی تعاون پر ان کا شکر گزار ہوں اور ان کی علمی ترقی کے لئے دعاگوں ہوں۔

کتاب کی پروف ریڈنگ اور تصحیح کیلئے میں اس شعبے کے ماہر مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی صاحب کا از حد شکر گزار ہوں وہ چونکہ صاحب علم بھی ہیں اس لئے جو تحریر ان کی نظر سے گزر جائے اس میں لفظی و معنوی سقم کم رہتا ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ انہیں ماجور فرمائے۔

اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر دوران مطالعہ وہ میری کسی علمی فروگزاشت پر مطلع ہوں تو ازراہ کرم ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔ انشاء اللہ العزیز وقتاً تفہیم المسائل کی آئندہ مجلدات آپ کے سامنے آتی رہیں گی۔ میں انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دست بدعاء ہوں کہ وہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس سعی ناتمام کو اپنی بارگاہ عالیہ میں مقبول و ماجور فرمائے اور اسے اہل علم و آرباب فکر و نظر اور دین اسلام سے محبت رکھنے والوں کی نظر میں قبول دوام نصیب فرمائے۔

بندۂ عاجز

منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ، کراچی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

چیئر مین

مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

کلمات تشکر

الحمد لله على احسانه که الله جل شانہ کے بے پایاں فضل و کرم اور اس کے حبیب کریم ﷺ کے توسل سے ”تفہیم المسائل“ جلد اول کو ہمارے تصورات اور توقعات سے بدرجہا زائد کامیابی نصیب ہوئی، رب کریم نے اسے قبول عام عطا کیا، اہل علم اور ارباب فکر و نظر نے کلمات تحسین سے نوازا اور پہلا ایڈیشن تقریباً تین ہفتے میں ہی ختم ہو گیا اور طلب برقرار رہی۔ ہم اس انعام ربانی پر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہیں اور ہمارا قلب جذبات تشکر سے معمور ہے، ہم اپنے تمام ہمدردوں اور کرم شرمائوں کے لئے بھی سراپا سپاس ہیں، کیونکہ ارشاد نبوی ہے: مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ۔

دوسرے ایڈیشن کی آمد میں تاخیر اس لئے ہوئی کہ ہم نے پوری کتاب پر نظر ثانی کی ہے، مکررات کو حذف (Delete) کر دیا ہے، موقع و محل کی مناسبت سے بعض مقامات پر تشریح و اضافہ کیا ہے اور بعض جگہ معمولی ترمیم کی ہے۔ اس کے علاوہ لفظی و معنوی تصحیح اور طباعت کے معیار کو حتی الامکان مزید بہتر بنانے کی کوشش کی ہے۔ بعض احباب کی فرمائش پر عربی عبارات کے پر اعراب بھی لگا دیئے ہیں، حالانکہ کمپوزنگ میں یہ بہت مشکل کام ہے۔

مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب کے ساتھ طلاق بائن کے مسئلے پر جو تحریری مباحثہ شامل اشاعت تھا، اسے اہل علم اور مدرسین حضرات اور ائمہ و خطباء کرام نے نہایت دلچسپی، توجہ اور انہماک سے پڑھا ہے۔ احباب کی فرمائش پر اب ہم نے اسے واقعاتی ترتیب کے مطابق از سر نو مرتب کیا ہے، ان کا اصل فتویٰ اور اس پر ہم نے جو ان کا تعاقب کیا، وہ اور ہمارے تعاقب پر ان کا رد عمل، جو ان کی طرف سے ”متابعت الجواب“ کے عنوان سے ہمیں موصول ہوا، من و عن انہی کے الفاظ مبارکہ میں نقل کر دیا ہے تاکہ ریکارڈ کا حصہ بن جائے۔ علمی دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کا پورا موقف انہی کی تحریر میں قارئین کے سامنے آئے۔ اسی طرح اپنے موقف کی تائید میں ہم نے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کے متعلقہ فتاویٰ بھی لفظ بہ لفظ نقل

کردیے ہیں۔ امید ہے اب یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہو کر سامنے آئے گا۔ علمی وقار اور شخصی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک وقیع علمی بحث مزید دلچسپی کا باعث بنے گی۔

ہم نے اپنے جملہ معاونین بالخصوص جناب نجیب الدین شیخ صاحب اور محترم اظہر احمد صاحب کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور انتہائی خلوص اور عجز و نیاز کے ساتھ اللہ رحیم و کریم کی بارگاہ میں ان کے حق میں بے پایاں اجر و ثواب اور خیر و برکت کے لئے دعا گو ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ جلد ثانی بھی جلد طبع ہو کر منظر عام پر آئے۔ ہم نے اللہ کی توفیق و عنایت سے کام شروع کر دیا ہے۔ السَّعْيُ مِنَّا وَالْإِتْمَامُ مِنَ اللَّهِ۔

سراپا تشکر و امتنان
نجیب الرحمن

تبرکاتِ اکابر

شیخ الحدیث علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہم العالی

صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

چیئرمین سنی سپریم کونسل جماعت اہلسنت پاکستان

**JAMIA
NIZAMIA RIZVIA**

الجامعة النظامية الرضوية

YOUR REF: _____
OUR REF: _____

DATE: _____

بیم کتابی الاول
۲۲ جولائی ۲۰۰۰ء

عزیزم محترم مولانا قاضی منیب الرحمن صاحب، زید مجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مزاج شریف ، خیریت مطلوب ،

آپکی حسین وجمیل تالیف، "تفسیم المسائل" موصول ہوئی، شکریہ

ماشاء اللہ ظاہری اور باطنی حسن سے مرصع ہے، تقریر و تحریر میں آپکا انداز بیان خوب ہے، معاشرہ کی

ضرورت کو اہل انداز میں بیان کیا گیا ہے، امید ہے کہ آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کیونکہ بہت سے معاشرتی معاملات و مسائل باقی ہیں جن کی عوام کو ضرورت ہے، اس لئے تفسیم المسائل کی

دوسری جلد پیش نظر رہنی چاہئے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپکے علم و عمل اور تقریر و تحریر اور خدمت دین میں مزید

ظہور و برکت فرمائے، آمین۔

محمد عبد القیوم ہزاروی

(مفتی) محمد عبد القیوم ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور / شیخوپورہ

G.P.O Box No. 1016, Inside Lahori Gate, Lahore-54000, PAKISTAN.

New Educational Complex, Sargodha Road, Sheikhpura.

Ph: 92-42-7657314. Fax: 92-42-7657842. A/C No: 3461-0, Muslim Commercial Bank, Shah Alam Market, Lahore

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہم، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مکتبہ قادریہ

جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری منڈی لاہور

حوالہ نمبر..... $\frac{486}{92}$ تاریخ 25-7-2007ء

محترم و مکرم حضرت علامہ مولانا شیخ منیب الرحمن صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف

آپ کی ارسال کردہ تصنیف لطیف "تفہیم المسائل" موصول ہوئی، جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کر کے لطف ہوا، آج کے قاری کو ایسی ہی کتابوں کی ضرورت ہے جن میں مختصر، مدلل اور واضح انداز میں مسائل بیان کئے گئے ہوں نیز ان کی زبان بھی شستہ اور عام فہم ہو، الحمد للہ! آپ کی تالیف جمیل میں یہ سب خوبیاں موجود ہیں، مولائے کرم سے قبول عام عطا فرمائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب رہے۔

ارشاد حقانی اور مولوی یوسف لدھیانوی پر آپ نے معقول اُفت کی ہے۔

عدم سعید کاغذ پر جمیل لکھیں اور دیدار اساتذہ کی خدمت میں التذلل معین
والسلام
محمد عبدالحکیم شرف قادری

﴿ كتاب العقائد ﴾

اللہ میاں، اللہ سائیں کہنا

سوال: کیا اللہ میاں، اور اللہ سائیں کہنا جائز ہے؟

(محمد ناصر خان چشتی، نارتھ کراچی)

جواب: سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 110 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ۗ
 اَيَّامًا تَدْعُوۡا فَلَهُۥ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى
 (بنی اسرائیل: 110)

اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو، جس
 نام سے بھی پکارو، اس کے سب ہی نام
 اچھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے اسم ذات ”اللہ“ ہے، اس سے قریب تر صفاتی نام ”الرحمن“ ہے، باقی اس کے بہت سے صفاتی نام ہیں جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، مثلاً السّار، الغفار، الرّؤف، الرحیم وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو تعبیر کرنے کے لئے جو بھی اسماء، صفات اور کلمات استعمال کے جائیں، ان کے لئے ضروری ہے کہ ذات باری تعالیٰ کے شایان شان ہوں۔ ”میاں“ اور ”سائیں“ ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایان شان نہیں ہیں، کیونکہ اگرچہ استعمال کرنے والا انہیں اچھے معنوں میں استعمال کر رہا ہو، لیکن ان میں کم تر معنی کا وہم پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے اسم جلالت کے ساتھ ان کلمات کا استعمال درست نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اللہ جل شانہ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ یا باری تعالیٰ کے کلمات استعمال کرنے چاہئیں۔

ذیل میں ہم کتب لغت کے حوالے سے لفظ ”میاں“ اور ”سائیں“ کے معانی درج کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے!

میاں: اردو زبان میں شوہر، خواجہ سرا، ایک کلمہ جس سے برابر والے یا اپنے سے کم درجہ شخص کو خطاب کرتے ہیں، بیٹا وغیرہ معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

(قائد اللغات، فیروز اللغات)

سائیں: خاوند، فقیر، بھکاری وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ (قائد اللغات)
 ان معانی سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ اللہ جل شانہ کے شایان شان نہیں
 ہیں، ان میں سے بعض معانی ایسے ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے لئے نقص اور اہانت کا پہلو
 رکھتے ہیں۔ لہذا ہماری رائے میں ”اللہ میاں“ اور ”اللہ سائیں“ ایسے کلمات بولنے سے
 بالکل گریز کرنا چاہیے اور اپنے گھروں، دفاتر، مجالس اور بچوں کے ساتھ گفتگو میں اللہ جل
 شانہ کا ذکر کرتے وقت اسی احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالت تو بہت بلند تر
 ہے۔ وہ ہر نقص، عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
 يَصِفُوْنَ“ (الصافات) ١٨
 آپ کا رب جو بڑی عزت والا ہے،
 ہر اس عیب سے پاک ہے جو وہ بیان
 کرتے ہیں۔“

ذات پاک رسالت مآب ﷺ کے لئے بھی اللہ جل شانہ نے ایسا ذمہ معنی کلمہ استعمال
 کرنے سے منع فرمایا جس کے معنی شان رسالت کے مطابق نہ ہوں، خواہ استعمال کرنے
 والے کی نیت بھی درست ہو، لیکن اس سے کوئی بدنیت، بدنہب اور بدطینت شخص دور کا
 ایسا معنی مراد لے سکتا ہے، جس سے اہانت اور بے ادبی کا پہلو نکلتا ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا سِرًاۗءَآ وَّ
 قُوْلًا اَنْظَرْنَا وَاَسْمَعُوْا ۗ وَ لِلْكَافِرِيْنَ
 عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرہ) ١٥٩

اے ایمان والو! (اگر دوران کلام رسول
 اللہ ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہو
 تو) سِرًاۗءَآ (یا رسول اللہ) نہ کہو بلکہ
 اَنْظَرْنَا (یا رسول اللہ) کہو اور (ادب کا
 تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ کی بات کو)
 خوب توجہ سے سنو، (تا کہ انہیں دوبارہ
 بتانے میں زحمت نہ دینی پڑے)۔“

عذاب قبر

سوال: قرآن اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں عذاب قبر ثابت کیجئے؟۔

(ایس، خان کیمٹری کراچی)

جواب: عذاب قبر قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَ
يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ
فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۱۰۱﴾ (المومن)

”انہیں (قوم فرعون کو) جہنم کی آگ پر
صبح و شام پیش کیا جاتا ہے اور جب
قیامت قائم ہوگی (تو فرشتوں کو حکم دیا
جائے گا کہ) فرعونوں کو زیادہ سخت
عذاب میں داخل کرو۔“

اس آیت میں قیام قیامت سے پہلے فرعون اور قوم فرعون کو صبح و شام نار جہنم پر پیش کیے جانے کا ذکر ہے، یہی عذاب قبر ہے، قبر سے مراد زمین کا وہ گڑھا ہی نہیں جس میں مردے کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ ہے، یعنی انسان کی موت اور قیام قیامت کا درمیانی عرصہ، اس میں اس کے وجود کے ذرات، خاک یا راکھ کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں جہاں کہیں بھی ہوں، ان کے ساتھ قدرت کی طرف سے روح کا کوئی نہ کوئی تعلق قائم ہوتا ہے، جس کی کیفیت کا ہم اس دنیا میں ادراک نہیں کر سکتے اور اسے عذاب یا ثواب پہنچتا ہے۔

”وہ (قوم نوح) اپنے گناہوں کے سبب
(نوح: 5) (طوفان نوح میں) غرق کر دیئے گئے،
پھر آگ میں ڈالے گئے۔“

یہاں غرقاب ہونے کے بعد جس عذاب کا ذکر ہے وہ عذاب قبر ہی ہے۔ عذاب قبر کے ثبوت میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں جو حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔

کلمہ طیبہ کا ذکر قرآن میں

سوال: بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ”کلمہ طیبہ“ جسے ”کلمہ اسلام“ بھی کہتے ہیں، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ کیا اتنی بنیادی چیز قرآن میں نظر انداز کی جاسکتی ہے؟۔
(آصف انور، لائڈھی، کراچی)

جواب: قرآن کسی ایک آیت کسی ایک سورت یا کسی ایک جزء کا نام نہیں ہے بلکہ پورا قرآن اللہ کا کلام ہے، سارے قرآن پر لفظاً و معنایاً ایمان فرض عین ہے۔ کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کے انکار کے مترادف ہے۔ قرآن مجید سارے کا سارا یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کی حکمت سے نازل کیا جاتا رہا۔ اس لئے قرآن مجید میں عقائد، مسائل و احکام اور قصص و واقعات متفرق طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کو کلمہ طیبہ بھی کہتے ہیں اور کلمہ اسلام بھی کہتے ہیں۔ اس کے دونوں اجزاء قرآن مجید میں دو مقامات پر الگ الگ آئے ہیں۔ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ قرآن مجید کی 37 ویں سورت ”الصافات“ کی آیت نمبر 35 میں مذکور ہے اور ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ قرآن پاک کی 48 ویں سورت ”الفتح“ کی آخری آیت، آیت نمبر 29 کی ابتداء میں مذکور ہے۔ ان دونوں کو یکجا کرنے سے کلمہ طیبہ بنتا ہے۔

آثار قیامت

سوال: قیامت کس دن قائم ہوگی؟ اور قیامت کی نشانیاں کیا ہیں؟

(محمد اشرف، منظور کالونی، کراچی)

جواب: صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ قیامت جمعہ کے دن قائم ہوگی، احادیث مبارکہ میں قیامت کی کئی نشانیاں بتائی گئی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں: علم اٹھ جائے گا، جہالت کا غلبہ ہوگا، بدکاری اور شراب نوشی کی وبا عام ہوگی، آبادی میں مردوں کی بہ نسبت عورتوں کا تناسب بڑھ جائے گا، امانت ضائع کر دی جائے گی اور اس کی نشانی رسول اللہ ﷺ نے یہ بتائی کہ مسلمانوں کی زمام اقتدار نا اہلوں کے پاس چلی جائے گی، قومی دولت کو ذاتی

جاگیر سمجھ لیا جائے گا، امانت کو مال غنیمت سمجھ کر اس پر ہاتھ صاف کر دیا جائے گا، لوگ زکوٰۃ کو تاوان اور جرمانہ سمجھیں گے یعنی یا تو دیں گے نہیں اور اگر دیں گے تو بے دلی سے علم دین، دینی مقاصد کے لئے نہیں بلکہ دنیوی مقاصد کے لئے حاصل کیا جائے گا۔، مرد اپنی بیوی کا اطاعت گزار ہوگا اور ماں کا نافرمان، لوگ ذہنی اور فکری طور پر باپ سے دور ہو جائیں گے اور دوستوں سے قریب تر، مساجد میں لڑائی جھگڑے اور شور و غوغا ہوگا، بدکار و سرکش لوگ سردار و رہنما بن جائیں گے، نہایت کمینہ شخص قوم کا رئیس ہوگا، بڑے لوگوں کی تعظیم (ان کے کسی علمی، ادبی اور اخلاقی کمال یا تقویٰ کی بناء پر نہیں) بلکہ ان کے شر کے خوف سے ہو گی، آلاتِ غنا و موسیقی اور گانے بجانے کا بڑا شہرہ ہوگا، لوگ اپنے آباء و اجداد اور بزرگوں یعنی اسلاف کو لعن طعن کریں گے، باندی اپنے آقا کو جنے گی۔ وہ لوگ جو کبھی چرواہے تھے، جوتے اور لباس تک کے محتاج تھے بڑے بڑے محلات تعمیر کریں گے۔ احادیث مبارکہ میں اور بھی بہت سی علامات مذکور ہیں۔ لیکن ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے یہ بھی کافی ہیں، بشرطیکہ ہم نے قبول حق کے لئے اپنے ذہن کے درتچے اور دل کی آنکھیں بند نہ کر دی ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”آنکھیں اندھی نہیں ہوتی بلکہ وہ دل بصیرت سے محروم ہو جاتے ہیں جو سینوں میں دھڑکتے ہیں۔“

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَىٰ إِلَّا بَصَٰرًا ۗ وَلَكِنَّ تَعْمَىٰ
الْقُلُوبُ ۗ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۗ ﴿٤٦﴾ الْحَجَّ

اور رب کریم کا فرمان ہے:-

”اور جو میری نصیحت (کو قبول کرنے) سے رخ پھیر لے گا تو اس کے لئے معیشت تنگ ہو جائے گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے، وہ (حیرت کے مارے) کہے گا:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ
مَعِيشَةً ضَنْكًا ۗ وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
أَعْمَىٰ ﴿٣٣﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ
وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ كَذَلِكَ
أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۗ وَكَذَلِكَ

اَلْيَوْمَ تُنْشَىٰ ﴿١٢٤﴾ (طہ: 124 تا 126) اے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، میں تو دنیا میں (اچھا بھلا) بیٹا تھا، رب فرمائے گا، اسی طرح (دنیا میں) تیرے پاس میری آیات آئی تھیں تو، تو نے انہیں بھلا دیا تھا، تم بھی آج اسی طرح نظر انداز کر دیئے جاؤ گے۔

قیامت کا دن

سوال: یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ قیامت کا دن 10 محرم الحرام بروز جمعہ نماز عصر کے وقت ہوگا؟۔

(ڈینٹیل سردار بھٹی، کراچی)

جواب: صحیح مسلم میں جمعہ کے بارے میں حدیث ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے، اس روز حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن انہیں جنت سے نکالا گیا اور قیامت بھی جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔“ غنیۃ الطالبین میں، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ ”قیامت عاشورہ کے دن قائم ہوگی۔“

دجال کی حقیقت

سوال: دجال کیا ہے؟ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ تفصیل سے وضاحت فرمائیے؟

(ڈاکٹر عبداللہ ناصر بٹ، لائڈھی)

جواب: ”دجال“ کا لفظ ”دجل“ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں ”چھپانا“ اور ”ڈھانپ لینا“۔ ”کذاب“ کو بھی ”دجال“ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کو باطل کے سبب سے چھپا دیتا ہے ”دجل“ کے معنی فریب اور ملمع کاری کے ہیں۔ احادیث نبی کریم ﷺ کی روشنی میں ”دجال“ کی بابت جو ارشادات اور علامات ملتی ہیں وہ یہ ہیں:

- (۱) ظہور دجال علامات قیامت میں سے ہے۔
 (۲) اس کا ظہور قیامت سے پہلے ہوگا۔
 (۳) یہ شخص اعمور (کانا) ہوگا اور اس کی کانی آنکھ انگور کی طرح پھولی ہوئی ہوگی۔
 (۴) اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ”ک، ف، ر“ لکھا ہوگا۔
 (۵) اس کے ساتھ آگ اور پانی کے دریا ہوں گے، وہ ایک آدمی کو قتل کر کے پھر زندہ کرے گا۔

- (۶) وہ مشرق کی طرف سے نمودار ہوگا، دجال کا لقب ”مسیح“ ہوگا، لیکن وہ مسیح ضلالت ہوگا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح ہدایت ہیں۔
 (۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ”دجال“ پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا اور پھر الوہیت کا۔

- (۸) قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ دجال کا ذکر نہیں ہے، البتہ بعض اکابر علماء جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ بعض آیات مبارکہ میں اشارۃً دجال کا ذکر ہے۔
 (۹) دجال کے دعوائے الوہیت کو باطل ثابت کرنے کے لئے بعض احادیث مبارکہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کانا ہوگا، اللہ تو کانا نہیں ہے اور اگر وہ اپنی الوہیت کے دعوے میں سچا ہوتا تو اپنے جسمانی نقص اور عیب کو دور کرتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دجال کا ظہور اہل ایمان کی ابتلاء، آزمائش اور امتحان کے لئے ہوگا۔ اسی باعث اس کے ہاتھ پر ”خرق عادت“ یعنی کرشماتی اور محیر العقول امور کا ظہور ہوگا۔

- (۱۰) احادیث مبارکہ میں یہ نہیں ہے کہ دجال کا ذکر ”سورۃ کہف“ میں ہے، بلکہ یہ ہے کہ سورۃ کہف کی ابتدائی تین آیات یا ابتدائی دس آیات یا آخری دس آیات یا ہو سکے تو پوری سورۃ کہف کی تلاوت کرتے رہا کرو، اس کی برکت سے اللہ جل شانہ تمہیں فتنہ دجال سے محفوظ فرمائے گا۔

جنت کے کھانے کیسے ہوں گے؟

سوال: کیا جنت میں دنیاوی کھانوں کی طرح بھی کھانے ہوں گے یا خالی پھل اور میوے ہوں گے؟
(جبران سرتاج، پولیس لائن، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور آپ بشارت سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جب انہیں (باغات) کے کسی پھل کا رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے ملا تھا اور ان کو (صورتاً) ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے۔“

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ
رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ
قَبْلُ وَأَتَتْهُمُ مِثَابُهَا
(البقرہ: 25)

”اور تمہارے لئے اس (جنت) میں ہر وہ چیز ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو۔“
اور وہاں ہر وہ چیز ہوگی جسے ان کے دل چاہیں اور آنکھیں لذت پائیں۔“
”اور ان میں پھل اور کھجوریں اور انار ہیں۔“

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَى أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ
فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٣١﴾ (حم السجدہ: 31)
وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ
الْأَعْيُنُ (الزخرف: 71)
فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾
(الرحمن: 68)

ان آیات مبارکہ میں پھلوں کا بھی ذکر ہے، یہ بھی ذکر ہے کہ اہل جنت کو من پسند چیزیں ملیں گی، جس چیز کی وہ خواہش کریں گے، انہیں مل جائے گی، ظاہر ہے وہ کسی بھی چیز کی خواہش کر سکتے ہیں اور ہر طیب و طاہر اور حلال چیز انہیں دستیاب ہوگی۔ باقی رہا یہ سوال

کہ وہ پھل اور کھانے کس طرح کے ہوں گے؟ تو قرآن نے فرمایا کہ دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے تاکہ طبیعت ان کی طرف مائل ہو، انسیت ہو، لیکن جنتی پھلوں، میووں اور طعام کی جولذت ہوگی دنیا میں ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کو جو پھل بار بار دیئے جائیں گے، وہ صورتاً تو پہلے پھلوں کے مشابہ ہوں گے لیکن ہر بار ذائقہ نیا ہوگا، لذت نئی ہوگی۔

برزخ سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۱) برزخ سے کیا مراد ہے؟ (۲) اگر قیامت یوم عاشورہ برز و جمعہ واقع ہوگی تو یوم عاشورہ دنیا کے مختلف ممالک میں ایک آدھ دن کے فرق سے ہوتا ہے، پھر یوم جمعہ کا تعین کیسے ہوگا؟ (۳) کیا جنت یا دوزخ میں انسان مکمل جسم کے ساتھ رہے گا یا صرف روح وہاں پر ہوگی؟ (۴) رمضان المبارک میں جن لوگوں نے جان بوجھ کر روزے نہیں رکھے، کیا وہ سزا کے مستحق ہو گئے؟ (محمد شاہد اعجاز، ناظم آباد، کراچی)

جواب: (۱) ”برزخ“ دو چیزوں کے درمیان حد فاصل کو کہتے ہیں۔ علم العقائد کی اصطلاح میں انسان کی موت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک (یعنی عالم آخرت کے آغاز تک) کا جو درمیانی وقفہ ہے، اسے عالم برزخ کہتے ہیں، خواہ وہ عرصہ انسان کا وجود خاک کی قبر میں گزرے، گل سڑ کر خاک بن چکا ہو یا جل کر راکھ ہو چکا ہو، کسی درندے کی خوراک اور اس کی جزء بدن بن کر تحلیل ہو چکا ہو۔ الغرض جس حالت اور جس کیفیت میں بھی اس پر یہ دور گزرا ہے، گزر رہا ہے یا قیامت تک گزرے گا، وہ عالم برزخ کہلاتا ہے۔ اس عرصے میں اس کے اجزاء بدن کے ساتھ اس کی روح کا کسی نہ کسی قسم کا تعلق قائم رہتا ہے اور از روئے قرآن وحدیث وہ عذاب و ثواب اور رنج و راحت کی کیفیات سے گزرتا رہتا ہے۔

(۲) اگر اللہ کے حکم اور تقدیر سے قیامت اس یوم عاشورہ کو واقع ہوگی جو جمعہ کے دن آئے گا تو ممالک کی تقسیم تو ہمارے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے ساری زمین ایک ہے، تو جہاں بھی یوم عاشورہ جمعہ کے روز آئے گا، وہاں سے قیامت کا آغاز ہو جائے گا، زمین، سیاروں،

ثوابت اور مظاہر کائنات کی شکست و ریخت کا عمل شروع ہو جائے گا اور پھر قبروں یا برزخ کی کیفیات و احوال سے مردوں کے زندہ کیے جانے اور حشر و نشر کے مراحل آئیں گے۔
(۳) قرآن و سنت کی نصوص اور تصریحات سے یہی معلوم ہوا ہے کہ انسان اپنے جسم کے ساتھ جنت یا دوزخ میں جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا، عنقریب ہم انہیں آگ میں جھونک دیں گے۔ جب بھی ان (کے جسموں) کی کھالیں جل کر پک جائیں گی، ہم انہیں دوسری کھالوں سے تبدیل کر دیں گے، تاکہ وہ عذاب چکھیں۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا كَلَّمًا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بِدَلْنِهِمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ (النساء: 56)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”دوزخ اس کے پیچھے ہے اور اسے پلایا جائے گا (جہنمیوں کے زخموں سے رسنے والا) پیپ کا پانی، وہ بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور وہ اسے گلے سے نیچے اتار نہ سکے گا اور ہر طرف سے اسے موت گھیر لے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہوگا۔“

مَنْ وَرَا آيَهُ جَهَنَّمَ وَ يُسْقَى مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۖ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۗ وَ مِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۖ (ابراہیم: 16-17)

اسی طرح اہل جنت کی کیفیات و احوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”بلاشبہ نیک لوگوں ضرور نعمتوں میں سرشار (عزت کی اونچی) مسندوں پر (بیٹھے) دیکھتے ہوں گے، آپ ان کے

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۖ عَلَى الْأَسْرَابِ يَنْظُرُونَ ۖ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ۖ يُسْقَوْنَ مِنْ

ثَرَجِيَّتِي مَمْسُومَةٍ لَا حَيْثُ مَسْكٌ ۝
 (المطففين: 22 تا 26)

چہروں کو راحت کی تروتازگی (کی
 علامات) سے پہچانیں گے، انہیں صاف
 شفاف مہر بند شراب پلائی جائے گی جس
 کی مہر مشک ہے۔“

الغرض اسی طرح کی متعدد آیات ہیں جن سے قطعیت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ اہل
 جنت، جنت میں اور اہل جہنم، جہنم میں اپنے جسموں کے ساتھ ہوں گے۔
 (۴) رمضان المبارک میں جن لوگوں نے قصداً بغیر عذر کے روزے چھوڑے ہیں، وہ گناہ
 کبیرہ کے مرتکب ہیں اور سزا کے حق دار ہوں گے۔ انہیں چاہیے کہ اپنی اس کوتاہی پر توبہ
 کریں اور روزوں کی قضا بھی کریں۔

ارشاد احمد حقانی سے مکالمہ لفظ ”مولانا“ کا اطلاق

روزنامہ جنگ، کراچی کے 7 نومبر 1998ء کی اشاعت میں ادارتی صفحے پر محترم
 ارشاد احمد حقانی کے کالم ”حرف تمنا“ میں ان کی عبدالودود صاحب کے ساتھ مراسلت شائع
 ہوئی ہے، جس میں عبدالودود صاحب نے منجملہ اور باتوں کے لفظ ”مولانا“ کے غیر اللہ پر
 اطلاق کو ناجائز قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک یہ لفظ اللہ جل شانہ کی ذات کے لئے خاص
 ہے، جیسے ان کے فرمان کے مطابق عدالت میں جج کو (My Lord) کہہ کر مخاطب کرنا، ان
 کے ساتھ خاص ہے اور عدالت سے باہر کسی اور شخص کو اس لفظ سے مخاطب نہیں کیا جاسکتا
 حالانکہ یہ بھی کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے، محض ان کے ذہن کی اختراع ہے۔ سطور ذیل میں
 ہم اس مسئلے کی مکمل وضاحت کر رہے ہیں تاکہ عوام کے ذہن میں کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

لفظ ”مولانا“ کا مادہ (Origin) ”وَلَّى“ ہے اور لفظ ”مولانا“ دو کلمات سے مرکب
 ہے۔ مولیٰ + نا، ”مولیٰ“ مصدر میمی بنی للفاعل یعنی فاعلی معنی میں ہے اور ”نا“ ضمیر جمع
 متکلم ہے، لہذا دوسری ضمائر (Pronouns) کے ساتھ مل کر اس کی مرکب صورت
 ”مولاہ“ ”مولاک“ ”مولانی“ وغیرہ ہوگی۔

لفظ ”مولیٰ“ عربی زبان کے اسمائے اضداد (The Word with Opposite Meanings) میں سے ہے، یعنی ایسے کلمات جو دو متضاد معنوں کے لئے وضع کیے گئے ہیں اور دونوں میں ان کا استعمال حقیقت ہے، مجاز نہیں، جیسے ”بیع و شراء“ کے کلمات ان میں سے ہر ایک خرید و فروخت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور سیاق و سباق (Context) اور محل استعمال سے معنی کا تعین ہوتا ہے، مثلاً قرآن مجید کی سورۃ البقرہ آیت نمبر 207 میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور لوگوں میں سے ایک شخص ایسا ہے
جو اللہ کی رضا جوئی کی خاطر اپنی جان کو بیچ
دیتا ہے۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ (البقرہ: 207)

اور سورۃ التوبہ آیت نمبر 111 میں ہے:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے
جنت کے عوض ان کی جان و مال کو خرید لیا
ہے۔“

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ ۗ
(توبہ: 111)

ان دو آیات میں مادہ ”شراء“ اور ”شری“ کے دو مشتقات (Derivatives) ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”یشری“ بصیغہ مضارع (Present & Future Tense) بیچنے کے معنی میں، اور دوسری آیت میں ”اشتری“ بصیغہ ماضی (Past Tense) خریدنے کے معنی میں ارشاد فرمائے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں کلمات یعنی ”یشری“ اور ”اشتری“ کا مادہ و مصدر (Origion) ایک ہے اور معانی (خرید و فروخت) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کا کلمہ ”الجون“ بھی متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے، یعنی اس کے معنی ”سفید“ بھی ہیں اور ”سیاہ“ بھی۔

اس تمہید کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ لفظ ”مولانا“ جب کسی عالم دین کے لئے بولا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے، ہمارے سردار، ہمارے آقا وغیرہ۔ اور ظاہر ہے یہاں اس

لفظ سے دینی سیادت و سربراہی مراد ہے اور یہ محض عقیدت و محبت کے اظہار اور احترام و اکرام کے لئے ہمارے ہاں بولا جاتا ہے، یہ کوئی عہدہ و منصب یا لقب (Title) نہیں ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے اور محترم ارشاد احمد حقانی کا اسے ”غلام العام“ قرار دینا دینی علوم میں مہارت تامہ نہ ہونے کی دلیل ہے۔

اللہ جل شانہ کے بعض اسماء صفات وہ ہیں جو اس کی ذات اعلیٰ و اجل کے ساتھ خاص ہیں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہے، جیسے اللہ، رحمٰن، عالم الغیب وغیرہ اور بعض اسماء باری تعالیٰ ایسے ہیں جن کا استعمال قرآن میں ذات باری تعالیٰ کے لئے بھی ہوا ہے اور غیر اللہ بطور خاص رسول اللہ ﷺ کے بھی جیسے عزیز، رؤف، رحیم، سمیع، بصیر، شہید، ولی، والی، غنی، کریم، حکیم، مومن وغیرہ۔ ان اسماء صفات کو جب اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو استقلال ذاتی کے معنی ہیں، یعنی ان صفات عالیہ کا مصدر منبع خود اللہ جل شانہ کی ذات ہے کسی اور سے مستعار و مستفاد نہیں اور جب ان صفات محمودہ کا اطلاق رسول اللہ ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کے لئے کیا جاتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا و انعام سے انہیں حاصل ہیں، ان کا اصل مصدر منبع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ لفظ ”مولیٰ“ بھی ایسی ہی صفات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندوں دونوں کے لئے استعمال ہوتی ہیں، بس فرق جہت (Angle, Viewpoint) کا ہوتا ہے، قرآن مجید کی سورۃ التحریم آیت نمبر 4 میں ارشاد ہوتا ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ
الْمُؤْمِنِينَ (تحریم آیت: 4) اور جبرائیل اور صالح مومنین بھی۔

اس آیت میں لفظ ”مولیٰ“ کا اطلاق ایک ہی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ذات پر، جبرائیل امین پر اور صالح مومنین پر کیا گیا ہے۔ سورۃ النحل آیت نمبر 76 میں ارشاد ہے:

وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهُ لَا
يَأْتِ بِخَيْرٍ (النحل: 76) اور وہ (ناکارہ غلام) اپنے مولیٰ
(آقا) پر بوجھ ہے اور وہ اسے جدھر بھیجے

کوئی بھلائی لے کر نہ آئے۔“

اس آیت میں آقا پر لفظ ”مولیٰ“ کا اطلاق کیا ہے اور متعدد آیات میں ذات باری تعالیٰ کے لئے بھی یہ کلمہ استعمال ہوا ہے، جیسے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 286 میں ہے: اَنْتَ مَوْلَانَا یعنی تو ہمارا مولیٰ (مددگار) ہے۔ اسی طرح احادیث نبی کریم ﷺ میں بھی لفظ ”مولیٰ“ کا استعمال غیر اللہ کے لئے بکثرت آیا ہے، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مسند امام احمد میں ہے کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر ”غدیر خم“ کے پاس آپ نے فرمایا: ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ“ یعنی جس کا میں محب ہوں، علی بھی اس کے محب ہیں۔

صحیح بخاری کتاب المغازی میں ہے کہ غزوہ احد کے موقع پر ابوسفیان نے نعرہ لگایا: ”اَعْلُ هُبَل“ یعنی ہبل (مشرکین مکہ کا بت) کا نام سر بلند ہو۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ”اس نعرے کا جواب دو، صحابہ نے عرض کیا: ”کیا جواب دیں؟“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کہو، اللہ اَعْلَى وَاَجَلُ“ (یعنی اللہ ہی کی ذات بلند ترین اور عظیم ترین ہے) ابو سفیان نے پھر دوسرا نعرہ لگایا ”لَنَا الْعُزَى وَلَا عُزَى لَكُمْ“ (یعنی ہمارا تو عزی بت ہے اور تمہارا تو کوئی عزی نہیں ہے) حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: اسے اس نعرے کا جواب دو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: کہو، ”اللَّهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلَى لَكُمْ“ (یعنی اللہ ہمارا کارساز مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے) اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر اللہ کے لئے ”مولیٰ“ کا کلمہ استعمال کرنا منع ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے گا اور تمہارے بت جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ حرکت کر سکتے ہیں، نہ انہیں شعور ہے نہ عقل، جو اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتے وہ تمہاری کیا مدد کریں گے؟ جب کہ اللہ عزوجل جو قادر و قیوم ہے وہ ہماری مدد فرمائے گا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ عالم دین کو اخلاص و للہیت، عجز و نیاز اور انکسار کا پیکر ہونا چاہیے اور اس بات کی خواہش و آرزو نہیں کرنی چاہیے کہ لوگ انہیں مولانا، علامہ یا حضرت کے القاب

سے پکاریں، کیونکہ اس سے اپنی تقدیس کا زعم پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”کیا آپ نے انہیں نہ دیکھا جو اپنی پاکیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاکیزگی عطا فرماتا ہے۔“

النساء: 49

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”خود ستائی نہ کیا کرو وہی بہتر جانتا ہے“

الثقۃ (النجم: 32)

(درحقیقت) متقی کون ہے؟“

ہاں اگر مسلمان عقیدت و محبت سے کسی عالم دین کے لئے تکریم و اعزاز کے طور پر لفظ ”مولانا“ یا ایسا ہی کوئی اور کلمہ استعمال کریں تو یہ شرعاً درست ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں یہ ”غلط العام“ نہیں بلکہ از روئے قرآن و حدیث بالکل درست ہے۔

لفظ ”مولانا“ کا اطلاق

عنوان بالا کے تحت میری گزارشات پر جناب الیاس اختر انصاری کا مراسلہ ”جنگ“ کی 13 نومبر کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری اصولی بحث سے اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے، یعنی لفظ مولانا کے معنی اور کتاب و سنت کی روشنی میں ”غیر اللہ“ پر اس لفظ کے اطلاق کا جواز۔ اس سے انکار کی گنجائش اس لئے بھی نہیں کہ یہ قرآن کے صریح انکار کے مترادف ہے۔ البتہ انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ عالم عرب میں یہ استعمال اہل علم کے لئے متعارف نہیں ہے، بلکہ اس کے متبادل لفظ ”شیخ“ اہل علم کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو اباً عرض ہے کہ لفظ مولانا کی طرح لفظ ”شیخ“ بھی عربی زبان میں متعدد اور متضاد معانی کے لئے وضع کیا گیا ہے، مثلاً بوڑھا، معمر، استاذ، عالم، قوم کا سردار، فضیلت اور مرتبے والا وغیرہ، لیکن فضیلت محمود ہی نہیں بلکہ فضیلت مذموم پر بھی بولا جاتا ہے، جیسے شیخ النار، شیطان کو کہتے ہیں۔ اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ شیطان بعض

مواقع پر ”شیخ نجد“ کی صورت میں مشرکین مکہ کے ہمراہ رہا۔ جہاں تک عرف کا تعلق ہے تو وہ مختلف ممالک، علاقوں اور خطوں میں جدا جدا بھی ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ کوئی شرعی مانع نہ ہو، جیسے اللہ جل شانہ کی ذات کے لئے لفظ ”خدا“ کا استعمال جنوبی ایشیا، ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا میں لفظ ”تنکری“ کا ترکی میں اور لفظ ”God“ کا یورپ، امریکہ اور دنیا کے دیگر خطوں میں۔ اسی طرح آل رسول ﷺ کے لئے عالم عرب میں ”شریف“ کا کلمہ استعمال ہوتا ہے اور ہمارے سارے خطے میں ”سید“، جب کہ عالم عرب میں ”سید“ آج بھی (مسٹر۔ MR) یعنی محترم جناب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہذا دینی حوالے سے کسی مسئلے پر شرعی دلیل کے بغیر اعتراض محض کٹ جتی اور اعتراض برائے اعتراض ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی

سوال: افریقہ کے ایک ملک ملاوی کے انڈین باشندے نے جو مسلم ہے اور ان کا نام ”الطاف اللہ ہے“ کہا کہ ”اللہ تعالیٰ افریقن قوم کے اندر عقل ڈالنا بھول گیا اور اللہ سے غلطی ہو گئی“ (العیاذ باللہ) وہاں ایک عالم نے انہیں متوجہ کیا یہ کلمہ کفر ہے، توبہ کرو اور تجدید نکاح کرو، لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس کا نکاح باقی ہے یا اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو چکی ہے، شرعی حکم بیان کیجئے؟

(عبد القادر علی محمد، ایم اے جناح روڈ، کراچی)

جواب: فرعون سے مکالمہ کے دوران قرآن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”(ترجمہ) میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے (طہ: 52)۔“ اسی طرح قرآن حضرت مریم سے فرشتوں کا مکالمہ نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے: ”(ترجمہ) ہم آپ کے رب ہی کے حکم سے اترتے ہیں ہمارے آگے اور ہمارے پیچھے اور اس کے درمیان جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے (مریم: 64)۔“

صورت مسئولہ میں قائل مذکور نے ذات باری تعالیٰ کی طرف سہو و نسیان اور غلطی کی

صریح نسبت کی، یہ اللہ تعالیٰ سبحانہ و تعالیٰ وجل شانہ کی صریح توہین ہے اور کفر ہے اور عالم دین کے متوجہ کرنے کے باوجود اس کا توبہ پر آمادہ نہ ہونا اصرار علی الکفر ہے۔ یہ کلمات ادا کرتے ہی اس کا نکاح فسخ ہو گیا اور عدت کے بعد اس کی بیوی کسی کے ساتھ بھی اپنی مرضی سے نکاح کرنے کے لئے آزاد ہے۔ البتہ اگر وہ صدق دل کے ساتھ کفر سے تائب ہو جائے اور شان الوہیت میں جو گستاخی کی ہے اس پر نادم ہو کر اس سے رجوع کر لے، تو وہ دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

دولت مندوں کی جنت سے دوری

سوال: کیا امیر ترین، دولت مند، سرمایہ دار 500 برس تک جنت سے دور کر دیئے جائیں گے؟
(ڈینینیل سردار بھٹی، کراچی)

جواب: ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور علامہ شرف الدین حسین طیبی نے اپنی شرح الطیبی میں ایک حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقراء، مہاجرین، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم امراء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

یہ صحابہ کرام کی نسبت سے ان فقراء اور اہل ایمان کا ذکر ہے جو مکمل طور پر شریعت پر عامل ہوں اور ہر قسم کے فسق و فجور سے محفوظ ہوں۔ ظاہر ہے جس کا پرچہ امتحان جتنا طویل ہوگا، اس کا جواب اور حساب کتاب بھی اتنا ہی تفصیلی ہوگا۔ چونکہ فقراء مومنین کے پاس ضرورت سے زائد دولت ہی نہیں لہذا اس پر جواب دہی کی ذمے داری بھی نہیں، اس کے برعکس جن اہل ثروت کو اللہ تعالیٰ نے وافر دولت دی ہے، انہیں اس دولت کی آمد و خرچ کا تفصیلی حساب بھی دینا ہوگا۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ یہ ان اہل ثروت کا ذکر ہے جو اپنی دولت شریعت کے مطابق جمع اور خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ اس معاملے میں شرعی احکام کو نظر انداز کرتے ہیں، ان کا حساب کتاب نہایت دشوار ہوگا۔

مفلس کون؟

سوال: شریعت میں مفلس کس کو کہا گیا ہے؟۔ (محمد مختار احمد، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب: صحیح مسلم میں حدیث ہے ”حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے) فرمایا ”کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟“ انہوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) ہمارے نزدیک تو مفلس وہ ہے جس کے پاس نقد رقم اور ساز و سامان دنیا نہ ہو، آپ نے فرمایا: ”میری امت میں سے مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ (یعنی عبادات کا ذخیرہ آخرت) لے کر آئے گا، لیکن (بدقسمتی سے) اس نے (دنیا میں) کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر ناجائز تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال باطل طریقے سے کھایا ہوگا، کسی کا ناحق خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو ان میں سے ہر ایک ”مظلوم“ کو اس کے ڈھائے ہوئے مظالم کے بدلے میں اس کی نیکیاں منتقل کر دی جائیں گی۔ اور اگر ان مظلومین کے حقوق کی ادائیگی کے لئے اس کی نیکیاں ناکافی ہوں گی، تو ان کے گناہ اس کے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

﴿ كتاب الطهارة ﴾

غسل کے بعد وضو

سوال: کیا غسل کے بعد نماز کی ادائیگی کے لئے وضو ضروری ہے؟

(شازیہ وشہناز، کراچی)

جواب: غسل کرنے کے بعد نماز پڑھنے کے لئے وضو کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر غسل میں پورے بدن پر پانی ڈالنے سے پہلے صحیح طریقے سے کلی کر لی ہے اور ناک میں اندر تک پانی ڈال لیا ہے، تو اب غسل کے بعد وضو کی ضرورت نہیں ہے، تاہم غسل کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے سنت کے مطابق باقاعدہ وضو کریں اور پھر پورے بدن پر پانی ڈالیں۔ غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں اندر تک پانی ڈالنا فرض ہے۔ غسل طہارت اور غسل مسنون میں فرض نہیں ہے سنت ہے۔

نیل پالش اور وضو

سوال: کیا از روئے شریعت نیل پالش کا استعمال جائز ہے اور نیل پالش کے ساتھ وضو ہو جائے گا؟

(سارہ مجید، گارڈن ویسٹ، کراچی)

جواب: اگر نیل پالش کے اجزائے ترکیبی میں کوئی حرام اور ناپاک چیز شامل نہیں ہے تو اس کا استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی خاتون با وضو ہے اور اس نے وضو کی حالت میں ایسی نیل پالش استعمال کی ہے، جس میں کوئی ناپاک اور حرام چیز شامل نہیں ہے، تو جب تک وہ پہلا وضو قائم ہے، وہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ ہماری معلومات کے مطابق نیل پالش سے ناخن پر کیمیکل کی ایک سطح جم جاتی ہے جو چکناہٹ کی وجہ سے ”واٹر پروف“ ہوتی ہے، یعنی وضو کا پانی اس میں سرایت کر کے ناخن کی اصل سطح تک نہیں پہنچ پاتا۔ ایسی صورت میں جب تک نیل پالش کو کھرچ کر صاف نہ کر دیا جائے، وضو نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی ایسی نیل پالش مارکیٹ میں دستیاب ہے جس میں کوئی ناپاک اور حرام چیز شامل نہیں ہے اور اس کے لگانے کے بعد پانی اس میں سے سرایت کر کے ناخن کی اصل سطح تک پہنچ جاتا ہے تو اس کے استعمال سے وضو ہو جائے گا۔

کیا جھوٹ بولنے سے وضو ٹوٹتا ہے؟

سوال: وضو کرنے کے بعد جھوٹ بولا، کسی کی غیبت کی، فحش کلامی کی تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا بحال رہتا ہے، کیا تازہ وضو کیے بغیر نماز پڑھ سکتے ہیں؟

(منور احمد ملیر، کراچی)

جواب: فقہی طور پر تو وضو قائم رہتا ہے اور اس سے نماز پڑھ لی تو ادا ہو جائے گی۔ لیکن اس کی کامل روحانیت، نورانیت، اجر و ثواب اور برکت حاصل نہیں ہوگی، لہذا افضل اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ تازہ وضو کر کے نماز پڑھے اور اگر چاہتا ہے کہ ان گناہوں کا اثر اور نحوست پوری طرح سے زائل ہو جائے تو صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ بھی کرے۔

دوران نماز وضو کا ٹوٹنا

سوال: (۱) نماز باجماعت کے دوران اگر اگلی صف میں کھڑے کسی نمازی کا وضو ٹوٹ جائے اور اطراف سے نکلنے کا راستہ نہ ہو، تو نمازی کیا کرے، کیا صفوں کو چیرتا ہوا نکل سکتا ہے؟

جواب: (۱) اگر نماز باجماعت ہو رہی ہے اور اگلی صفوں میں کھڑے کسی نمازی کا وضو ٹوٹ جائے تو اسے چاہیے کہ اسی لمحے نماز کو ترک کر دے اور پچھلی صفوں میں سے نمازیوں کے درمیان میں سے راستہ بناتے ہوئے نکل جائے یا جس صف میں کھڑا ہے وہاں نمازیوں کے آگے سے گزر کر کنارے پر چلا جائے اور کنارے سے راستہ بنا کر نکل جائے، نمازی کو چاہیے کہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ دوسرے نمازیوں کو پتہ چل جائے کہ اس کا وضو ٹوٹ چکا ہے اور اسے وضو کرنے کے لئے پیچھے جانا ہے۔ جب وضو کر کے واپس آئے اور جماعت بدستور جاری ہو تو سب سے پچھلی صف میں جہاں جگہ ملے کھڑا ہو جائے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد، اس کی بیچ کی کوئی رکعت نکل گئی ہو تو اسے پڑھ لے۔

سوال: (۲) مسجد میں وضو کی جگہ اکثر لوگ جوتے دھوتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب: (۲) وضو کی جگہ جوتے دھونا معیوب تو لگتا ہے لیکن دھو سکتے ہیں بشرطیکہ اگر وہ ناپاک ہیں تو ان کے چھینٹے کسی کے بدن یا لباس پر نہ پڑیں۔

ہاتھ پاک کرنا

سوال: بہت سے لوگ بیت الخلاء سے آنے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے۔ کیا یہ درست ہے؟ یا صرف پانی سے ہاتھ دھوتے ہیں، صابن استعمال نہیں کرتے؟۔

جواب: اسلام ایسا دین ہے جو تزکیہ، طہارت اور نفاست کی تعلیم دیتا ہے۔ جب تک مومن کا بدن، لباس اور نماز کی جگہ پاک نہ ہو، نماز ادا کرنے کا اہل ہی نہیں ہوتا۔ قضائے حاجت کے بعد ہاتھ دھونا طبعی نفاست کی دلیل ہے۔ ڈاکٹر حضرات کا بھی یہی مشورہ ہے کہ قضائے حاجت کے بعد صابن سے ہاتھ دھولیا کریں ورنہ یرقان کا مرض لاحق ہونے کا خدشہ ہے۔ حضور انور ﷺ کے عہد مبارک میں صابن نہیں تھا لیکن صفائی میں مبالغے اور احتیاط کے لئے ہاتھوں کو مٹی پر رگڑ کر دھویا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَ يُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۰۲﴾ (البقرہ: 222)

”بلاشبہ اللہ توبہ کرنے والوں اور نہایت عمدہ طریقے سے پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔“

حضور ﷺ نے فرمایا: ”طہارت نصف ایمان ہے“ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) اور اسلام کا سارا نظام عبادت و اطاعت اس کے حصول کا ذریعہ ہے۔ نماز میں جسم، لباس اور مقام نماز کا پاک ہونا شرط لازم ہے۔ نماز، روزے اور زکوٰۃ ان تمام عبادات سے بندہ مومن کے قلب اور قالب، جان و مال، ظاہر و باطن، بدن و روح اور ذہن کی تطہیر مقصود ہے۔ اس سے انسان میں اخلاص، للہیت، حضور ہی قلب، سخاوت، شجاعت اور صبر و ضبط نفس پیدا ہوتا ہے۔

آنسو بہنے سے وضو پر اثر

سوال: آنکھ میں تنکا پڑنے سے پانی بہنے لگتا ہے۔ رونے سے آنسو بہہ نکلتے ہیں اور کبھی آنکھ دکھنے سے پانی بہتا ہے، کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (سید عمیر الحسن، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: آنکھ میں تنکا وغیرہ پڑنے سے جو پانی بہتا ہے یا رونے والے کے آنسوؤں سے

وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ آنکھ دکھ جانے سے جو پانی بہتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حائض اور حب کے لئے قرآن کی تلاوت اور چھونے کا حکم

سوال: کیا حائض عورت اور جنبی مرد کے لئے قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے اور یہ لوگ قرآن پاک کو چھو سکتے ہیں؟۔ (عمران قریشی، خداداد کالونی، کراچی)

جواب: حائض عورت اور جنبی مرد کے لئے قرآن کی تلاوت منع ہے اور قرآن کو چھونا یعنی ہاتھ میں پکڑنا بھی منع ہے۔ البتہ اگر کوئی بے وضو ہے تو وہ زبانی قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے۔ تاہم مصحف شریف کو کسی غلاف یا پاک کپڑے میں لپیٹے بغیر چھونا منع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الطَّهَّرُونَ ﴿۱۰﴾

”اس قرآن کو نہ چھوئیں مگر (وہی لوگ)

(الواقعہ: 79) جو پاکیزہ ہوں۔“

معلمات اور طالبات کا ایام کے دوران تعلیم قرآن

سوال: اسکولوں اور کالجوں بلکہ یونیورسٹی کی سطح تک قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، کہیں ناظرہ، کہیں ترجمہ اور کہیں تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ بعض اوقات معلمات اور طالبات ایام سے ہوتی ہیں، ایسی صورت میں انہیں کیا کرنا چاہیے؟ (فاطمہ بنت عبداللہ، کراچی)

جواب: جو معلمہ اور طالبہ ایام سے ہے، وہ قرآن کی تلاوت کرے اور نہ چھوئے۔ ایسی طالبات جو با وضو اور طہارت سے ہوں، وہ تلاوت کریں اور دوسری سنیں۔ ترجمہ، تفسیر اور مسائل اگر معلمہ ایام سے ہوں تب بھی بیان کر سکتی ہیں۔ اگر وہ صرف قرآن یا مترجم قرآن یا قرآنی تفسیر پر مشتمل نصابی کتاب سامنے رکھنا ضروری سمجھیں تو پاک کپڑے یا غلاف میں لپیٹ کر پکڑ سکتی ہیں۔ اسی طرح ناظرہ پڑھاتے ہوئے ایک ایک لفظ الگ کر کے طالبات کو سمجھا سکتی ہیں۔

پان یا نسوار منہ میں رکھ کر سلام کا جواب دینا

سوال: کسی کے منہ میں پان یا نسوار ہے اور کوئی اسے سلام کرتا ہے تو سلام کا جواب دینا

چاہیے یا نہیں؟ اس حالت میں درود پاک پڑھنا یا ذکر و تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(نور خان برکی، سبزی منڈی، کراچی)

جواب: کسی کے منہ میں پان یا نسوار ہو اور کوئی اسے سلام کرے تو اسے جواب دینا چاہیے۔ کیونکہ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا واجب ہے۔ مسجد میں کچی پیاز، لہسن یا کوئی بھی بدبودار چیز کھا کر جانا اس لئے منع ہے کہ اس سے فرشتوں کو اذیت پہنچتی ہے اور دوسرے نمازیوں کے لئے باعث کراہت و اذیت ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جسمانی، روحانی، صوری اور معنوی ہر اعتبار سے پاک و صاف ہو کر کھڑا ہو۔ لہذا ادب کا تقاضا تو یہ ہے کہ با وضو بھی ہو، کلی یا مسواک کر کے منہ کو اچھی طرح صاف کرے اور ہو سکے تو خوشبو لگا کر قرآن مجید کی تلاوت کرے اور درود پاک پڑھے۔ مستند ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق چونکہ تمباکو کینسر اور دیگر مہلک امراض کا سبب بن سکتا ہے لہذا اس سے اجتناب بہتر ہے۔

ڈرائی کلیین کیے ہوئے کپڑوں کی طہارت کا مسئلہ

سوال: شہروں میں لوگ اکثر اپنے کپڑے دھو بی اور ڈرائی کلیینز سے دھلواتے ہیں، ان کپڑوں میں کچھ تو پاک ہوتے ہیں اور کچھ ناپاک اور دھو بی لوگ ان کپڑوں کو ایک ساتھ مشین میں ڈال دیتے ہیں، اسی استعمال شدہ پانی میں انہیں صاف کر کے، چمکا کر استری کر کے دے دیتے ہیں، کیا اس طرح یہ سارے کپڑے شرعاً پاک ہو جاتے ہیں اور ایسا لباس پہن کر بلا تردد نماز پڑھ سکتے ہیں؟۔
(م، ن، خان چشتی، ٹانک سرحد)

جواب: اگر فی الواقع صورتحال ایسی ہے جیسا کہ سوال میں بیان کی گئی ہے کہ پاک و ناپاک کپڑے ایک ساتھ مشین میں ڈال دیئے جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ماء مستعمل ناپاک ہوتا ہے۔ اور اگر اسی میں میل نکال کر کپڑوں کو چمکا کر خشک کر کے استری کر دیا جاتا ہے تو یہ شرعاً پاک نہیں ہوں گے اور انہیں پہن کر نماز پڑھی جائے تو ادا نہیں ہوگی، کیونکہ طہارت لباس نماز کے لئے شرط ہے۔ لیکن اگر مشین میں یہ انتظام ہے کہ وہ استعمال شدہ پانی کو خارج کر دیتی ہے یا اس سے خارج کر دیا جاتا ہے اور اس کے بعد تازہ پاک پانی اس میں

ڈال کر کپڑوں کو پاک کر لیا جاتا ہے، جیسا کہ آج کل گھروں میں عام طور پر آٹومینک واشنگ مشینوں میں یہ سہولت موجود ہے، تو کپڑے شرعاً پاک ہو جاتے ہیں۔ مشین آٹومینک نہ بھی ہو تو پہلے استعمال شدہ پانی کو نکال کر دوبارہ پانی ڈالا جاسکتا ہے یا کپڑوں کو باہر نکال کر پانی میں ایک دو بار بھگو کر نچوڑا جاسکتا ہے۔ مسئلے کی یہ تفصیل ہم نے ان لوگوں کے لئے درج کی ہے جو مملکت حد تک شرعی احتیاط پر عمل کرنا چاہتے ہیں اور دنیوی معاملات کی طرح دینی معاملات میں بھی اپنے قلبی اطمینان کی حد تک تحقیق کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ ورنہ خالص فقہی جواب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ڈرائی کلیں کے سارے طریقہ کار (Process) کا یقینی علم نہ ہو تو محض شک و شبہ کی بنا پر کپڑے کا حکم تبدیل نہیں ہوگا بلکہ اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہے گا یعنی اگر ڈرائی کلیں کیے جانے سے پہلے شرعاً پاک تھا تو اب بھی پاک سمجھا جائے گا اور اگر پہلے ناپاک تھا تو ڈرائی کلیں کے بعد بھی وہی حکم رہے گا۔ واضح رہے کہ کپڑے کا میلا اور اجلا ہونا اور بات ہے اور شرعاً پاک و ناپاک ہونا اور بات ہے۔

بغل کے اور زریں ناف بالوں کے ازالے کیلئے کون سا طریقہ بہتر ہے؟

سوال: عام طور پر مرد بغل کے اور زریں ناف بالوں کو مونڈتے ہیں اور خواتین اس سلسلے میں کریم یا پاؤڈر کا استعمال کرتی ہیں، کیا اس کے برعکس کرنا جائز ہے؟ (م، ن، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: زریں ناف بالوں کا ازالہ دین فطرت کی ان اقدار میں سے ہے جو ملت ابراہیمی میں بھی شامل تھیں اور ہمارے نبی مکرم ﷺ کی شریعت مطہرہ میں بھی شامل ہیں۔ شریعت کا اصل مقصود تطہیر و نفاست ہے اور ان غیر ضروری بالوں کا ازالہ ہے، اس کے تین طریقے ہو سکتے ہیں۔ مونڈنا (یعنی استرے یا بلیڈ کا استعمال) قصر (تراشنا، پینچی وغیرہ سے) اور میف (اکھیڑنا، آج کل اس کے لئے کریم یا پاؤڈر کا استعمال ہوتا ہے) شرعاً یہ تینوں طریقے مرد اور عورت دونوں کے لئے درست ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ تاہم حدیث وفقہ کے کلمات کی روشنی میں مرد کے لئے حلق (مونڈنا) افضل ہے اور عورت کے لئے میف (کریم یا پاؤڈر کے ذریعے) لیکن اس کے برعکس بھی جائز ہے۔

﴿ كتاب الصلوة ﴾

باب الاذان، دعاء بعد الاذان و دعا کے کلمات

نوٹ:- پاکستان ٹیلی ویژن سینٹرل ڈائریکٹریٹ اسلام آباد سے ڈائریکٹر پروگرامز جناب محسن علی صاحب کی طرف سے باقاعدہ دستخط شدہ یہ استفتاء موصول ہوا تھا۔ جس کا جواب ہم نے انہیں ارسال کیا اور بعد ازاں اس کی عمومی افادیت کے پیش نظر اسے روزنامہ ”جنگ“ کراچی، روزنامہ ”ایکسپریس“ کراچی، ماہنامہ ”السعيد“ ملتان، ماہنامہ ”نور الجیب“ بصیر پور نے بھی شائع کیا، اور اس کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اسے تفہیم المسائل میں شامل کیا ہے۔

ٹیلی ویژن سے اذان نشر کرنے کے بعد دعاء مسنون مع ترجمہ پڑھی جاتی ہے، اس ”دعا بعد الاذان“ کے بارے میں وقتاً فوقتاً بعض حضرات کی جانب سے چند اعتراضات کیے جاتے ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) یہ کہ ”الدَّرَجَةُ الرَّفِيعَةُ“ اور ”إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ“ کے کلمات اضافی ہیں، کیونکہ یہ ”صحیحین“ میں مذکور نہیں ہیں۔

(۲) یہ کہ اس دعاء میں رسول اللہ ﷺ کے لئے جن مقامات رفیعہ کی دعا کی جاتی ہے وہ تو آپ کو پہلے سے ہی حاصل ہیں، جب کہ اس دعا سے یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا آپ ابھی ان مراتب پر فائز نہیں ہوئے اور ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اس طرح اس دعا سے معترضین کی سوچ کے مطابق تو ہیں رسالت کا پہلو نکلتا ہے۔

(۳) یہ کہ ”وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ“ کے کلمات بصورت دعاء احادیث میں مذکور نہیں ہیں۔ جو ابنا مندرجہ ذیل گزارشات پیش خدمت ہیں۔

(۱) ”دعا بعد الاذان“ متعدد احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے اور یہ اپنی اصل کے اعتبار سے سنت ہے۔

(۲) اہل سنت کے کسی بھی مکتبہ فکر کے نزدیک یہ قطعی اور طے شدہ اصول نہیں ہے کہ صرف ”صحیحین“ یا ”صحاح ستہ“ میں مندرج احادیث ہی لائق استناد ہیں اور ان کتب احادیث

سے باہر کوئی بھی حدیث لائق استناد اور حجت نہیں ہے، ورنہ تو احادیث کی بقیہ تمام کتب بیک جنبش قلم ساقط الاعتبار اور قابل تنسیخ قرار پائیں گی اور صحاح، سنن، مسانید، معاجم اور مصنفات پر مشتمل دسیوں ماخذ حدیث ہمارے قابل فخر سرمایہ حدیث سے حذف اور کالعدم ہو جائیں گے۔ حدیث کو ”صرف معیارِ صحت“ پر پرکھا جاتا ہے اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بھی معتبر ہوتی ہیں اور یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ”حدیث ضعیف“ اور ”حدیث موضوع“ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۳) ٹیلی ویژن پر جو ”دعا بعد الاذان“ نشر کی جاتی ہے اس کے بیشتر الفاظ ”صحیح بخاری“ اور ”صحاح ستہ“ میں موجود ہیں۔ دراصل متعدد کتب احادیث اور روایات میں منقول الفاظ مبارکہ کو نہایت کمال اور شانِ جامعیت کے ساتھ اس دعاء میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس دعاء میں ایک بھی ایسا لفظ نہیں ہے جو بلفظ یا قریب المعنی الفاظ کے ساتھ کسی نہ کسی حدیث میں مذکور نہ ہو۔

مقرضین نے جن کلمات کو اضافی قرار دیا ہے وہ مندرجہ ذیل احادیث سے ماخوذ ہیں:

(الف) عَنْ أَيُّوبَ وَ عَنْ جَابِرِ الْجَعْفِيِّ قَالَا: مَنْ قَالَ عِنْدَ الْإِقَامَةِ اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةُ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ أَعْطِ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَارْفَعْ لَهُ الدَّرَجَاتِ حَقَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المصنف للمحافظ عبدالرزاق الجزاء الاول حدیث نمبر 1991 صفحہ: 496، 495 باب الدعاء بین الاذان والاقامة مطبوعہ: المجلس العلمي پاکستان)

”حضرت ایوب اور جابر جعفی روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت (یعنی اذان کے بعد) یہ دعا مانگی ”اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور (تاقیامت) قائم ہونے والی نماز کے رب تو ہمارے آقا محمد ﷺ کو (مقام) وسیلہ عطا فرما اور ان کے درجات کو بلند فرما، تو (قیامت میں) نبی ﷺ پر اس کی شفاعت واجب ہے۔“

دعا بعد الاذان میں ”الدَّرَجَةُ الرَّفِيعَةُ“ کے کلمات مندرجہ بالا حدیث پاک کے خط کشیدہ الفاظ سے ماخوذ و مفہوم ہیں۔

”حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ دعا پڑھے: ”اے اللہ! میں اس دعوت کامل اور (تاقیامت) قائم ہونے والی نماز کے وسیلے سے تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو محمد ﷺ کو مقام وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، بلاشبہ تو وعدے کے خلاف نہیں فرماتا“ تو اس کے لئے (قیامت کے دن) میری شفاعت جائز ہو جائے گی۔

(ب) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِينَ سَمِعَ النِّدَاءَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ بِحَقِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اتِّمَامًا وَمَحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَأَبْعَثَهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودِ الَّذِي وَعَدْتَهُ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي (السنن الكبرى للبيهقي صفحہ: 401 مطبوعہ ملتان)

دعاء بعد الاذان میں ”إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ“ کا جملہ بعینہ اور بلفظ مندرجہ بالا حدیث مبارک سے لفظاً ماخوذ ہے۔

(۴) رہا معترضین کا یہ سوال کہ اس دعا سے توہین رسالت کا پہلو نکلتا ہے اور حضور ﷺ کو تو چودہ سو سال قبل ہی اللہ تعالیٰ نے یہ مقامات رفیعہ عطا فرمادئے تھے، ہماری دعاؤں کی ان کو کیا احتیاج ہے؟ وغیرہ، تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ کتاب و سنت اور دین کے مزاج سے ناواقفی کی بناء پر ہے، ورنہ معمولی تا مل بھی فرماتے تو یہ اشکال رفع ہو جاتا۔ تاہم اس کی چند توجیہات درج ذیل ہیں:

(الف) نبی کریم ﷺ کے لئے مقام وسیلہ، فضیلت، درجہ رفیعہ اور مقام محمود کی اللہ تعالیٰ

سے دعا کرنے سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ حضور ﷺ کو ہماری دعاؤں کی احتیاج ہے۔ بلکہ اس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی ذات سے اپنی محبت، عقیدت اور اخلاص کا اظہار مقصود ہے جو بلاشبہ ہمارے لئے دنیا و آخرت میں فلاح و نجات کا باعث ہے۔ کیا ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت، تسبیح اور تحمید اس لئے کرتے ہیں کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ ہماری بندگی کا تقاضا ہے اور اس کا فیض خود ہماری ذات کو پہنچتا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ یعنی اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو“ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کی ذات سے ان پر نزول رحمت کی دعا مانگنا ہے، حالانکہ وہ تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتوں، برکتوں اور انوار و تجلیات کا مہبط و منبع ہیں بلکہ ”رحمة للعالمین“ ہیں تو پھر یہ حکم کیوں؟ اس کی حکمت تک ہم پہنچ سکیں یا نہیں ہم پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل واجب ہے۔ اسی طرح دعاء بعد الاذان میں بھی ارشاد رسول ﷺ کی تعمیل ضروری ہے اور ہم اس پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یقیناً ماجور ہوں گے۔

(ج) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجات و مراتب کی کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ یہ لامتناہی ہیں۔ اس لئے ایک درجے کے بعد دوسرے درجے اور ایک مرتبے کے بعد دوسرے مرتبے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بالکل ممکن ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے لئے ارشاد فرمایا:

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۗ وَكَانَ فَضْلُ
اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾ (النساء: 113)

”اور آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے، وہ
(سب کچھ) اس (اللہ) نے آپ کو سکھا
دیا اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اور کائنات میں سب سے زیادہ علم عطا کرنے کے باوجود اپنے حبیب کریم کو یہ دعاء مانگنے کی تلقین فرمائی: ”وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۰۱﴾“ اور کہہ دیجئے! اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما (طہ) ایسا کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات علم کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس لئے اس کی بارگاہ میں زیادہ اور مزید زیادتی کی دعاء علم

یا مراتب علم کی کمی کی طرف مشیر نہیں بلکہ ان میں اضافے کی دلیل ہے۔
 (د) اگر یہ کہا جائے کہ جو مقام رفعت و فضیلت پہلے سے حاصل ہو، اس کے لئے دعاء کرنے کا کیا جواز ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف یہ کہ روز اول سے مہدی یعنی ہدایت یافتہ تھے بلکہ ساری امت کے لئے ہادی و مرشد بن کر تشریف لائے تھے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”بے شک جلوہ گر ہوا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب، اللہ اس کے ذریعے سلامتی کی راہوں پر لاتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور اپنے ارادہ سے انہیں تاریکیوں سے نکالتا ہے نور کی طرف۔“

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ بِرِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ
 (سورۃ المائدہ: 15-16)

اس کے باوجود آپ ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے اندر اپنے رب ذوالجلال سے دعا مانگتے تھے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ یعنی ”اے اللہ تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا“ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے نعمت اور بندے کی طرف سے حصول نعمت کے باوجود بقاء و دوام نعمت کے لئے مسلسل بارگاہ الوہیت میں رجوع کی ضرورت رہتی ہے اور یہ تشکر نعمت کی ایک بہترین صورت بھی ہے۔

(۵) ”دعا بعد الاذان“ پر ایک اور اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ احادیث میں ”حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي“، ”حَلَّتْ عَلَيْهِ شَفَاعَتِي“ اور ”حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ“ حَقَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ“، ”وَجَبَتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ“ اور ”جَعَلَهُ اللَّهُ فِي شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ کے الفاظ تو آتے ہیں لیکن ”وَرَأَوْنَا شَفَاعَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ بہ انداز دعا کے الفاظ نہیں آئے، مذکورہ بالا الفاظ بطور وعدہ اور بشارت کے ہیں۔ یعنی جو صاحب ایمان اذان کے بعد یہ دعا مانگے وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا آخرت میں حق دار قرار پائے گا، اسی وعدہ

اور بشارت کے کلمات سے اکتساب فیض کرتے ہوئے دعاء کے آخر میں دعاء شفاعت کے کلمات شامل کر دیئے گئے ہیں جو معنی حدیث کے عین مطابق ہے۔ لیکن معترض کی تسلی کے لئے یہ عرض ہے کہ ایک اور روایت میں یہ دعائیہ کلمات لفظاً بھی مذکور ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

”حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اے اللہ! ان پر اپنی رحمت نازل فرما اور انہیں اپنے پاس ”درجہ وسیلہ“ پر پہنچا اور ہمیں روز قیامت ان کی شفاعت نصیب فرما، تو اس کے لئے شفاعت (نبی کریم ﷺ کے ذمہ کرم پر) واجب ہے۔“

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ صَلِّ وَبَلِّغْهُ دَرَجَةَ الْوَسِيلَةِ عِنْدَكَ وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔

(المعجم الكبير صفحہ: 66 حدیث 12554، الجزء الثانی عشر، دار احیاء التراث العربی)

اس حدیث پاک میں ”دعاء شفاعت“ کے کلمات بھی صراحتاً مذکور ہیں (یہ حدیث مجمع الزوائد جلد نمبر 1 صفحہ 333 پر بھی درج ہے)

(۵) رہا یہ سوال کہ متفرق احادیث میں روایت کیے گئے کلمات کو یکجا کرنے کا کیا جواز ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مثلاً کلمہ طیبہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کلمہ اسلام کہلاتا ہے۔ لیکن یہ قرآن مجید میں یکجا کسی ایک مقام پر مذکور نہیں ہے بلکہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ سورہ محمد“ کی آیت نمبر 19 اور ”مُحَمَّدٌ رَأْسُ اللَّهِ“ سورۃ الفتح کی آیت نمبر 29 سے ماخوذ ہے اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور فرض جمعہ کے بعد

چھ سنتیں کسی ایک حدیث میں یکجا مروی نہیں ہیں بلکہ متفرق احادیث کو یکجا کر کے ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ارکان صلوٰۃ کسی ایک مقام پر ترتیب کے ساتھ ذکر نہیں کیے گئے بلکہ متعدد و متفرق آیات میں وہ الگ الگ مذکور ہیں۔ لیکن چونکہ سارا قرآن باہم مربوط ہے اور اس کی آیات ایک دوسرے کی تصدیق و تکمیل کرتی ہیں۔ اس لئے متفرق آیات میں الگ الگ مذکور ارکان صلوٰۃ کو ایک ترتیب سے مرتب انداز میں بیان کیا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔

(۶) ”دعاء بعد الاذان“ کی احادیث کے چند حوالہ جات درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح البخاری الجزء الاول صفحہ: 1901 حدیث نمبر 614، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔

(۲) صحیح مسلم الجزء الاول صفحہ: 289 حدیث نمبر 753، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔

(۳) سنن الترمذی الجزء الاول صفحہ: 253 حدیث نمبر 211، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔
(۴) سنن ابی داؤد الجزء الاول صفحہ: 186 حدیث نمبر 529، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان۔

(۵) سنن ابی داؤد الجزء الاول صفحہ: 184-185 حدیث نمبر 523، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

(۶) سنن النسائی الجزء الاول صفحہ: 355, 356 حدیث نمبر 679، مطبوعہ مکتبہ المومنین ریاض۔ سعودی عرب

(۷) سنن ابن ماجہ الجزء الاول صفحہ: 399 حدیث نمبر 622، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، لبنان۔

(۸) السنن الکبریٰ صفحہ: 410 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان۔

(۹) المصنف للحافظ عبدالرزاق الجزء الاول صفحہ: 495, 496 حدیث نمبر 1911، مطبوعہ

المجلس العلمی پاکستان۔

(۱۰) المعجم الکبیر الجزء الثانی صفحہ: 66 حدیث نمبر 12554، مطبوعہ دار الاحیاء التراث العربی، لبنان۔

(۱۱) المعجم الاوسط الجزء الرابع صفحہ: 397 حدیث نمبر 3675، مطبوعہ مکتبہ الریاض، سعودی عرب۔

(۷) محولہ بالا احادیث میں سے حدیث نمبر 2 اور حدیث نمبر 5 میں رسول اللہ ﷺ نے موذن کے ساتھ کلمات اذان دہرانے کا حکم فرمایا ہے اور فرمایا کہ اس کے بعد مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو صاحب ایمان مجھ پر درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ لہذا افضل اور مسنون امر یہ ہے کہ اذان کے بعد اولاً درود شریف پڑھا جائے اور اس کے بعد مسنون دعا پڑھی جائے۔ اس سے انشاء اللہ اجر و ثواب میں بے پایاں اضافہ ہوگا اور فرمان رسول اللہ ﷺ کی مکمل تعمیل بھی ہوگی۔

(۸) میرے نزدیک زیر بحث دعاء مسنون بعد الاذان کا مناسب ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ: ”اے اللہ اس دعوت کامل اور تاقیامت قائم ہونے والی نماز کے رب تو محمد ﷺ کو جنت میں نمایاں مقام، فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر فائز فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور قیامت کے دن ہمیں ان کی شفاعت نصیب فرما۔ بے شک تو وعدے کے خلاف نہیں فرماتا۔“ محولہ بالا حدیث نمبر 2 اور 5 میں نبی کریم ﷺ نے اذان کے بعد درود بھیجنے کا حکم فرمایا اور اس کے بعد فرمایا کہ: ”پھر اللہ عزوجل سے میرے لئے ”الوسیلہ“ کی دعا مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام ہے، جو اللہ تعالیٰ کے صرف ایک بندہ خاص ہی کے شایان شان ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بندہ خاص میں ہی ہوں گا۔“ ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں، میں نے ”الوسیلہ“ کا ترجمہ ”جنت میں نمایاں مقام“ کیا ہے اس طرح حدیث کی صحیح ترجمانی ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کی منشا بھی واضح ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے، اسے قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

تثویب کیا ہے؟

سوال: کیا اذان کے بعد تثویب کہنا جائز ہے؟

(مولانا عبدالعزیز فیضی، مدینہ مسجد، خداداد کالونی)

جواب: ”تثویب“ کسی اعلان کے دوبارہ اعلان کرنے کو کہتے ہیں، فقہی اصطلاح میں تثویب کے معنی ہیں اذان اور اقامت کے درمیان ”نماز باجماعت“ کا دوبارہ اعلان کرنا کیونکہ اذان بھی فی نفسہ ایک اعلان ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے کہ مغرب کے سوا باقی تمام نمازوں کے لئے تثویب جائز ہے کیونکہ دینی امور میں لوگوں میں سستی کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ”قامت قامت“ (یعنی نماز کھڑی ہو رہی ہے) یا ”الصلوٰۃ الصلوٰۃ“ یا جو بھی لوگوں کے درمیان اس مقصد کے لئے متعارف کلمات ہوں جائز ہیں، جیسے کراچی کی بعض مساجد میں ”الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ پڑھا جاتا ہے، علامہ شامی عنایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اصلاً تو تثویب نماز فجر کے لئے شروع ہوئی تھی لیکن بعد میں متاخرین فقہاء نے اسے مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کے لئے جاری کر دیا۔ اور جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کو بھی پسند ہوتی ہے۔ (رد المحتار جلد نمبر 1 صفحہ: 264 مطبوعہ بیروت) فتاویٰ عالمگیری جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 56 پر ہے تثویب فجر کے سوا ہر نماز میں متاخرین کے نزدیک مستحسن ہے۔

بیت الخلاء میں اذان کا جواب

سوال: اگر بیت الخلاء میں اذان کی آواز سنائی دے تو کیا اس کا جواب دے سکتے ہیں؟

(سید محبوب شاہ، قائد آباد، کراچی)

جواب: بیت الخلاء میں اذان کی آواز سنائی دے تو جواب نہیں دینا چاہیے۔ وہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کا نام لینا یا قرآن کی تلاوت کرنا یا تسبیحات و درود پڑھنا یا کلمات اذان کو دہرانا خلاف ادب اور گناہ ہے۔

خطبے کے دوران کلام اور نشست کے آداب

سوال: اذان خطبہ کا جواب اور دعا مقتدی کو آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ دوران خطبہ آیت درود آجائے تو مقتدی کو درود آواز سے پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اور خطبے کے دوران نمازیوں کو کس طرح بیٹھنا چاہیے؟ (مولانا عبدالعزیز فیضی، جامع مسجد خداداد کالونی، کراچی)

جواب: بہتر ہے کہ نمازی اذان خطبہ کے کلمات کا اعادہ اور بعد الاذان دعا آواز سے پڑھنے کے بجائے دل میں پڑھیں۔ اس طرح اگر امام خطبے کے دوران آیت درود پڑھے تو نمازی آواز سے درود پاک پڑھنے کے بجائے دل میں پڑھیں۔ خطبہ جمعہ کے دوران مقتدیوں کے لئے کسی خاص ہیئت میں بیٹھنے کا لازمی حکم نہیں ہے۔ بس اتنا ضروری ہے کہ صاف بستہ ہو کر باادب بیٹھیں، ہو سکے تو اس طرح بیٹھیں جیسے حالت تشهد میں بیٹھتے ہیں، لیکن اگر کسی کو زیادہ دیر تک اس طرح بیٹھنے میں دشواری ہو تو وہ جس طرح بیٹھنے میں آسانی محسوس کرے، اس طرح بیٹھ جائے۔

نماز کی نیت میں تاخیر

سوال: رمضان المبارک کی نماز تراویح میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ مقتدی کو نیت کے الفاظ ادا کرنے میں کچھ وقت لگ جاتا ہے اور اس عرصے میں حافظ صاحبان قرأت شروع کر دیتے ہیں اور ہم لوگ ثناء (سبحانک اللہم) نہیں پڑھ پاتے؟

(سید عزیز برنی، دستگیر کالونی)

جواب: نیت دل کے ارادے کا نام ہے یعنی یہ کہ انسان کے ذہن میں یہ بات بالکل مستحضر ہو کہ آپ کون سی نماز پڑھ رہے ہیں، کتنی رکعات ہیں، وقت کا تعین وغیرہ۔ لفظ نیت کرنے کو متاخرین فقہاء امت نے محض اس غرض سے مستحسن قرار دیا کہ توجہ مقصد کی جانب مرکوز ہو جائے، ذہنی انتشار نہ رہے، لہذا اگر کبھی آپ لفظ نیت نہ بھی کریں لیکن حضور ذہن ہے تو تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دیجئے، اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی، انشاء اللہ، اور نماز تراویح میں تو 20 رکعات کی نیت (دس دوگانہ کی صورت میں) ایک ساتھ بھی کر سکتے

ہیں، بار بار نیت کے الفاظ دہرانا ضروری نہیں ہے۔

رکوع اور سجود میں کتنی دیر ٹھہرے

سوال: رکوع و سجود میں کتنی دیر ٹھہرنا فرض ہے؟ (سید محمد علی اورنگی ناؤن، کراچی)

جواب: رکوع و سجود میں ایک مرتبہ ”سبحان اللہ“ کہنے کی مقدار ٹھہرنا فرض ہے، اس سے کم وقفہ کیا تو رکوع اور سجدہ ادا نہیں ہوں گے۔ تین بار رکوع و سجود کی تسبیحات پڑھنا سنت ہے اور اتنی دیر تک ٹھہرے رہنا بھی سنت ہے، تین سے زیادہ طاق مرتبہ تسبیحات پڑھنا مستحب ہے۔

تشہد میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنا

سوال: تعدہ نماز میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے اور اس کا

صحیح طریقہ کیا ہے؟ (سہیل ساجد، کیماری، کراچی)

جواب: (۱) صحیح مسلم میں حدیث ہے: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور جو انگلی انگوٹھے کے قریب ہے اس سے اشارہ کرتے دراصل حالیکہ آپ کا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھا ہوتا۔“

(۲) ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں، دائیں پر اور شہادت کے وقت تریپن کا عقد بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔“

اس موضوع پر احادیث مبارکہ بکثرت ہیں اور حد شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں۔ الفقہ علی المذہب الاربعہ مؤلف عبدالرحمن الجزیری میں ہے: ”امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سبابہ (انگشت شہادت) کے سوا تمام انگلیوں کے ساتھ مٹھی بند کر کے اور سبابہ سے اشارہ کرے اسی کو تریپن کا عقد کہتے ہیں، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک خضر اور بنصر (چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی) کو بند کرے اور درمیانی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنائے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ”اشہد ان

لا الہ الا اللہ“ میں ”لا“ پر انگلی اٹھائے اور ”الا“ پر رکھ دے، تاکہ نفی کے ساتھ رفع (انگلی اٹھانے) اور اثبات کے ساتھ وضع (انگلی رکھنے) کی مناسبت ہو۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے نزدیک لفظ اللہ پر انگلی اٹھائے تاکہ قول اور عمل سے توحید ظاہر ہو۔ ائمہ ثلاثہ تریقین کا عقد بنانے کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبل حلقہ بنانے کے قائل ہیں اور دونوں طریقے حدیث سے ثابت ہیں۔ الغرض رفع سبابہ پر ائمہ اربعہ اور احناف کے تینوں ائمہ کا اجماع ہے۔ بعض متاخرین فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے۔ علامہ غلام رسول سعیدی نے شرح صحیح مسلم جلد ثانی صفحات 168 تا 177 میں حضرت مجدد الف ثانی کا موقف تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان کے دلائل کا جواب دیا ہے۔ علمی ذوق رکھنے والے حضرات اس مقام کا مطالعہ کریں۔

نمازی امام کو رکوع میں پائے تو کیا کرے؟

سوال: ایک نمازی مسجد میں پہنچا، اس وقت امام رکوع میں تھا۔ مقتدی نیت کر کے پہلے ہاتھ باندھ کر ”سبحانک اللہم“ پڑھے یا صرف ہاتھ باندھ کر رکوع میں چلا جائے؟۔
(زاہد حسین، مانسہرہ کالونی، کراچی)

جواب: جب نمازی مسجد میں داخل ہو اور امام کو رکوع میں پائے، تو سب سے پہلے، دیکھے کہ اسے صف میں کہاں کھڑا ہونا ہے، اگر پہلی صف مکمل ہے تو نئی صف میں درمیان میں امام کے بالکل پیچھے کھڑا ہو، اگر اس صف میں پہلے سے کچھ نمازی کھڑے ہیں تو وسط صف سے جس طرف آدمی کم ہوں، اس طرف کھڑا ہو جائے۔ اگر دونوں طرف آدمی برابر ہوں تو پھر دائیں جانب کھڑا ہو، پہلے بالکل سیدھا کھڑا ہو کر نیت کرے اور تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہے، پھر دوسری تکبیر (یعنی تکبیر رکوع) کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حالت قیام میں ہاتھ تب باندھے جاتے ہیں جب کچھ پڑھنا ہو، اگر یہ سمجھتا ہے کہ ”سبحانک اللہم“ پڑھنے سے امام رکوع سے

اٹھ جائے گا تو ثناء پڑھنا چھوڑ دے۔ اگر عجلت میں سیدھا کھڑے ہوئے بغیر تکبیر تحریرہ جھکتے ہوئے کہی اور اس طرح رکوع میں چلا گیا تو فرض قیام رہ جانے سے رکعت نہیں ملے گی۔

نابالغ بچے کی امامت

سوال: بعض بچے کم عمری میں قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں، کیا نابالغ بچے کی اقتدا میں نماز تراویح پڑھی جاسکتی ہے؟

(سید عمیر الحسن، فیڈرل بی ایریا)

جواب: تراویح کی امامت کا شرعی معیار بھی وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے لہذا نابالغ بچے کی اقتدا میں نماز تراویح کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح داڑھی منڈے حافظ قرآن کی امامت بھی جائز نہیں ہے۔

سورۃ الکوثر کی صرف دو آیتیں پڑھنا

محترم المقام جناب مفتی صاحب، دارالعلوم نعیمیہ، کراچی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک امام صاحب رمضان المبارک میں وتر کی نماز باجماعت پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الکوثر کی قرأت شروع کی، ابتدائی دو آیات پڑھیں مگر تیسری آیات یاد نہ رہی، انہوں نے ایک بار ابتدائی آیات کا تکرار بھی کیا مگر اس کے باوجود تیسری آیت زبان پر جاری نہ ہو سکی۔ انہوں نے اسی قدر قرأت پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا اور بقیہ نماز حسب معمول مکمل کر لی، سجدہ سہو نہیں کیا۔ امام صاحب نے یہ سمجھا کہ کم از کم مقدار واجب کی حد تک قرأت ہو چکی ہے۔ ترک واجب نہیں ہوا۔ لہذا سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے اور نماز بلا کراہت مکمل ہو گئی۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ امام کو سجدہ سہو کرنا چاہیے تھا اور چونکہ انہوں نے سجدہ سہو نہیں کیا، اس لئے نماز واجب الاعداد ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع متین امام صاحب کا موقف درست ہے یا معترضین کا؟ از روئے شرع متین وفقہ حنفی مفصل و مدلل جواب عنایت فرما کر عند اللہ

ماجور ہوں اور حق و صواب کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں۔

المستفتی

عبدالرزاق، مانسہرہ، ہزارہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب هو الموفق للصواب بتوفيق الله تعالى وعونه

صورت مسئلہ کا براہ راست اور مختصر جواب یہ ہے کہ امام صاحب کا موقف درست ہے اور معترضین کا اعتراض بے جا، ”سورۃ فاتحہ“ کے بعد ”سورۃ الکوثر“ کی ابتدائی دو آیات پڑھنے سے ”ضم سورۃ“ کا واجب ادا ہو گیا اور قرأت بہ مقدار واجب ہو گئی، ترک واجب نہیں ہوا، لہذا سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، کیونکہ ”سورۃ الکوثر“ کی ابتدائی دو آیات کے حروف کی مجموعی تعداد تیس بن جاتی ہے اور علامہ محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے اسقاط واجب کے لئے اسی کو معیار قرار دیا ہے۔

تفصیلی دلائل حسب ذیل ہیں:

نماز میں سورۃ الفاتحہ کے بعد ”ضم سورۃ“ کے وجوب کے لئے مندرجہ ذیل احادیث

مبارکہ وارد ہوئی ہیں:

حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں
آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم
نماز میں فاتحہ اور جو کچھ میسر ہو قرآن میں
سے پڑھیں۔

(۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ
قَالَ أَمَرَنَا نَبِينَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ أَنْ نَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَمَا تيسَّرَ
(صحیح ابن حبان جلد 3 صفحہ: 211، ابو داؤد
جلد 1 صفحہ: 118)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ
آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ نماز
فاتحہ اور کچھ زائد حصے کے بغیر نہیں ہوتی۔

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (مَرْفُوعًا) لَا
صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ-
وَقَالَ الْحَاكِمُ هَذَا حَدِيثٌ،

صَحِيحٌ لَا غُبَارَ عَلَيْهِ

(ابوداؤد جلد 1 صفحہ 118، و متدرک حاکم

جلد 1 صفحہ: 239)

سورۃ فاتحہ اور کچھ زائد حصے کے بغیر نماز
نہیں ہوتی۔

(۳) لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ

الْكِتَابِ فَصَا عِدًّا (مسلم جلد 1 صفحہ:

169، نسائی جلد 1 صفحہ: 145)

نماز الحمد (سورۃ فاتحہ) اور کسی سورۃ کے
ملانے کے بغیر نہیں ہوتی خواہ نماز فرض
ہو یا اس کے علاوہ۔

(۴) لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِالْحَمْدِ

وَسُورَةٍ فِي فَرِيضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا

(ترمذی صفحہ: 61، ابن ماجہ صفحہ: 60، مصنف

یا بن ابی شیبہ جلد 1 صفحہ: 361)

سورۃ فاتحہ اور دو لمبی آیتوں کے بغیر نماز
نہیں ہوتی۔

(۵) لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وَأَيَّتَيْنِ (أَيُّ طَوِيلَتَيْنِ)

(شرح نقایہ جلد 1 صفحہ: 69، کنز العمال

جلد 7 صفحہ: 314 بحوالہ طبرانی)

فرض نماز نہیں ہوتی سورۃ فاتحہ اور تین
آیات یا اس سے کچھ زیادہ کے بغیر۔

(۶) لَا تَجْزِي الْمَكْتُوبَةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ

الْكِتَابِ وَثَلَاثِ آيَاتٍ فَصَا عِدًّا

(کنز العمال جلد 7 صفحہ: 313 بحوالہ ابن عدی

عن ابن عمر و نصب الراية جلد 1 صفحہ: 365)

وہ نماز درست نہیں ہوتی جس میں سورۃ
فاتحہ اور کچھ حصہ قرآن کا نہ پڑھا جائے۔

(۷) لَا تَجْزِي صَلَاةٌ لَا يَقْرَأُ فِيهَا

بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَشَيْءٍ مَعَهَا مِنَ

الْقُرْآنِ

(نصب الراية جلد 1 صفحہ: 365 بحوالہ ابو نعیم)

حضرت رفاعہ بن رافع سے روایت ہے
کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”جب تم

(۸) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ مَرْفُوعًا

إِذَا اسْتَقْبَلْتَ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ

بِأَمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا شِئْتَ
 (صحیح ابن حبان جلد 3 صفحہ: 209 واللفظ له
 ابوداؤد جلد 1 صفحہ: 125)
 نماز کے لئے قبلہ رخ ہو تو پہلے تکبیر کہو۔
 پھر سورۃ فاتحہ پڑھو اور پھر قرآن میں جو
 حصہ چاہو پڑھو۔

ان احادیث طیبہ کو علامہ وصی احمد محدث سورتی متوفی 1334ھ نے اپنی تصنیف
 التعلیق المجلی حاشیة منیة المصلی میں ”ضم السورة او ما يقوم مقامها من
 الايات اليها“ کے حاشیہ پر (صفحہ نمبر 272) یکجا کیا ہے۔ ان احادیث طیبہ میں سورۃ
 الفاتحہ کے ساتھ وجوب قرأت کے لئے فصاعداً (کچھ زائد) او غیرھا (اس کے علاوہ)
 وایتین (اور دو آیات) ماتیسر (جو بھی آسان ہو) مازاد (کچھ زائد) ثلاث ايات (تین
 آیات) وشنی معها من القرآن (قرآن کا کچھ حصہ) اور ثم اقراء بما شئت (پھر
 قرآن میں سے جو حصہ چاہو پڑھو) کے الفاظ وارد ہیں، جن کا منشا یہ ہے کہ اس کا مدار یسر
 پر ہے اور دو یا تین آیات سے بھی استقاط واجب ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات مبارکہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے ”ضم سورۃ“
 یعنی سورۃ الفاتحہ کے بعد قرأت کی مقدار واجب کے لئے ضوابط بیان کیے ہیں اور مسائل کا
 استنباط کیا ہے۔ زیر بحث مسئلہ سے متعلق چند اہم حوالہ جات درج ذیل ہیں:
 (۱) علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحلی متوفی 776ھ اپنی تصنیف صغیری شرح منیة المصلی
 صفحہ 167 (مطبوعہ مطبع مجتہبائی دہلی 1348ھ) پر رقم طراز ہیں:

ثم يضم الى الفاتحة سورة او ثلاث ايات قصار قدرا
 قصر سورة وجوبا فان قرء مع الفاتحة اية قصيرة او
 ايتين قصيرتين لم يخرج عن حد الكراهة ای كراهة
 التحريم لترك الواجب وان قرأ ثلاث ايات قصار او
 كانت الآية والايتان تعدل ثلث ايات قصار خرج عن
 حد الكراهة المذكورة۔

(۲) مصنف مذکور اپنی تصنیف غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی (المعروف کبیری) صفحہ 355 (مطبوع ہو پ لاہور 1283ھ) پر لکھتے ہیں:

ثم يضم الى الفاتحة سورة او ثلث آيات قصار قدر ا
 قصر سورة و تقدم ان ذلك واجب كالفاتحة فان قرء
 مع الفاتحة آية قصيرة او آيتين قصيرتين لم يخرج عن
 حد الكراهة اى كراهة التحريم لا خلاله بالواجب وان
 قرء ثلث آيات قصار او كانت الآيه والآيتان تعدل ثلث
 آيات قصار خرج عن حد الكراهة المذكورة۔

علامہ حلبي کی ان دو عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ ”ضم سورۃ“ یا تین چھوٹی آیات کا ملنا واجب ہے، لہذا اگر نماز میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ ایک یا دو آیات قصیرہ (چھوٹی آیات) پڑھیں تو ترک واجب کی وجہ سے یہ مکروہ تحریمی ہوگا (اور اس کی تلافی کے لئے سجدہ سہولاً لازم ہوگا) لیکن اگر تین آیات قصار (چھوٹی آیات) پڑھیں یا ایک آیت طویلہ یا دو ایسی آیات پڑھیں جو تین ”آیات قصار“ کے برابر ہیں تو مکروہ تحریمی کا ارتکاب لازم نہیں آئے گا (لہذا اسقاط واجب کی بناء پر نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے گی اور سجدہ سہولاً لازم نہیں ہوگا)۔

(۳) علامہ احمد بن اسماعیل الطحاوی الحنفی متوفی 1231ھ حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الايضاح للشيخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی الحنفی متوفی 1069ھ کے صفحہ 148 (مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی مصر 1356ھ) پر رقم طراز ہیں:

(قوله او ثلاث آيات قصار) قدرا
 قصر سورة او آية طويلة تعدل
 ثلاث آيات قصار۔
 یعنی نماز میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ تین
 آیات قصار یا ایک آیت طویلہ جو تین
 آیات قصار کے برابر ہو کا ملنا واجب
 ہے۔

علامہ شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 1386ھ لکھتے ہیں:

سوال نمبر 14: ایک مسجد کا امام الحمد کے بعد رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۰﴾
فِي آيَةِ الْآءِ رَبِّكُمْ تَكْتَبُ ﴿۱۱﴾ پڑھ کر رکوع میں چلا جاتا ہے اس صورت میں نماز ہو جائے
گی یا نہیں؟ (قاری محمد سلیمان مدرسہ عالیہ عربیہ، مسجد فتح پوری، دہلی)

جواب: صورت مذکورہ میں نماز تو ہو جاتی ہے لیکن امام کو ایسا نہ کرنا چاہیے کہ خلاف سنت
ہے۔ (فقط، محمد مظہر اللہ غفر اللہ لہ، مسجد جامع فتح پوری، دہلی)

(بحوالہ فتاویٰ مظہری مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی 1390ھ صفحہ: 106)

(۵) بعینہ اسی استفتاء کے جواب میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کا
فتویٰ درج ذیل ہے۔

جواب: بصورت مسئلہ سورہ کوثر کی دو آیت پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو گیا کیونکہ
یہ مقدار تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہے۔ اور امام صاحب نے بغیر سجدہ سہو نماز مکمل کرادی
درست کیا اس صورت میں سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ اس لئے امام صاحب کا موقف
درست ہے۔

فقط

ابوبکر سعید الرحمن

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ کراچی

(۶) مندرجہ بالا فقہی آراء و حوالہ جات میں ”آیات قصار“ کا ذکر بار بار آیا ہے، لیکن سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ ”آیت قصیرہ“ کا معیار کیا ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں چند آیات طوال
بہت واضح اور متعارف ہیں، مثلاً ”سورۃ البقرہ“ آیات 286, 282, 255, 177 وغیرہ،
ان کے مقابلے میں اکثر آیات قصار ہیں اور آیات کا چھوٹا بڑا ہونا ایک اضافی امر ہے،
چنانچہ فقہاء کرام نے اداء فرض اور اسقاط فرض کے لئے ”أَدْنَى مَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ“
یا ”أَقْصَرُ الْآيَةِ“ کو معیار قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی سب سے چھوٹی آیت ”لَمْ يَلِدْ“
(الاخلاص: 3) ہے جو صورتاً پانچ حروف پر مشتمل ہے اور تحقیقاً چھ حروف پر یا ”ثُمَّ نَظَرَ“

المدرثر: 21) جو چھ حروف پر مشتمل ہے۔

امام محمد بن علی بن محمد الحسکفی المتوفی 1088ھ (بحوالہ ردالمحتار علی درالمختار صفحہ 501 جلد 1 مطبوعہ استنبول 1327ھ) لکھتے ہیں:

وَفَرَضُ الْقِرَاءَةِ آيَةٌ عَلَى الْمَذْهَبِ هِيَ لُغَةُ الْعَلَامَةِ وَ عُرْفًا طَائِفَةٌ مِّنَ الْقُرْآنِ مُتَرَجِّمَةٌ أَقْلَهَا سِتَّةٌ أَحْرَفٌ وَلَوْ تَقْدِيرًا كَلَّمَ يَلِدُ۔

اس کی شرح میں علامہ محمد امین ابن عابدین شامی متوفی 1252ھ لکھتے ہیں:

(قوله على المذهب) ای الذی هو ظاهر الرواية عن الامام وفي رواية عنه ما يطلق عليه اسم القرآن ولم يشبهه قصد خطاب احد وجزم القدوري بأنه الصحيح من مذهب الامام ورجحه الزيلعي بأنه اقرب الى القواعد الشرعية لان المطلق ينصرف الى الادنى وفي البحر فيه نظر بل ينصرف الى الكامل قلت وهو مدفوع بأن براءة الذمة لا تتوقف على الكامل والالزم فرضية الطمانينة في الركوع والسجود قال في شرح المنية وعلى هذه الرواية لا يجزى عنده نحو ثم نظر ای لانه يشبه قصد الخطاب والاحبار تأمل وفي رواية ثالثة عنه وهي قولها ثلاث آيات قصار او آية طويلة۔

ان دونوں عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”ادائے فرض“ کے لئے سب سے چھوٹی آیت ہی کافی ہے۔ یہ ظاہر الروایہ کے مطابق امام اعظم کا مذہب ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صاحب قدوری اور علامہ زیلعی نے اسی کو امام اعظم کا مذہب صحیح قرار دیا ہے، اور یہ قواعد شرعیہ کے قریب تر بھی ہے، کیونکہ

مطلق سے ”فرد ادنیٰ“ ہی مراد ہوتا ہے، پھر علامہ شامی نے اس پر علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی 970ھ صاحب البحر الرائق کے اس اعتراض - کہ مطلق سے تو فرد کامل مراد ہوتا ہے؟ کا ذکر کر کے اسے رد کیا ہے کہ جب سوال ”اسقاط فرض“ اور ”براءة الذمة“ (یعنی کسی فریضے سے عہدہ برا ہونا) کا ہو تو اس وقت ”فرد ادنیٰ“ ہی مراد ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم نماز کے رکن ”رکوع“ کے سلسلے میں حالت رکوع تک محض جھکنے ہی کو اسقاط فرض کے لئے کافی سمجھتے ہیں کیونکہ یہی رکوع کی ادنیٰ مقدار ہے اور اگر اسقاط فرض کے لئے ”فرد کامل“ معیار ہوتا تو رکوع میں تعدیل اور طمانیت فرض ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(۷) اب زیر بحث مسئلہ ”ضم سورة“ واجب ہے اور اس کی مقدار فقہاء احناف کی متفقہ رائے کے مطابق ”تین آیات قصار“ ہیں یا ایسی ایک آیت طویلہ یا دو آیات جو تین آیات قصار کے مساوی ہوں اور یہ بدیہی امر ہے کہ اس کے لئے فقہاء کرام کی نظر قرآن مجید کی ایسی تین آیات قصار کی جانب متوجہ ہوگی جو کسی ایک مقام پر ”متوالیہ“ یعنی مسلسل ہوں اور وہ اکثر اجلہ و فقہاء کرام کی رائے میں یہ ہیں: **ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ ۝** یعنی ”سورة المدثر“ کی آیات 21، 22 اور 23۔

چنانچہ ذیل میں ہم ان فقہاء کرام کی آراء اور عبارات باحوالہ پیش کر رہے ہیں جنہوں نے ان تین آیات قصار کو قرأت واجبہ کے لئے معیار قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ان تین آیات قصار کے برابر اگر ایک طویل آیت پڑھ لی جائے یا دو آیتیں پڑھ لی جائیں تو واجب ادا ہو جاتا ہے اور سجدہ سہولاً لازم نہیں آتا۔

(۱) علامہ محمد بن علی بن محمد الحسکفی متوفی 1088ھ رقم طراز ہیں (بحوالہ الدر المختار علی ہامش رد المختار صفحہ 427 جلد اول مطبوعہ استنبول 1327ھ):

(و ضم) اقصر (سورة) كالكوثر او ما قام مقامها وهو ثلاث
آيات قصار نحو **ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ ۝**
وَاسْتَكْبَرَ ۝ وكذالو كانت الآية والآيتان تعدل ثلاثا

قصارا۔

(ب) علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی متوفی 1304ھ، الہدایہ مؤلفہ علامہ برہان الدین ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی متوفی 593ھ کے حاشیے میں ملا الہداد کے حوالے سے صاحب ہدایہ (مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ دتگیر کالونی، کراچی) کی عبارت (متن) ”ثم یقرأ بفاتحة الكتاب و سورة او ثلاث آیات من ای سورة شاء“ کے حاشیہ پر صفحہ 88 پر لکھتے ہیں:

قوله او ثلاث آیات الخ۔ قلت او آية طويلة ففي الذخيرة قراءة ثلاث آیات قصار او آية طويلة من واجبات الصلوة بالاجماع فلو قرء مع الفاتحة آية قصيرة سهواً فعليه السهو و ذكر في شرح اوراد انه لو اكتفى مع الفاتحة على قوله تعالى: ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا“ او قوله تعالى: ”وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا“ كما ذكر في الاوراد انه يقرأ التحية الوضوء الفاتحة مع الآية الاولى في الركعة الاولى ومع الثانية في الركعة الثانية جاز بلا كراهة اذ الواجب مع الفاتحة هو قدر ثلاث آیات قصار كما هو المذكور في الكتب المعتبرة والآيات القصار۔
مثل قَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۔

(ج) علامہ ابوالحسنات محمد عبدالحی بن عبدالحلیم لکھنوی متوفی 1304ھ ”السعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ“ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور 1396ھ صفحات 129، 130 پر رقم طراز ہیں:

ونكر المصنف السورة ليفيد ان الواجب انما هو اقصر
سورة الكوثر والا خلاص وما زاد عليه سنة او مندوب ولو
قال وضم قدر سورة لكان اولى لما صرحوا من انه لو قرء
قدرا قصر سورة نحو **ثُمَّ نَظَرَ** **ثُمَّ عَبَسَ** **وَبَسَّ** **ثُمَّ أَدْبَرَ**
وَأَسْتَكْبَرَ **خارج عن عهدة الوجوب** - ولهذا قال العيني
في شرح تحفة الملوك الواجب قراءة السورة مع الفاتحة
او قدرها انتهى - وفي غنية المستملی ان قرء ثلث آيات
قصار او كانت الاية والايتان تعدل ثلث آيات خرج عن
حد الكراهة المذكورة يعنى كراهة التحريم انتهى - وقال
الحصكفى فى شرح ملتقى الا بحر لم اره لغيره وهو مهم
فيه يسر عظيم لدفع كراهية التحريم انتهى -

(د) علامہ الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی 1340 ھ العطايا النبویہ فی الفتاوی
الرضویہ جلد سوم صفحہ نمبر 152 پر (مطبوعہ سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ لائل پور 1393 ھ)
ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

مسئلہ: از یکانیر مارواژ محلہ مہاوتان مرسلہ قاضی تمیز الدین صاحب 9 ربیع الاول شریف
1338 ھ -

میں نے ایک معلم صاحب کی زبانی سنا ہے کہ نماز میں تین آیات شریف سے کم مضمون
پڑھا جائے گا یعنی دو آیت شریف پڑھی جائیں گی تو نماز نہیں ہوگی اگر غلطی سے پڑھی گئی تو
نماز کو دہرانا چاہیے۔ ایک امام نے پہلی رکعت میں ایک رکوع پڑھا دوسری رکعت میں **وَإِنْ**
يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُولُونَ إِنَّهُ
لَمَجْنُونٌ **وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ** **٥١** تو قبلہ و کعبہ یہ دوسری رکعت میں جو پڑھا گیا وہ
میں نے لکھا ہے یہ صرف دو آیت شریف ہیں، آیا نماز صحیح ہوگئی یا نہیں یاد ہرانا پڑے گی۔

بینوا توجروا۔

الجواب: نماز میں ایک آیت پڑھنا فرض ہے مثلاً الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اس کے ترک سے نماز نہ ہوگی اور پوری سورہ فاتحہ اور اس کے بعد متصلاً تین آیتیں چھوٹی چھوٹی یا ایک آیت کہ تین چھوٹی آیت کے برابر ہو پڑھنا واجب ہے اور اگر اس میں کمی کرے گا نماز ہو تو جائے گی یعنی فرض ادا ہو جائے گا مکروہ تحریمی ہوگی بھول کر ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور قصداً ہے تو نماز پھیرنی واجب ہوگی اور بلا عذر ہے تو گنہگار بھی ہوگا مثلاً تین آیتیں یہ ہیں: ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ یا یہ الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۝ تو ظاہر ہے کہ وہ دو آیتیں وَاِنْ يَكْفُرُوا لَنْ يُكْفِرُوا لَكُمْ اَشْيَا ۝ میں کی پہلی ہی آیت ان تین چھوٹی آیتوں سے بڑی ہے تو نماز واجب ادا ہوگئی دہرانے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ہ) علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی 1367ھ اپنی تصنیف ”بہار شریعت“ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی کی جلد سوم صفحہ نمبر 61 پر واجبات نماز کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

سورۃ ملانا یعنی ایک چھوٹی سورت اِنَّا اَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ يَا تَمِيْنُ چھوٹی آیتیں جیسے ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ یا ایک یا دو آیتیں تین چھوٹی کے برابر پڑھنا۔

(۸) یہاں تک تو وہ حوالہ جات درج کیے گئے ہیں جن میں فقہاء کرام نے ”سورۃ المدثر“ کی تین آیات قصیرہ کو (21 تا 23) اسقاط واجب کے لئے مدار و معیار قرار دیا ہے یعنی یہ یا ان کے مساوی ایک طویل آیت یا دو آیتیں۔

چنانچہ علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے مذکورہ بالا پیرا گراف نمبر 7 (ب) میں حاشیہ ہدایہ پر ملا الہداد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کی ایک رکعت میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 64 پڑھ لے یا سورۃ النساء کی آیت نمبر 110 پڑھ لے تو نماز ادا ہو جائے گی حالانکہ بظاہر یہ طویل آیات نہیں ہیں لیکن کم از کم مقدار واجب ان سے

پورا ہو جاتا ہے، اسی طرح فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے بھی اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ سورۃ القلم کی آیت 51 یا سورۃ الرحمن کی ابتدائی تین مختصر ترین آیات بھی ادائے واجب کے لئے کافی ہیں۔

(۹) بعض فقہاء کرام (مثلاً علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی 970ھ) کی عبارات میں ہے کہ ”ثلاث آیات فصار كالكوثر“ اس عبارت میں ”سورۃ الكوثر“ کی آیات پر ”قصیرہ“ کا اطلاق لغوی اور عرفی اعتبار سے ہے، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو تین چھوٹی آیات ”ضم سورۃ“ کے وجوب کے لئے معیار ہیں وہ سورۃ کوثر کی تین آیات ہیں، کیونکہ اس سے پہلے ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ تین آیات قصار جو ”ضم سورۃ“ کے وجوب کو ساقط کرتی ہیں، وہ **ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝** ہیں یا ایسی ایک یا دو آیات جو مقدار میں ان کے مساوی ہوں۔

(۱۰) اب تک فقہاء کرام کی وہ آراء و عبارات تھیں جن میں تین آیات قصیرہ کو معیار بنایا گیا ہے، لیکن علامہ محمد امین ابن عابدین شامی نے ان تین آیات قصار کی تعداد حروف کو بھی معیار بنایا ہے جو مجموعی طور پر تیس حروف ہیں۔ لہذا تیس حروف پر مشتمل ایک یا دو آیات قرآنی پڑھنے سے بھی واجب ساقط ہو جاتا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار مطبوعہ استنبول 1327ھ جلد اول کے صفحات 427 اور 502 پر اپنے اس موقف کو بیان فرمایا ہے، دونوں حوالہ جات بالترتیب درج ذیل ہیں:

(۱) (قوله تعدل ثلاثا قصارا) ای مثل **ثُمَّ نَظَرَ الخ** وہی ثلاثون حرفا فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفا يكون قداًتی بقدر ثلاث آیات لكن سیأتی فی فصل جهر الامام ان فرض القراءة آية وان الآیة عرفاً طائفة من القرآن مترجمة اقلها ستة احرف ولو تقديراً ”كَلِمٌ يَلِدُ“ الا اذا كانت كلمة فلا صح عدم الصحة اهـ ومقتضاها انه لو قرأ آية

طويلة قدر ثمانية عشر حرفا يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات وقد يقال ان المشروع ثلاث آيات متوالية على النظم القرآنى مثل **ثُمَّ نَظَرَ** الخ ولا يوجد ثلاث متوالية اقصر منها فالواجب اما هي او ما يعدلها من غيرها لا ما يعدل ثلاثة امثال اقصر آية وجدت في القرآن ولذا قال تعدل ثلاثا قصارا ولم يقل تعدل ثلاثة امثال اقصر آية على ان في بعض العبارات تعدل اقصر سورة فتأمل وسنذكر في فضل الجهر زيادة في هذا البحث-

(ب) (تنبيه) لم ار من قدر ادنى ما يكفى بحد مقدار من الآية الطويلة وظاهر كلام البحر كغيره انه موكل الى العرف لا الى عدد حروف اقصر آية وعلى هذا لو اراد قراءة قدر ثلاث آيات التي هي واجبة عند الامام لا بدان يقرأ من الآية الطويلة مقدار ثلاثة امثال مما يسمى بقراءته قارنا عرفا ولذا فرضوا المسئلة بآية الكرسي وآية المداينة وفي التارخانية والمعراج وغيرها لو قرأ آية طويلة كآية الكرسي او المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول ابي حنيفة قيل لا يجوز لانه ماقرأ آية تامة في كل ركعة وعامتهم على انه يجوز لان بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار او يعدلها فلا تكون قراته اقل من ثلاث آيات اه لكن التعليل الا خير ربما يفيد اعتبار العدد في الكلمات او الحروف ويفيده قولهم لو قرأ آية تعدل اقصر سورة جاز وفي بعض العبارات تعدل ثلاثا

قصارا ای کقوله تعالى 'ثُمَّ نَظَرَ' ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ
وَاسْتَكْبَرَ ۝ و قدرها من حيث الكلمات عشر ومن حيث
الحروف ثلاثون فلو قرأ الله لآ إله إلا هو الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا
تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ يبلغ مقدار هذه الآيات الثلاث فعلى
ما قلناه لو اقتصر على هذا المقدار في كل ركعة كفى عن

الواجب ولم ار من تعرض لشئ من ذلك فليتأمل۔

پیرا گراف نمبر 4 کی بحث میں تحریر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی آیت
چھ حروف پر مشتمل ہے، اس پیرا گراف کے جزء (ا) میں علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا
مقتضاء یہ ہے کہ اٹھارہ حروف پر مشتمل ایک طویل آیت سے بھی واجب ساقط ہو جانا چاہیے،
لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ تین آیات قصار متواتر ہونی چاہیے، جیسے 'ثُمَّ نَظَرَ' الخ۔
اور ان تین سے کم تر مسلسل آیات قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ پس اقل مقدار معیار واجب یا
تو یہی ہیں اور یا جو ان کے مساوی ہوں، یہی وجہ ہے "ثلاثة امثال اقصر آية" کے برابر
کو معیار نہیں بنایا گیا، یعنی اگر سب سے چھوٹی (یعنی چھ حرفی) آیت کی تین مثل کو معیار قرار
دیا جاتا تو اٹھارہ حروف والی آیت سے بھی واجب ساقط ہو جاتا۔ لہذا بات سب سے چھوٹی
آیت کی تین مثلوں کی نہیں بلکہ سب سے چھوٹی تین آیتوں کی ہے یا ان کے مساوی ایک یا دو
آیتیں۔ اس عبارت کے شروع میں علامہ شامی نے کہا ہے کہ "ثُمَّ نَظَرَ" الخ میں تیس
حروف ہیں۔

علامہ شامی نے نمبر 10 جزء (ب) کی عبارت میں بعض علماء کا اختلاف ذکر کرتے
ہوئے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء اس امر کو جائز قرار دیتے ہیں کہ اگر ایک طویل آیت پوری نہ
بھی پڑھی بلکہ تین آیات متوایہ قصیرہ کے برابر (یعنی دس کلمات یا تیس حروف کے برابر)
آیت طویل کا حصہ پڑھ لیا تو بھی واجب ادا ہو جائے گا۔ مثلاً اگر آیت الکرسی 'اللَّهُ لَا إِلَهَ
إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ' تک بھی پڑھ لی تو دس کلمات یا تیس

حروف پورے ہو جاتے ہیں، لہذا نماز ادا ہو جائے گی۔

تین آیات قصار (یعنی ثُمَّ نَظَرَ الخ) کی تعداد کلمات و حروف کو نماز کے اندر واجب قرأت کے ادا اور اسقاط واجب کے لئے معیار قرار دینے کی بات سب سے پہلے علامہ شامی ہی نے کی ہے، اسی لئے انہوں نے اظہار تفاق و تحریث نعمت کے طور پر فرمایا۔ ہے کہ ”ولم ارمن تعرض لسنی من ذالك فليتامل“۔

(ج) علامہ شامی کی اتباع میں تین آیات قصار (یعنی ثُمَّ نَظَرَ الخ) کی تعداد حروف کو ادا واجب کے لئے معیار قرار دینے کی بات ہمارے فقہاء متاخرین بلکہ معاصرین نے بھی کی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مطبوعہ دارالاشاعت کراچی 1986ء جلد دوم صفحہ 226 پر سوال نمبر 407 مع جواب درج ذیل ہے:

سوال: (407) جو آیت سورہ کوثر کے برابر ہو تو بڑی آیت شمار ہوگی۔ کسی کتاب فقہ کی عبارت تحریر فرمادیتے کہ کم سے کم بڑی آیت کی مقدار کیا ہے؟

جواب: درمختار میں ہے وضم اقصر سورة الكوثر او ما قام مقامها وهو ثلث آيات قصار نحو ثُمَّ نَظَرَ ۱۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۱۲ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۱۳ وفي الشامی قوله تعدل ثلاثا قصارا ای مثل ثم نظر الخ وہی ثلاثون حرفاً فوق قرء آية طویلة قدر ثلاثين حرفاً یكون قد اتى بقدر ثلث آيات الخ۔ فقط

(د) اسی طرح بعینہ اسی استفتاء کے جواب میں دارالعلوم کراچی کا فتویٰ ملاحظہ ہو جسے مفتی محمد طلحہ صاحب نے لکھا اور نائب مفتی دارالافتاء مفتی محمد عبدالمنان صاحب نے اس کی تائید و تصویب کی۔

الجواب

فقہاء کرام نے سورہ فاتحہ کے ساتھ تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت کو ملانا واجب قرار دیا ہے جس کی مقدار احتیاطاً تیس حروف بیان کی گئی ہے اور مذکورہ صورت میں سورہ الکوثر کی دو آیات کے حروف کی مقدار تیس تک پہنچ جاتی ہے لہذا یہ نماز درست ہوگئی ہے۔ نہ سجدہ سہو کی

ضرورت تھی اور نہ نماز کا اعادہ واجب ہے۔

فی الدر المختار:- (ضم) اقصر (سورة) كالكوثر او مقام
مقامها، وهو ثلاث آيات قصار، نحو- ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ
وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ وكذالو كانت الآية او الايتان
تعدل ثلاثاً قصاراً۔

وفى الشامية:- اى مثل ثم نظر- الخ، وهى ثلاثون
حرفاً، فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفاً، يكون قداى
بقدر ثلاث آيات..... (جلد 1 صفحہ 458) واللہ اعلم۔

الجواب صحیح محمد عبدالمنان

محمد طلحہ عفی عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی نمبر 14

(۱۱) اس مسئلے میں حرف آخر یہ ہے کہ علامہ الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی علیہ الرحمۃ
متوفی 1340ھ نے اپنی تصنیف جلد الممتار علی رد المختار جلد اول مطبوعہ ارادہ تحقیقات امام
احمد رضا کراچی 1985ھ میں علامہ شامی کی عبارت ”ولا یوجد ثلاث متوالیة اقصر
منها“ پر اپنے حاشیے میں صفحہ 239 پر رقم طراز ہیں:

(قوله) ولا یوجد ثلاث متوالیة، (اقول) بلی فقوله تعالى
قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكْبِّرْ ۝ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ ثمانية
وعشرون حرفاً، مقروءاً ا وخسة وعشرون مكتوباً،
وقوله تعالى: وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝
خسة وعشرون حرفاً والمكتوب ستة وعشرون، فاذن
ينبغي ادارة الحكم على خمسة وعشرين حرفاً سواء
اريدت المقرؤات كما هو الا ليق، او المكتوبات، ۱۲ -

یعنی علامہ شامی کا یہ کہنا کہ ”ثم نظر الخ“ سے مختصر تر مسلسل تین آیات قرآن مجید

میں اور کہیں نہیں۔ کیوں نہیں؟ ارشاد باری تعالیٰ: قُمْ فَأَنْذِرْ ﴿١٠٠﴾ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ﴿١٠١﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿١٠٢﴾ یہ تین مسلسل آیات ہیں اور ان کے حروف کی مجموعی تعداد اگر پڑھے جانے والوں (مقروءہ) کا اعتبار کریں تو اٹھائیس بنتی ہے اور لکھے جانے والوں (یعنی مکتوبہ) کا اعتبار کریں تو پچیس بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول: وَالْفَجْرِ ﴿١٠٣﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿١٠٤﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿١٠٥﴾ تین مسلسل آیات ہیں اور ان کے حروف کی مجموعی تعداد پچیس بنتی ہے اور مکتوبہ کی چھبیس بنتی ہے، تو زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اداء واجب قرأت یا اسقاط واجب کا معیار و مقدار پچیس حروف پر ہونا چاہیے (نہ کہ تیس پر) خواہ پڑھے جانے والے حروف (مقروءہ) کا اعتبار کیا جائے یا حیطہ کتابت (مکتوبات) میں آنے والے حروف کا۔

اس تشریح کی روشنی میں تو سورہ کوثر کی ابتدائی دو آیات پڑھنے سے بہ طریقہ اولیٰ مقدار قرأت واجبہ ادا ہو جاتی ہے۔ الحمد للہ یہ اس مسئلے پر کافی ودانی تحریر ہے۔ تَقَبَّلُ اللَّهُ ذَالِكَ، فَقَطْ هَذَا مَا عِنْدِي وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مفتی منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

قرآن مجید کی سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا

سوال: کیا نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے؟ اور آیا نماز میں قرآن مجید کی سورتیں خلاف ترتیب پڑھنے سے کوئی خرابی لازم آئے گی یا سجدہ سہو کرنا پڑے گا؟۔

(محمد حنیف طیب، جامع مسجد رحمانیہ، گوہر آباد، کراچی)

جواب: تلاوت کرنے والے کے لئے قرآن مجید ترتیب مصحف کے مطابق پڑھنا واجب ہے اور نماز میں بھی قرآن کی سورتوں کو ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہیے لیکن یہ مسئلہ واجبات تلاوت سے ہے، واجبات نماز سے نہیں ہے لہذا اگر کسی نے بھول کر نماز کی رکعات میں سورتیں خلاف ترتیب پڑھ لیں تو بھی نماز صحیح ادا ہو جائے گی۔ سجدہ سہو لازم نہیں آئے گا۔ تاہم جان بوجھ کر خلاف ترتیب پڑھنے سے گریز کرنا چاہیے۔

نماز میں قرأت کا مسئلہ

سوال: اگر کوئی شخص نماز کی پہلی رکعت میں سورہ "الناس" پڑھ لیتا ہے تو اب دوسری رکعت میں کیا پڑھے؟۔
(منور احمد، ملیہ، کراچی)

جواب: دوسری رکعت میں بھی سورہ الناس ہی پڑھ لے۔

سوال: گاؤں میں اکثر مولوی صاحبان چھوٹی چھوٹی مساجد کے امام ہیں ان کے تلفظ اتنے کمزور ہیں کہ جب وہ پڑھتے ہیں تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا اور ان کے مخارج بھی صحیح نہیں ہیں کیا ان کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟۔
(غلام نبی جسکانی، کراچی)

جواب: مساجد کے متولیان اور منتظمین کی ذمہ داری ہے کہ وہ باقاعدہ امام کا تقرر کرتے وقت اس امر کا خیال کریں کہ وہ صحیح العقیدہ ہو، ضروریات دین کا علم رکھتا ہو، نماز کے تمام مسائل ضروری جزئیات و تفصیلات کے ساتھ جانتا ہو اور کم از کم بقدر جواز نماز قرأت صحیح کرتا ہو۔ افضلیت کے معیار کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ اگر امام کی قرأت میں ایسی خرابی ہے جو جواز صلوٰۃ سے مانع ہے تو ایسے امام کی اقتداء میں نماز نہ پڑھیں، پڑھ لی ہو تو اعادہ کر لیں۔ باقی شخصی پسند و ناپسند کا شرعی مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

التحیات نماز میں ہے، قرآن میں نہیں

سوال: التحیات قرآن پاک میں ہے یا نہیں؟۔
(رشید احمد قریشی، کراچی)

جواب: نماز میں دو رکعت کے بعد اور آخر میں ایک خاص ہیئت میں بیٹھنے کو "قعدہ" کہتے ہیں۔ فرض، واجب اور سنت مؤکدہ نماز میں درمیان کا "قعدہ" واجب اور آخری "قعدے" پر بیٹھنا فرض ہے، نفل نماز کا ہر "قعدہ" فرض ہوتا ہے۔ "قعدے" میں "التحیات" کا مکمل پڑھنا واجب ہے، اس کے پہلے لفظ کی مناسبت سے اسے "التحیات" کہتے ہیں اور چونکہ اس کا آخری حصہ کلمہ شہادت پر مشتمل ہے، اس لئے اس کی مناسبت سے اسے "تشہد" (گواہی دینا) بھی کہتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دونوں مبارک

ہاتھوں میں پکڑ کر اسی اہمیت کے ساتھ مجھے ”تشہد“ کی تعلیم فرمائی، جس طرح آپ ﷺ مجھے قرآن کی کسی سورت کی تعلیم ارشاد فرمایا کرتے تھے، پھر انہوں نے حضور ﷺ کی تعلیم کردہ پوری ”التحیات“ پڑھ کر سنائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”التحیات“ کے کلمات اس ترتیب کے ساتھ اور اس کا صریح حکم تو قرآن میں نازل نہیں ہوا، لیکن ”صاحب قرآن“ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے قرآن جیسی اہمیت کے ساتھ بہ نفس نفیس صحابہ کرام کو تعلیم فرمایا۔ نماز اور اس کا مکمل طریق ادا بہ کمال و تمام تو اتر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے اور آج تک امت کا اس پر تعامل ہے اور ”التحیات“ کے کلمات ترتیب و تفصیل کے ساتھ احادیث صحیحہ، مشہورہ کے ذریعہ حضور ﷺ سے ثابت ہیں۔

وتر میں دعائے قنوت کی جگہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ“ پڑھنا

سوال: اگر کسی کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ“ پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی؟۔ (عبد الماجد، لسبیلہ، کراچی)

جواب: وتر کی تیسری رکعت میں مطلقاً دعاء پڑھنا واجب ہے اور بطور خاص ”دعائے قنوت“ پڑھنا سنت ہے لہذا پہلی فرصت میں اسے یاد کریں تاکہ نماز وتر کے اجر کامل سے محروم نہ رہیں۔ جب تک ”دعائے قنوت“ مسنون یاد نہیں کر پاتے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۰۰﴾ تک پڑھ لیا کریں، یہ بھی یاد نہ ہو تو ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ تین بار پڑھ لیں اور اگر یہ بھی فوری طور پر یاد نہ ہو سکے تو ”قُلْ هُوَ اللَّهُ“ پڑھنے سے بھی واجب ادا ہو جائے گا۔

مسجد میں دوبارہ جماعت کرانا

سوال: مسجد میں دوبارہ جماعت کرانا جائز ہے؟۔ (محمد جیلانی، نارتھ کراچی)

جواب: کسی محلے کی مسجد میں، جب ایک بار اذان و اقامت کے ساتھ باقاعدہ جماعت ہو چکی ہو، تو دوبارہ اذان و اقامت کے ساتھ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ اس سے مساجد فتنہ و افتراق کا مرکز بننے سے بھی محفوظ رہتی ہیں۔ ایسی مساجد، جو شارع عام پر واقع ہوں۔ ایئر

پورٹ، بندرگاہ، ریلوے اسٹیشن، بس اڈے، مارکیٹ وغیرہ پر واقع ہوں، جہاں لوگوں کے قافلے اور گروپ آتے جاتے رہتے ہیں۔ وہاں الگ اذان و اقامت کے ساتھ ایک سے زیادہ جماعتیں کرانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں حرمین طیبین میں بھی ایک سے زائد جماعتوں کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ حرمین طیبین میں بھی زائرین کے قافلے ہر وقت آتے رہتے ہیں، اسی طرح اگر محلے کی مسجد میں باہر کے لوگ آ کر باجماعت نماز پڑھ کر چلے گئے ہوں تو اہل محلہ کے لئے اذان و اقامت کے ساتھ اپنی معمول کی جماعت بلاشبہ قائم کرنا جائز ہے، درمختار میں ہے کہ اگر کسی محلے کی مسجد میں باقاعدہ امام و موذن مقرر نہ ہوں تو وہاں تکرار جماعت میں کوئی حرج نہیں ہے، مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ لوگ غفلت اور کاہلی میں مبتلا ہو کر جماعت اولیٰ کی اہمیت کو نظر انداز کر دیں گے اور ایسے لوگوں کے لئے جماعت ثانیہ بلاشبہ ناجائز ہے۔ البتہ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً کچھ لوگ کسی عذر یا مانع کے سبب تاخیر سے آجائیں اور وہ پہلی جماعت کی جگہ سے ہٹ کر جماعت ثانیہ کر لیں تو جائز ہے۔ ایسی صورت میں جماعت ثانیہ کے لئے اذان دینا تو جائز نہیں ہے البتہ اقامت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

عورت اور مرد کی نماز

سوال: کیا میاں بیوی ایک ساتھ، ماں اپنے بیٹے کے ساتھ یا خالہ بھانجے کے ساتھ الگ جائے نماز پر نماز ادا کر سکتی ہیں؟

جواب: اگر مرد امام ہے اور عورت مقتدی اور امام نے عورتوں کی امامت کی نیت بھی کر رکھی ہے یا مرد اور عورت دونوں کسی ایک امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں اور ان دونوں صورتوں میں عورت برابر میں کھڑی ہے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی بشرطیکہ عورت بالغہ یا قریب البلوغت ہو، خواہ وہ اس کی بیوی یا محرم ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ اگر عورت بعد میں آ کر کھڑی ہوئی اور امام یا مقتدی نے اسے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا اور وہ نہ ہٹی تو اس عورت کی نماز فاسد ہوگی۔ لیکن اگر مرد اور عورت دو یا زائد کسی ایک کمرے میں اپنی اپنی نماز علیحدہ پڑھ

رہے ہیں اور کسی پاک جگہ یا بڑی جائے نماز پر یا الگ الگ جائے نماز بچھا کر برابر یا آگے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھ رہے ہیں تو دونوں یا سب کی نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی۔ ماں، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی اور بیوی وغیرہ تو محارم میں سے ہیں، کسی بھی عورت کے لئے غیر محرم مرد کے ساتھ نشست و برخاست شرعاً جائز نہیں ہے۔

سترہ کے مسئلے پر ایک علمی بحث

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب مولانا صاحب بندہ کو ایک مسئلہ درپیش یہ ہے کہ عمدۃ الفقہ کتاب الصلوٰۃ میں حضرت مولانا سید زوار حسین نے یہ مسئلہ لکھا ہے:

”امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے پس جب امام کے آگے سترہ ہو تو اگر کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گزرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہی حکم مسبوق کے لئے بھی ہے کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی کافی رہے گا۔ (صفحہ 276)

یہ مسئلہ مولانا نے کس کتاب سے لیا ہے اور اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائیے۔ امید ہے کہ بندہ کی صحیح رہنمائی فرمائیں گے۔

سید محمد فرحان حسین

الجواب باسم ملہم الصواب

سید صاحب مرحوم نے مندرجہ بالا مسئلہ فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب ”شامی“ سے لیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے: وكفت سترۃ الامام لكل (قوله لكل) ای للمقتدین به كلہم وعلیہ فلو مرمار فی قبلۃ الصف فی المسجد الصغیر له لم یکرہ اذا كان للامام سترۃ و ظاهر التعمیم شمول المسبوق وبہ صرح القہستانی و ظاہرہ الاکتفاء بہا ولو بعد فراغ امامہ والا فبا فائدتہ؟ (شامی جلد، صفحہ

دارالافتاء دارالعلوم زکریا F-B ایریا، کراچی

نوٹ: مندرجہ بالا فتویٰ ہمیں موصول ہوا اور اس کے نتیجے میں جو علمی و فقہی بحث ہوئی، وہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب هو الموفق للصواب

زیر بحث صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا، امام اور مدرک، مقتدی منتشر ہو رہے ہیں، جب کہ مسبوق کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں کیا لوگ بلا تردد اس مسبوق مقتدی کے آگے سے گزر سکتے ہیں اور کیا وہ دانستہ ایسا کرنے سے گنہگار نہیں ہوں گے؟۔

مستفتی سید محمد فرحان حسین کے والد محترم سید ایوب حسین صاحب اس امر کے مدعی تھے کہ چونکہ امام کا سترہ مقتدی کے لئے بھی سترہ ہے اور یہ حکم مسبوق کو بھی شامل ہے جب کہ وہ فراغت امام کے بعد تنہا کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز پڑھ رہا ہو، اور انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں سید زوار حسین صاحب کی کتاب ”عمدة الفقہ“ کی محولہ بالا عبارت پیش کی، میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کے نزدیک اس عبارت کا محمل یہ ہے تو یہ کتب فقہ و فتاویٰ سے مؤید نہیں ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں دارالعلوم زکریا کے مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری کا فتویٰ حاصل کیا جو اس بحث کے شروع میں درج ہے۔

مفتی صاحب محترم نے اپنے فتویٰ کو فتاویٰ شامی کی عبارت سے مزین کیا ہے، لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ انہوں نے علامہ شامی کی نا تمام عبارت پیش کی ہے اور اس کا تامل یعنی آخری حصہ نظر انداز کر دیا، ایسا اگر دانستہ کیا جائے تو علمی خیانت کے زمرے میں آتا ہے اور سہرا ایسا ہو جائے تو تسامح کہلاتا ہے، ہم حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اسے تسامح پر محمول کرتے ہیں۔ مفتی صاحب موصوف نے فتاویٰ شامی کی جو عبارت چھوڑ دی ہے، وہ یہ ہے:

وقد يقال فائدته التنبيه على انه كالمدرک لا يطلب منه
نصب سترة قبل الدخول في الصلوة وان كان يلزم ان
يصير منفردا بلا سترة بعد سلام امامه لان العبرة لوقت

الشروع وهو وقته كان مستترا بستره امامه تامل

(رد المحتار على الدر المختار، جلد 1 صفحہ 429، دار احیاء التراث العربی)

اس عبارت کا مستفاد یہ ہے کہ ”مسبق مقتدی“ صرف اس حد تک مدرک کی طرح
ہے کہ جماعت میں شمولیت کے وقت وہ سترے کا اہتمام نہیں کرے گا، یعنی ”دخول فی
الصلوة“ سے پہلے اس سے نصب سترہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اعتبار (اہتمام سترہ
کے مسئلہ میں) وقت شروع کا ہے اور اس وقت وہ اپنے امام کے سترہ کے ساتھ مستتر ہے۔
لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ اب منفرد ہے اور بلا سترہ ہے (لہذا اس کے آگے
سے گزرنے والے کو محتاط رہنا ہوگا، احتراز کرنا ہوگا، کیونکہ یہ موجب گناہ ہے)۔

مسبق کو حسب درجہ جماعت کا اجر تو ملے گا، انشاء اللہ العزیز، لیکن جب وہ اپنی بقیہ نماز کی
تکمیل کرتا ہے تو اس پر منفرد کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے، مثلاً:

(۱) اس سے دوران اقتداء کوئی ترک واجب ہو تو اس پر سجدہ سہولاً لازم نہیں ہے لیکن امام
کے سلام پھیرنے کے بعد اس سے کوئی ترک واجب ہو جائے تو اس پر سجدہ سہولاً لازم ہے
ورنہ نماز واجب الاعداد ہوگی۔

(۲) امام کی اقتداء میں دوران قرأت امام مقتدی پر سکوت واجب ہے لیکن جب فراغت
امام کے بعد مقتدی اپنی بقیہ نماز کے لئے کھڑا ہوگا تو اس پر قرأت فرض ہے۔

(۳) امام کی اقتداء کے دوران جس رکعت میں شامل ہوا، وہی محسوب ہوگی، لیکن بعد میں
جب اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کے لئے کھڑا ہوگا تو اصل ترتیب کا لحاظ کرے گا، سورۃ والی رکعت
یا رکعات پہلے پڑھے گا اور بغیر سورۃ والی بعد میں، اس کی جب اپنی دو رکعات مکمل ہوں گی تو
قعدہ اولیٰ بھی اس پر واجب ہوگا۔

(۴) امام بخاری اور دیگر محدثین نے جس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے اس باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے ”سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ“ اور فقہی ضابطہ یہ ہے کہ جب حکم مشتق پر لگے تو اس حکم کی علت ”ماخذ اشتقاق“ ہوتا ہے، یعنی ”امامت“، تو اس قاعدے کی رو سے امام کا سترہ مقتدی کے لئے اس وقت تک سترہ ہے جب تک وہ امامت میں ہے، جب امامت سے فارغ ہو گیا تو اب اس کا سترہ مقتدی کے لئے سترہ نہ رہا، چہ جائیکہ وہ فارغ ہو کر گھر چلا گیا ہو۔ علیٰ هذا القیاس۔

امید ہے کہ مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری صاحب علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی محولہ بالا جامع گفتگو کی روشنی میں اپنے فتویٰ پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

فَقَطُّ هَذَا مَا عِنْدِي، وَاللَّهِ تَعَالَىٰ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

مفتی منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

بلاک 15 فیڈرل بی ایریا، کراچی

الجواب باسم ملہم الصدق والصواب

تعلیمی سال کے اوائل ایام کی طویل ترین مصروفیت و مشغولیت کے بعد استفتاء دیکھنا شروع کیے، اولاً سریع الطلب سوالات کے جوابات قلمبند کیے گئے، دوران تسلسل چند ایام قبل اپنے ہی تحریر کے گئے ایک فتوے پر نظر پڑی، جس کے ساتھ محترم مفتی منیب الرحمن صاحب کے قلم سے تحریر شدہ ”اصلاح الجواب“ بھی منسلک تھا۔

جس میں بندہ کے جواب پر چند غلط فہمیاں اور ان کی تفصیل درج تھی، چونکہ اس پر ”اظہار مافی الضمیر“ کے لئے قدرے وقت مطلوب تھا، اس لئے اس میں مزید تاخیر ہوتی چلی گئی، بفضلہ تعالیٰ ساعۃ حاضرہ میں کچھ رقم کرنے بیٹھا ہوں، اللہ عزوجل اس کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین یا رب العالمین)

احقر اپنی اس مختصر تحریر کو دو حصوں پر تقسیم کرے گا:

(۱) اولاً مسئلہ مجوشہ کی وضاحت اور تحقیق ہوگی۔ (۲) ثانیاً محترم مفتی صاحب کی جانب سے

تحریر کیے گئے ”جواب الجواب“ پر نظر ثانی کی جسارت کی جائے گی۔
 زیر بحث صورت مسئلہ وہی ہے جو موصوف مفتی صاحب نے تحریر فرمائی ہے:
 صورت مسئلہ یہ ہے کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا، امام اور مدرک مقتدی منتشر ہو
 رہے ہیں، جب کہ مسبوق کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کر رہا ہے، تو ایسی صورت میں کیا
 لوگ بلا تردد اس مسبوق مقتدی کے آگے سے گزر سکتے ہیں؟ اور کیا وہ دانستہ ایسا کرنے سے
 گنہگار نہیں ہوں گے؟

در اصل اتنی بات پر تو جملہ فقہاء کرام متفق ہیں کہ دوران جماعت امام کے سلام
 پھیرنے سے قبل تمام مقتدی سترہ کے ساتھ مستتر ہیں، اس اتفاقی مسئلہ کو بایں الفاظ بیان کیا
 گیا ہے:

علامہ وہبۃ الزحیلی رقم طراز ہیں:

وسترة الامام سترة لمن خلفه بلا تفاق

(الفقه الاسلامی وادلتہ جلد 2، صفحہ 941)

لیکن تحقیق طلب امر یہ ہے کہ:

آیا امام کا سترہ امام کے لئے اور مقتدیوں کے ہر فرد کے لئے (خواہ وہ مسبوق ہو یا
 مدرک یا لاحق) مستقلاً سترہ ہے۔

اس صورت میں امام اگر سلام پھیرنے کے بعد غائب بھی ہو جائے تب بھی مسبوق
 سترہ کے ساتھ مستتر رہے گا، جس طرح امام کی موجودگی میں لوگوں کا اس کے آگے گزرنا
 بلاشبہ صحیح تھا، اس طرح امام کی غیوبت میں اس کے آگے گزرنا بلاشبہ صحیح ہوگا، کیونکہ امام
 اگرچہ معدوم ہے، لیکن اس کا وہ سترہ موجود ہے جو مسبوق کے لئے بھی مستقلاً سترہ ہے۔

یہ کہ امام کے سامنے موجود سترہ فقط امام کے لئے کفایت کرے گا، جب کہ مقتدیوں
 کے لئے امام بذات خود سترہ ہے۔

اس صورت میں جب تک مسبوق خلف الامام ہے۔ اس وقت تک اس کے آگے سے

گزرنا بلاشبہ صحیح اور درست ہوگا، لیکن جو نہی امام اپنی نماز سے فارغ ہوگا، تو مسبوق بلاسترہ ہو جائے گا اور اس کے آگے گزرنا مکروہ اور باعث گناہ ہوگا۔

واضح رہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء کرام کا مسلک یہ ہے کہ امام کا ستر امام کے لئے اور تمام مقتدیوں کے لئے مستقلاً سترہ ہے۔ جب کہ بعض فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ امام کے سامنے موجود سترہ صرف امام کے لئے خاص ہے، باقی خلف الامام مقتدیوں کے لئے خود امام بذاتہ سترہ ہے۔

معروف فقیہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ (المتوفی 970ھ) نے اس اختلاف کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

وقد اختلف العلماء فى ان سترۃ الامام هل هى بنفسها
سترۃ للقوم وله او هى سترۃ له خاصة وهو سترۃ لمن
خلفه (البحر الرائق جلد 2، صفحہ 18)

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس اختلاف کی جانب یوں اشارہ فرمایا:

لكن اختلفوا هل سترتهم سترۃ الامام ام سترتهم الامام
نفسه (اعلاء السنن جلد 5، صفحہ 82)

ثمرہ اختلاف مسبوق کے حق میں ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جب وہ کھڑے ہو کر اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کر رہا ہے تو کیا وہ اس وقت سترہ کے ساتھ مستتر ہے یا نہیں؟

تو جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ یہ مسبوق سترہ کے ساتھ مستتر ہے۔ کیونکہ امام اگرچہ موجود نہیں، لیکن اس کا وہ سترہ موجود ہے جس کے ساتھ وہ اور اس کے تمام مقتدی بشمول مسبوق مستتر تھے، لہذا مسبوق جس سترہ کے ساتھ قبل از فراغ امام مستتر تھا، اب بھی وہ اسی سترہ کے ساتھ مستتر ہے اور جمہور ہی کے مسلک کو کتب فقہ و فتاویٰ میں اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ:

(۱) شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی (المتوفی 593ھ) فرماتے ہیں:

وسترة الامام سترة للقوم لانه عليه السلام صلى بيطحاء

مكة الى عنزة ولم يكن للقوم سترة (هداية جلد 1، صفحہ 139)

(۲) علامہ ابن نجیم الحنفی (المتوفی 970ھ) رقم طراز ہیں:

ان سترة الامام تجزئی عن اصحابه

(البحر الرائق جلد 2، صفحہ 18)

(۳) علامہ عالم بن علاء الانصاری الاندلسی (المتوفی 786ھ) فرماتے ہیں:

سترة الامام تجزئی اصحابه

(الفتاویٰ التتارخانیہ جلد 1 صفحہ: 630)

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا عبارات میں ”قوم“ اور ”اصحاب“ کے الفاظ مدرک، لاحق اور

سبوق تینوں قسم کے مقتدیوں کو شامل ہیں۔

(۴) صاحب ملتقی الابحر رقم طراز ہیں:

وسترة الامام مجزئة عن القوم

(ملتقی الابحر مع الجمع جلد 1، صفحہ: 122)

اس عبارت میں بھی ”قوم“ کی تعمیم شمولیت مسبوق کی جانب مشعر ہے، یعنی امام کا سترہ

امام کے ساتھ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہوگا، خواہ وہ مسبوق ہو یا مدرک اور لاحق۔ چنانچہ

اس عبارت کی توضیح میں ”صاحب مجمع الأنهر“ شمولیت مسبوق کی تصریح فرماتے ہوئے

لکھتے ہیں:

وسترة الامام مجزئة ای كافیة (عن القوم) وان كان

مسبوقا (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الابحر جلد 1: صفحہ 122)

(۵) علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ (المتوفی 1088ھ) فرماتے ہیں:

(و كفت سترة الامام) للكل

(شرح تنویر الابصار جلد 1، صفحہ 638)

مذکورہ عبارت میں لفظ ”کل“ شمولیت مسبوق میں سابقہ عمومی الفاظ سے بھی زیادہ واضح ہے۔

گزشتہ جملہ عبارات میں اگرچہ تعمیم الفاظ تمام مقتدیوں کو محیط ہے۔ لیکن تمام مقتدیوں کی شمولیت کے صریح الفاظ نہیں ہیں۔ معروف فقیہ علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) نے یہ کسر بھی پوری فرمادی اور انہوں نے مذکورہ عبارت کی تشریح میں تمام مقتدیوں کی شمولیت کی صراحت فرمادی، چنانچہ فرماتے ہیں:

(قوله لكل) ای للمقتدین به کلهم (ردالمحتار جلد 1 صفحہ: 638)

اگر مسبوق فقط سلام امام تک ہی مستتر رہتا، بعدہ غیر مستتر ہو جاتا تو اس مقصد کی تعبیر کے لئے ”و کفت سترۃ الامام لمن خلفه“ یا ”للمامومین“ یا ”للمقتدین“ کے الفاظ کافی ہوتے، اس سے زائد تعیمی الفاظ کی چنداں حاجت نہیں تھی۔ یقیناً ”اصحاب، قوم“ اور ”کل“ جیسے حد درجہ تعیمی الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مسبوق حسب سابق اپنی نماز کے آخر تک مستتر رہے گا۔

باقی رہی مذکورہ عبارات میں وہ تاویل جو فاضل مفتی صاحب نے ایک عبارت کا مستفاد بتاتے ہوئے بیان فرمائی کہ:

”مسبوق مقتدی صرف اس حد تک مدرک کی طرح ہے کہ جماعت میں شمولیت کے وقت وہ سترہ کا اہتمام نہیں کرے گا، یعنی دخول فی الصلوٰۃ سے پہلے اس سے نصب سترہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا..... لیکن امام کے سلام پھیرنے یعنی امام کے نماز سے فراغت کے بعد وہ اب منفرد ہے اور بلا سترہ ہے (لہذا اس کے آگے گزرنے والے کو محتاط رہنا ہوگا، احتراز کرنا ہوگا کیونکہ یہ موجب گناہ ہے)۔“

چونکہ یہ تاویل مذکورہ فقہاء کرام اور جمہور ائمہ احناف کی منشاء کے خلاف تھی (کیونکہ ان کے نزدیک مقتدیوں کا سترہ امام نہیں کہ اس کی غیر موجودگی میں مسبوق مقتدی بلا سترہ ہو

جائیں، بلکہ تمام مقتدیوں کا وہی سترہ ہے جو امام کا سترہ ہے امام اگرچہ موجود نہیں لیکن وہ سترہ تو موجود ہے جس کے ساتھ امام اور تمام مقتدی مستتر تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک مسبوق فراغت امام کے بعد بھی مستتر ہے بلا سترہ نہیں۔

اس لئے خاتمة المحققین علامہ ابن عابدین (المتوفی 1252ھ) نے انتہائی زور دار انداز سے مسلک جمہور کی توضیح و تائید فرماتے ہوئے مذکورہ تاویل کی تصنیف فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

(۶) وكفت سترة الامام (قوله للكل) و ظاهره التعميم
شمول المسبوق وبه صرح القهستاني و ظاهره الاكتفاء
بها ولو بعد فراغ امامه والا فما فائدته؟ لان العبرة
لوقت الشروع وهو وقته كان مستترا بسترة امامه تامل
(رد المحتار جلد 1، صفحہ 638)

یعنی امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے اور (متن کے لفظ ”کل“ کے) عموم سے ظاہر ہے کہ مقتدیوں میں مسبوق مقتدی بھی شامل ہے، چنانچہ ”قہستانی“ میں اس (شمول مسبوق) کی صراحت ہے اور اس (شمول مسبوق) کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی یہی سترہ مسبوق کے لئے کافی ہو، ورنہ پھر اس شمول و عموم کا کیا فائدہ؟ کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس (مسبوق) کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی سترہ اس کے لئے کافی رہے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) نے مذکورہ بحث فرماتے ہوئے درمیان میں بطور جملہ معترضہ اس تاویل کو بصیغہ مجہول ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وقد يقال فائدته التنبیه علی انه كالمدرک لا يطلب منه
سترة قبل الدخول فی الصلوة وان كان يلزم ان يصير
منفرداً بلا سترة بعد سلام امامه (حوالہ بالا)

یعنی اور کبھی کہا جاتا ہے کہ اس (لفظ ”کل“ کے عموم و شمول) کا فائدہ یہ ہے کہ (اس عموم و شمول سے) اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ مسبوق مدرک کی طرح ہے بایں طور کہ نماز میں داخل ہونے سے قبل اس سے نصب سترہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اگرچہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ مسبوق منفرد بلا سترہ سمجھا جائے۔

در اصل متن کے عموم کی یہ تاویل ان بعض فقہاء کی جانب سے کی گئی ہے جو مقتدیوں کے لئے امام کو بذاتہ سترہ تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی نے اس تاویل کو بصیغہ مجہول ذکر کر کے اس کی تضعیف کرتے ہوئے مسلک جمہور کو بے غبار بنا دیا۔

یہ کہ چونکہ متن کی عبارت سے انہیں بعض فقہاء کا مسلک بھی ایک گونہ مفہوم ہو سکتا تھا تو علامہ شامی نے وہ مفہوم بصیغہ مجہول ذکر کر کے تضعیف کر دی، تاکہ مسلک جمہور کی صحت میں کوئی شبہ نہ رہے۔

یاد رہے کہ جو کلام بصیغہ مجہول ذکر کیا جائے، ارباب فتاویٰ کے نزدیک اس سے اس کام کی تضعیف مقصود ہوتی ہے (اور ایسے مجہول کلام پر عمل اور فتویٰ جائز نہیں ہوتا) الا یہ کہ مصنف کتاب کی یہ جہلت خاصہ ہو کہ وہ صحیح اقوال بھی صیغہ مجہولہ سے بیان فرماتے ہوں یا یہ کہ سیاق و سباق سے اس کی تصحیح معلوم ہوتی ہو، ”قیل“ اور ”یقال“ سے ذکر کیے گئے کلام کے تضعیف ہونے کی تو تصریح بھی موجود ہے۔

چنانچہ سید عمیم الاحسان مجددی ”ادب المفتی“ میں رقم طراز ہیں:

ولا يجزم بالضعيف بصيغة التمريض كقيل ويقال الا

بقرينة السياق او التزام قائله كمنولف الملتقى

(ادب المفتی مع المجموعۃ صفحہ 574)

جب کہ یہاں نہ تو علامہ شامی کی یہ عادت ہے کہ وہ صحیح اقوال کو بھی صیغہ مجہولہ سے ذکر کرتے ہیں اور نہ ہی سیاق و سباق اس کلام مجہول کی تائید کرتا ہے، خصوصاً جب کہ یہ ضعف کی ادنیٰ سے ادنیٰ قسم ہے، جس میں قائلین کے اسماء گرامی بھی ضبط تحریر میں لانا مناسب نہیں

سمجھے گئے۔

(۷) جمہور آئمہ احناف کا مسلک صحیحین کی درج ذیل احادیث سے ماخوذ ہے:

(۱) عن ابن عباس انه قال اقبلت راكبا على حمار اتان
يو منذ قد ناهزت الاحتلام ورسول الله صلى الله عليه
وسلم يصلي بالناس بنى الى غير جدار فمرت بين
يدي بعض الصف فنزلت وارسلت الاتان ترتع ودخلت
في الصف فلم ينكر علي ذلك احد

(بخاری جلد 1، صفحہ: 71، مسلم جلد 1، صفحہ 196)

(۲) عن ابی جحيفة ان اباه رأى رسول الله صلى الله
عليه وسلم فى قبة حراء من ادم (الى ان قال) وخرج
رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حلة حراء مشرا
فصلى الى العنزة بالناس ركعتين ورايت الناس
والدواب يرون بين يدي العنزة (مسلم جلد 1، صفحہ 196)

(۳) عن ابی جحيفة قال سمعت ابی يقول ان النبى
ﷺ صلى بهم بالبطحاء بين يديه عنزة الظهر ركعتين
والعصر ركعتين تمر بين يديه المرأة والحمار

(بخاری جلد 1، صفحہ 71، مسلم جلد 1، صفحہ 196) وقال ابن همام

متفق عليه فتح القدير جلد 1 صفحہ: 355)

چنانچہ علامہ ابن نجیم الحنفی (المتوفی 970ھ) نے جمہور کے مسلک کے متدل بیان

فرماتے ہوئے انہی احادیث کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان سترة الامام تجزىء عن اصحابه كما هو ظاهر

الاحاديث الثابتة فى الصحيحين (البحر الرائق جلد 2، صفحہ: 18)

نیز شیخ الاسلام برہان الدین علی ابن ابی بکر المرغینانی (593ھ) نے جمہور کے مسلک کا متدل تیسری حدیث کو بنایا ہے (ہدایہ جلد 1، صفحہ: 139)

صاحب ”مجمع الانہر“ نے بھی جمہور کا مسلک ذکر کرنے کے بعد انہی احادیث کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ جمہور کا مسلک بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

كما هو ظاهر الا حاديث الثابتة في الصحيحين من

الاقتصار على سترة عليه السلام وهو سترة للقوم

(مجمع الانہر شرح ملتقى الابرجلد 1، صفحہ: 122)

الحاصل جمہور کا مسلک یہ ہے کہ امام کا سترہ امام کے لئے اور تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے، خواہ وہ مسبوق ہوں یا مدرک اور لاحق اور فراغ امام کے بعد بھی مسبوق مستتر رہیں گے، کیونکہ امام اگرچہ موجود نہیں لیکن وہ سترہ موجود ہے جس کے ساتھ امام اور تمام مقتدی (بشمول مسبوق) مستتر تھے اور بوجہ استتار مسبوق کے آگے گزرنا صحیح ہوگا اور اسی کو ہی کتب فقہ و فتاویٰ میں اختیار کیا گیا ہے اور متاخرین ارباب فتاویٰ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (کما مر)

جب کہ بعض فقہاء کرام کا مسلک یہ ہے کہ امام کا سترہ فقط امام کے لئے کفایت کرے گا اور باقی مقتدیوں کے لئے امام بذاتہ سترہ ہوگا، یہ مسلک چونکہ بلا دلیل تھا اس لئے اس کو متون میں تو بالکل نظر انداز کر دیا تاہم کتب فتاویٰ میں اس کا قدرے تذکرہ ملتا ہے لیکن وہاں بھی اس کو صیغہ مجہولہ سے ذکر کر کے اس کی تضعیف کر دی گئی ہے۔

(۱) چنانچہ علامہ سید احمد طحاوی نے اس کو بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے:

وقيل السترة له وهو بنفسه سترة من خلفه

(حاشیۃ الطحاوی علی الدر جلد 1، صفحہ 267)

(۲) علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) نے تنویر الابصار اور در مختار کی عبارت ”(و كفت سترة الامام) للكل“ کے تحت ان بعض فقہاء کے مسلک کی جانب یوں اشارہ فرمایا:

وقد يقال فائدته التنبيه على انه كالمدرک لا يطلب منه
سترة قبل الدخول في الصلوة وان كان يلزم ان يصير
منفرداً بلا سترة بعد سلام امامه (رد المحتار جلد 1 صفحہ 638)
الحاصل بعض فقہاء کے نزدیک امام بذاتہ تمام مقتدیوں کے لئے سترہ ہے تو فراغ امام
کے بعد مسبوق بلا سترہ ہوگا اور اس کے آگے سے گزرنا ناجائز ہوگا۔

ان بعض فقہاء کا مسلک درج ذیل وجوہ کی بنا پر غیر مفتی بہ، ضعیف اور مرجوع ہے:
(۱) کتب فقہ و فتاویٰ میں ان کے مسلک کو صیغہ مجہولہ سے ذکر کیا گیا جب کہ اصول افتاء کے
مطابق صیغہ مجہولہ ضعیف عبارت کی نشاندہی کرتا ہے خصوصاً قیل اور یقال سے ذکر کیے گئے
کلام کے ضعیف ہونے کی تو تصریح بھی موجود ہے۔ (کما مر تفصیلاً من ادب المفتی)
(۲) یہ مسلک جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ (کما يفهم من کتب الفقہ)
(۳) کسی بھی معتبر و مستند فقیہہ سے اس کی تصحیح یا تائید ثابت نہیں۔
(۴) یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

(۵) متون میں اس کو نظر انداز کر دیا گیا۔

(۶) فقہاء احناف نے اس کو مرجوع قرار دیا (کما هو الظاهر من العبادات
الماضیہ)

(۷) علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) نے اس کو حاشیہ در میں ضعیف قرار دیا
جب کہ حاشیہ علامہ شامی کو ”خاتمة التحقیقات والترجیحات فی المذہب
الحنفی“ تسلیم کیا گیا ہے (کما سیاتی من الفقہ الاسلامیہ وادلتہ)
جمہور کا مسلک درج ذیل وجوہ کی بنا پر راجح اور مفتی بہ ہے۔

(۱) فقہاء احناف نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم (970ھ) نے اولاً
جمہور کا مسلک اور ثانیاً بعض فقہاء کا مسلک ذکر فرمایا (مر عبارتہ فی الصفحات
الماضیہ) بعدہ ان الفاظ میں فیصلہ فرمایا:

فظاهر كلام ائمتنا الاول ولهذا قال في الهداية وسترة

الامام سترة للقوم (البحر الرائق جلد 1، صفحہ: 18)

ہمارے ائمہ احناف کے کلام سے پہلا ہی مسلک ظاہر ہوتا ہے (یعنی وہ اول مسلک رکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ (متن حنفیہ) ہدایہ میں (اسی مسلک کو اختیار کرتے ہوئے) صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو یوں تعبیر کیا ہے:

”امام کا سترہ پوری قوم (تمام مقتدی بشمول مسبوق) کے لئے کافی ہے۔“

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے جہاں ”فظاهر کلام ائمتنا الاول“ کہہ کر مسلک جمہور کو ترجیح دی ہے، وہاں موصوف کا جملہ ”کلام ائمتنا“ بھی غور طلب ہے جس میں انہوں نے ایک لطیف انداز میں بعض فقہاء کے مسلک کی تضعیف فرمائی ہے۔

تاہم اس میں ایک لطیف نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر ”کلام بعض ائمتنا“ کہا جاتا تو اس کا یہ مطلب نکالا جاسکتا تھا کہ وہ فقہاء کرام جو اس کے برعکس مسلک رکھتے ہیں وہ بھی شاید ائمہ احناف ہیں، تو موصوف نے ”کلام ائمتنا“ کہہ کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ جو فقہاء مذہب حنیفہ میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں وہ تمام کے تمام اول مذہب رکھتے ہیں، جب کہ بعض فقہاء جو دوسرا مسلک رکھتے ہیں، انہیں ائمہ احناف نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ کم درجہ کے فقیہہ ہیں۔

نیز اگر ”کلام بعض ائمتنا“ کہا جاتا تو اس میں یہ احتمال ہوتا کہ شاید اس کے بر خلاف مسلک کے حاملین فقہاء کرام بھی اتنی ہی تعداد میں ہوں گے، حالانکہ حقیقت ایسے نہیں تھی تو علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے ”و ظاہر کلام ائمتنا“ کہہ کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ دوسرا مسلک رکھنے والے اتنے قلیل ہیں کہ ان کا ذکر و عدم ذکر مساوی ہے، ”القلیل کالمعدوم“ کے تحت انہوں نے تمام ائمہ احناف کا مسلک اول قرار دے دیا اور یہی دو نکتے ”ظاہر کلام اکثر ائمتنا“ نہ کہنے میں ہیں۔

اور اگر ائمہ سے مراد ائمہ مجتہدین ہوں اور اس کو ائمہ ثلاثہ کے مقابلہ میں لایا گیا ہو تو پھر تو

بات ہی ختم ہے کہ ہمارے تمام ائمہ احناف کا یہی مسلک ہے۔ جب کہ ائمہ ثلاثہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل اس کے برخلاف دوسرا مسلک رکھتے ہیں، اور پھر موصوف نے مسلک احناف کو صحیحین کی احادیث سے مدلل کہہ کر ترجیح دی۔

(۲) جمہور فقہاء کرام نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۳) علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) نے اسی کو ترجیح دی ہے اور حاشیہ علی الدر میں اس کو خوب وضاحت سے بیان کیا، جب کہ حاشیہ ابن عابدین علی الدر کو ”خاتمة التحقیقات والترجیحات“ تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ علامہ وہبۃ الزحیلی فرماتے ہیں:

تعتبر حاشیة ابن عابدین (1252ھ) علامة الشام وهی

(ردالمحتار علی الدر المختار) خاتمة التحقیقات

والترجیحات فی المذهب الحنفی ۱۲

(الفقه الاسلامی وادلتہ جلد 1، صفحہ: 75)

نیز سید عمیم الاحسان مجددی صاحب ”ادب المفتی“ نے ردالمختار کو معتبر فتاویٰ میں شمار کیا ہے۔ (ادب المفتی مع المجموعہ صفحہ 573)

(۴) اس مسلک کو فقہاء نے ”وظاہر“ یا اس کے ہم معنی الفاظ سے ذکر کیا ہے:

(راجع الی البحر الرائق جلد 2، صفحہ 18 وجمع الانہر جلد 1 صفحہ:

122 و ردالمختار جلد 1 صفحہ: 638) جب کہ اسی قسم کے الفاظ ترجیح کی علامت

ہوا کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

فی خزانة الروایات نقلًا عن جامع البضیرات شرح

مختصر القدوری اما العلامات المعلیة علی الافتاء

فقوله وعلیه الفتویٰ وبه یفتی (الی ان قال) هو الظاهر

وہو الاظہر (عمدة الرعاية صفحہ 16)

خصوصاً اختلاف کی صورت میں ظاہر پر ہی بناء کی جاتی ہے تا وقتیکہ اس کا خلاف واضح

نہ ہو جائے۔

چنانچہ قاعدہ فقہیہ ہے:-

لبناء علی الظاہر واجب مالہم یتبیین خلافہ

(اصول المسائل الاخلاقية صفحہ 65 مع المجموعۃ)

(۵) متن حنفیہ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ (کذا قال ابن نجیم فی البحر کما مر)

(۶) یہ مسلک لوگوں کے لئے اوسع اور ایسر ہے اور اس کی ترجیح قاعدہ فقہیہ کے عین مطابق

ہے المشقة تجلب التيسير (اصول المسائل الخلافية صفحہ: 122)

یاد رہے کہ اس مسلک جمہور کو اختیار کرنے والوں میں شیخ الاسلام برہان الدین علی بن

ابی بکر الفرغانی (المتوفی 593ھ) اصحاب الترجیح اور علامہ ابن نجیم الحنفی (المتوفی 970ھ)

اصحاب التمزیز میں سے ہیں، جب کہ علامہ ابن عابدین شامی (المتوفی 1252ھ) خاتم
المحققین تسلیم کیے گئے ہیں۔

الحاصل مسلک جمہور ہر لحاظ سے راجح اور مفتی بہ ہے۔

باقی موصوف مفتی صاحب نے جو بندہ کے فتویٰ سے متعلق درج ذیل کلام کی ہے کہ:

مفتی صاحب محترم نے اپنے فتویٰ کو فتاویٰ شامی کی عبارت سے مزین کیا ہے، لیکن

قابل افسوس بات یہ ہے کہ انہوں نے علامہ شامی کی نا تمام عبارت پیش کی ہے اور اس کا

تکملہ یعنی آخری حصہ نظر انداز کر دیا۔

تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ علامہ شامی کی عبارت کی تقطیع درج ذیل ہے و کفت

سترة الامام للكل متن کی عبارت ہے، و ظاہرہ سے علامہ شامی نے اس کا پہلا مطلب

بیان فرمایا جب کہ وقد يقال سے بطور جملہ معترضہ دوسرا مطلب ذکر فرمایا اور آخر میں لان

العبرة سے مطلب اول کی دلیل بیان فرمائی۔ اول مطلب راجح جب کہ ثانی مطلب

مردوع ہے۔

بندہ نے مفتی کے سوال پر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب کی عبارت کا ماخذ و ظاہرہ سے وقد يقال کی عبارت تک بتایا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت کا ماخذ یہی عبارت شامیہ ہے۔

رانج مطلب کو ذکر کرنے اور مردوع مطلب ترک کرنے پر ”افسوس کا اظہار“ ناقابل فہم ہے جب کہ مردوع پر فتویٰ ناجائز ہے (کما سیاتی) باقی موصوف مفتی صاحب نے مسئلہ کی وضاحت فرماتے ہوئے رانج مطلب ترک کر کے مردوع پر فتویٰ کیوں دیا؟ واللہ اعلم بحقیقتہ۔

نیز اگر بقول مفتی صاحب یہ مکمل ایک عبارت ہے تو مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے بندہ کا تحریر کردہ حصہ عبارت تحریر کر کے اس کا استفاد کیوں واضح نہیں کیا گیا؟ اور نامعلوم اس کو کس حکمت کی بناء پر نظر انداز کر دیا گیا؟

اس کے بعد موصوف مفتی صاحب نے بندہ کی ترک کردہ عبارت اور اس کا استفاد بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف نے فتاویٰ شامی کی جو عبارت چھوڑی ہے وہ یہ ہے:-

وقد يقال فائدته التنيه على انه كالدرك لا يطاب منه
نصب ستره قبل الدخول في الصلوة وان كان يلزم ان
يصير منفردا بلا ستره بعد سلام امامه لان العبرة لوقت
الشروع وهو وقته كان مستتراً بستره امامه تامل۔

(رد المحتار علی الدر المختار جلد 1 صفحہ 420، دار احیاء التراث العربی)

اس عبارت کا استفاد یہ ہے کہ مسبوق مقتدی صرف اس حد تک در رک کی طرح ہے کہ جماعت میں شمولیت کے وقت وہ سترہ کا اہتمام نہیں کرے گا یعنی ”دخول فی الصلوة“ سے پہلے اس سے نصب سترہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

کیونکہ اعتبار (اہتمام سترہ کے مسئلہ میں) وقت شروع کا ہے اور اس وقت وہ اپنے امام کے سترہ کے ساتھ مستتر ہے لیکن امام کے سلام پھیرنے یعنی امام کے نماز سے فراغت کے بعد وہ اب منفرد ہے اور بلا سترہ ہے۔

موصوف مفتی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر میں درج ذیل امور قابل غور ہیں:-

(۱) عبارت کا استفاد بیان فرماتے ہوئے لفظ ”وقد يقال“ کا استفاد بیان نہیں کیا گیا، جس سے اس عبارت کا ضعف واضح ہو جاتا۔

(۲) لان العبرة بالخ جو و ظاہرہ الخ کی علت تھی، اس کو وقد يقال الخ کی علت بنا دیا گیا، حالانکہ اگر لان العبرة بالخ اس مطلب ثانی کی علت بنائی جائے تو علت اور معلول میں کوئی جوڑ اور ربط نہیں بنتا۔

کیونکہ معلول کا حاصل یہ ہے کہ مسبوق مقتدی سلام امام کے بعد منفرد، بلا سترہ ہو جائے گا، جب کہ علت کا حاصل یہ ہے کہ سترہ کے مسئلہ میں وقت شروع کا اعتبار ہے، اگر شروع نماز میں مقتدی سترہ کے ساتھ مستتر تھا تو (اپنی) آخر نماز تک مستتر رہے گا اور اگر شروع نماز میں (امام کے آگے سترہ نہ ہونے کی بناء پر) مستتر نہیں تھا تو شروع نماز کی طرح (اپنی) آخر نماز تک غیر مستتر رہے گا۔

جب کہ یہاں مسبوق مقتدی کے متعلق اتنی بات پر تو اتفاق ہے کہ وہ شروع نماز میں سترہ کے ساتھ مستتر ہے (دریں صورت کہ امام کے آگے سترہ موجود ہے) تو مذکورہ اصول (الماخوذ من العلة) کے تحت مسبوق مقتدی اپنی آخر نماز تک سترہ کے ساتھ مستتر ہونا چاہیے۔

اگر سید زوار حسین شاہ صاحب کی اردو عبارت پر بھی غور کر لیا جاتا (جو شامی ہی کی عبارت سے ماخوذ ہے) تو اس سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی کہ لان العبرة بالخ کا تعلق و ظاہرہ الخ سے ہے اور یہ فنش غلطی معرض وجود میں نہ آتی۔

واضح رہے کہ ”ان العبرة لوقت الشروع“ صغریٰ ہے جب کہ ”وہو وقتہ کان

مستتراً بسترة امامه“ کبریٰ ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا، ”فیکون مستترا لسترة امامه“۔

(۳) ضعیف عبارت پر فتویٰ دیا گیا ہے کیونکہ ”قیل“ اور ”یقال“ سے ذکر کی گئی عبارت ضعیف ہوتی ہے، الا یہ کہ مصنف کی عادت یا سیاق و سباق سے اس کی تصحیح ثابت ہو (کما مر من ادب المفتی) حالانکہ یہ بلا ضرورت شدید ضعیف پر فتویٰ ناجائز ہے۔ چنانچہ ”ادب المفتی“ میں ہے۔

لا يجوز العمل والافتاء بالضعيف والمرجوح الا عن
ضرورة (ادب المفتی صفحہ 576 مع المجموعۃ)

(۴) نیز گزشتہ دلائل و ترجیحات کی بنا پر یہ مرجوح قول ہے اور مرجوح قول پر فتویٰ خلاف اجماع ہے کیونکہ مرجوح راجح کے مقابلہ میں کالعدم ہے اور متقابلات میں ترجیح بلا مرجح ممنوع ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی (م 1252ھ) نے علامہ قاسم رحمہ اللہ علیہ کا درج ذیل قول نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

عن العلامة قاسم ان الحكم والفتيا بما هو مرجوح
خلاف الاجماع وان المرجوح في مقابلة الراجع بمنزلة
العدم والترجيح بغير مرجح في المتقابلات ممنوع
(شرح عقود رسم المفتی صفحہ 41)

آگے مفتی صاحب فرماتے ہیں:

مسبق کو حسب درجہ جماعت کا اجر تو ملے گا، انشاء اللہ العزیز لیکن جب وہ اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کرتا ہے تو اس پر منفرد کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس کے بعد موصوف مفتی صاحب نے چند مثالیں پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسبوق امام کی فراغت کے بعد منفرد ہو جاتا ہے حالانکہ امام کے سلام پھیرنے

کے بعد مسبوق کے بلا طاق منفرد ہو جانے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، کیونکہ درج ذیل نظائر سے آپ کو علم ہوگا کہ مسبوق بعض احکام میں منفرد نہیں ہے۔

(۱) مسبوق اپنی بقیہ نماز میں ترتیب قرآۃ کے لحاظ سے اگرچہ منفرد ہے لیکن تشہد کے اعتبار سے منفرد نہیں ہے۔ چنانچہ اگر مسبوق نے مغرب کی فقط ایک رکعت پائی ہے تو سلام امام کے بعد کھڑے ہو کر قرآت میں علی ترتیب المنفر دہوگا، قرآت کے اعتبار سے اس کی گزشتہ رکعتیں آخری دور کعتیں تصور کی جائیں گی، لیکن ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس پر قعدہ اولیٰ واجب ہوگا، کیونکہ تشہد کے اعتبار سے یہ منفرد نہیں بلکہ اس کا تعلق امام سے باقی ہے، امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت اور اس کی پڑھی ہوئی رکعت کل دور کعتیں ہو گئیں اور دور کعتوں کے بعد قعدہ اولیٰ واجب ہوتا ہے، بخلاف منفرد کے وہ اگر ایک پڑھ کر قعدہ اولیٰ کی مقدار بیٹھ گیا تو قیام میں تاخیر کی بنا پر اس پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر مسبوق قضاء ماسبق کے لئے کھڑا ہو گیا، لیکن امام پر اس کے دخول سے قبل سجدہ سہو واجب ہو گیا تھا، تو اس صورت میں اگر امام سجدہ سہو کرے تو اس کو چاہیے کہ اپنی رکعت کو مقید بالسجدہ کرنے سے قبل لوٹ آئے اور امام کے ساتھ سجدہ سہو میں شریک ہو اور اگر اس نے اپنی رکعت کو مقید بالسجدہ کر لیا اور سجدہ سہو کے لئے نہیں لوٹ سکا تو اس کو چاہیے کہ اپنی نماز کے آخر میں سجدہ سہو کرے۔ بخلاف منفرد کے کہ اس پر کسی دوسرے کے سہو کی بناء پر سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔

(۳) مسبوق پر بالاتفاق تکبیرات تشریق واجب ہیں، بخلاف منفرد کے امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر تکبیرات تشریق واجب نہیں (ماخوذ من الہندیہ)

(۴) مسبوق کے لئے قضاء ماسبق پر افتتاح کے لئے رفع یدین مسنون نہیں، بخلاف منفرد کے اس پر ابتداء صلوٰۃ کے لئے رفع یدین مسنون ہے۔

”اسی طرح کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن میں مسبوق منفرد کے حکم میں نہیں، اگرچہ بعض احکام داخلیہ میں وہ منفرد کے حکم میں بھی ہے۔“

موصوف مفتی صاحب آگے فرماتے ہیں:

(مسبق) جب اپنی بقیہ نماز کی تکمیل کے لئے کھڑا ہوگا تو اصل ترتیب کا لحاظ کرے گا۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ وہ مسبوق قرأت میں اگرچہ اصل ترتیب کا لحاظ کرے گا، لیکن تشہد کے اعتبار سے وہ اصل ترتیب کا لحاظ نہیں کرے گا بلکہ اس کا حکم منفرد سے مختلف ہو گا۔ (کما مر)

مزید فاضل مفتی صاحب رقم طراز ہیں:

اس کی جب اپنی دو رکعت مکمل ہوں گی تو قعدہ اولیٰ بھی اس پر واجب ہوگا۔ ۱۲ یاد رہے کہ یہ حکم مسبوق کے لئے ہر حال میں نہیں، کیونکہ مثلاً اگر اس نے مغرب کی ایک رکعت پائی ہے تو سلام امام کے بعد ایک رکعت پڑھ کر مسبوق پر قعدہ اولیٰ واجب ہوگا، یہاں اس کو دو رکعت مکمل کر کے قعدہ اولیٰ کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ منفرد کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دو رکعت مکمل کر کے قعدہ اولیٰ کرے۔

آخر میں موصوف صاحب نے غیر حنفی محدثین کے تراجم ابواب کو مستدل بنایا ہے جن کا عنوان ”سترة الامام سترة لمن خلفه“ ہے۔

یہاں اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ اس ترجمہ الباب سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قبل از سلام خلف الامام مقتدیوں کے لئے امام کا سترہ کافی ہے اور اس میں تو کسی کا بھی اختلاف نہیں، اختلاف تو اس میں ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس کا سترہ مسبوق مقتدی کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اور اس مسئلہ میں محدثین خاموش ہیں۔

چنانچہ اس کی وضاحت فقہاء احناف نے انہی ابواب کی احادیث سے استنباط کر کے کی ہے کہ فراغ امام کے بعد بھی مسبوق امام کے..... سترہ کے ساتھ..... مستتر رہے گا۔ چنانچہ اس پر ”مجمع الانهر“ کی عبارت تو بالکل واضح ہے۔

(وسترة الامام مجزئة) ای كافیة (عن القوم) وان كان
مسبوقا كما هو ظاهر الاحادیث الثابتة فی الصحیحین

من الاقتصار على سترته عليه الصلاة والسلام وهو
ستره للقوم (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر جلد 1، صفحہ 122)

نیز ”شامی“ کے حوالہ سے ”فراغ امام کے بعد“ اسی سترہ کے کافی ہونے کی تصریح بھی
گزر چکی ہے، ورنہ یہ کہنا تو مشکل ہوگا کہ فقہاء احناف کا یہ مسلک ان ابواب کی احادیث
کے خلاف ہے یا یہ کہ انہوں نے ان ابواب کی احادیث سے استنباط میں غلطی کی ہے۔
آخر میں موصوف مفتی صاحب نے ایک فقہی ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ”جب حکم مشتق
پر لگے تو اس حکم کی علت ماخذ اشتقاق ہوتا ہے“ موصوف نے ترجمۃ الباب کی عبارت میں
”امام“ پر حکم لگا کر اس کے ماخذ اشتقاق ”امامت“ کو علت قرار دیتے ہوئے اپنا مدعا یوں
ثابت فرمایا:

”تو اس قاعدہ کی رو سے امام کا سترہ مقتدی کے لئے اس وقت تک سترہ ہے جب تک
وہ امامت میں ہے، جب امامت سے فارغ ہو گیا، تو اب اس کا سترہ مقتدی کے لئے سترہ
نہ رہا چہ جائیکہ وہ فارغ ہو کر گھر چلا گیا ہو“

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہاں حکم امام پر مقصود نہیں کہ ”امام کا سترہ امام کے لئے
کافی ہے“ بلکہ اس کے ”خلف“ پر حکم مقصود ہے کہ ”امام کا سترہ اس کے خلف کے لئے بھی
سترہ ہے“ اور ”خلف“ مشتق منہ ہے جب کہ مذکورہ فقہی ضابطہ کا انطباق وہاں صحیح ہوگا،
جہاں حکم مشتق پر لگے، لہذا یہاں اس فقہی ضابطہ کا انطباق درست نہیں معلوم ہوتا۔
امید ہے کہ مفتی منیب الرحمن صاحب احادیث اور اقوال فقہاء و دیگر حجج شرعیہ کی روشنی میں
اپنے فتویٰ پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

هذا ما فهمت والله سبحانه و تعالى اعلم حرره

محمد نصر الله احمد پوری

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم زکریا الخیریہ

نزد فلاح مسجد ایف۔ بی ایریا بلاک نمبر 14، کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم، اقول وبالله التوفيق

دارالعلوم زکریا کے محترم مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری نے ”سترہ“ کے مسئلہ پر ایک فتویٰ تحریر کیا تھا، جس میں انہوں نے اپنے موقف پر ”فتاویٰ شامی“ کی ایک عبارت سے استدلال کیا تھا۔ مستفتی وہ فتویٰ ہمارے پاس لائے تو ہم نے مفتی صاحب سے اختلاف کیا اور اپنے موقف کے حق میں فتاویٰ شامی کو محمولہ بالا عبارت ہی کا تکملہ پیش کیا، جیسے مفتی صاحب نے نظر انداز کر دیا تھا اور تا سید مزید کے طور پر چند دیگر فقہی شواہد کی جانب انہیں متوجہ کیا اور اپنے موقف پر نظر ثانی کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد تقریباً دو ماہ کی محنت شاقہ کے بعد مفتی صاحب نے پندرہ صفحات پر مشتمل ایک مسبوط فتویٰ تحریر فرمایا اور ہمیں اپنے موقف پر نظر ثانی کا مشورہ دیتے ہوئے اپنے موقف کی صحت پر اصرار کیا۔

ہم نے مفتی صاحب کی تحریر کا خالص معروضی انداز میں بغور مطالعہ کیا ہے اور اس پر ہماری گزارشات حسب ذیل ہیں:

(۱) ہم جب کسی دینی و فقہی مسئلے پر کسی صاحب علم کے ساتھ تحریر یا تقریراً بحث اور تبادلہ خیال کرتے ہیں تو عجب نفس، انانیت اور فتح و شکست ہمارے پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ طلب حق اور صواب و خطا کے درمیان تمیز مقصود ہوتی ہے، ہم اگر کسی شرعی مسئلے میں صواب کو پانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہی ہماری منزل ہوتی ہے۔

(۲) مفتی و فقیہ کی شان اور پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہ اصل بحث کے دائرے میں رہ کر گفتگو کرے۔ علامہ شامی کی عبارت کا استفادہ کیا ہے؟ یہی مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس کے علاوہ مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری صاحب نے جو حوالہ جات لکھے ہیں وہ سترہ سے متعلق تو ہیں، بحث سے متعلق نہیں ہیں۔ مثلاً (۱) یہ کہ امام کا سترہ، مقتدی کے لئے بھی سترہ ہوتا ہے۔ خواہ وہ مدرک ہو، لاحق ہو یا مسبوق..... یہ اصولی مسئلہ مجمع علیہ ہے اور بناءً بحث نہیں ہے۔ (۲) امام کا سترہ مقتدی کا سترہ ہوتا ہے یا امام بذات خود مقتدی کے لئے سترہ ہوتا ہے؟ یہ مسئلہ بھی بنائے بحث نہیں ہے۔ لہذا ان امور کی بابت حوالہ جات یا گفتگو جس کی زحمت مفتی صاحب

نے اٹھائی، خارج از بحث ہے۔

(۳) بحث یہ ہے کہ: ”امام اپنی نماز پڑھ کر چلا گیا اور مسبوق اپنی بقیہ نماز پوری کر رہا ہے، آیا اس وقت مسبوق کے سامنے سے بغیر سترہ کے گزرنا جائز ہے؟، کیونکہ امام کا سترہ تمام مقتدین کے لئے سترہ ہوتا ہے یا اب مسبوق کے سامنے سے بغیر سترہ کے گزرنا جائز نہیں ہے کیونکہ امام کے چلے جانے کے بعد امام کا سترہ جو مقتدین کا بھی سترہ تھا، اب باقی نہ رہا۔“ اس مسئلے میں ہمارا موقف ثانی الذکر ہے جب کہ جناب مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری کا موقف اول الذکر ہے۔ اور ان کی پیش کردہ عبارات ان کے موقف پر دلیل نہیں ہیں، لہذا ان کا ذکر بحث سے غیر متعلق ہے۔

(۴) ہمارے موقف پر دلائل حسب ذیل ہیں:

علامہ شامی فرماتے ہیں:

”و ظاهر التعمیم شمول المسبوق وبه عرح القهستانی
وظاهرة الاكتفاء بها ولو بعد فراغ امامه والا فما
فائدته؟ وقد يقال فائدته التنبیه علی انه كالمدرک لا
يطلب منه نصب سترة قبل الدخول فی الصلوة وان
كان يلزم ان يصير منفردا بلا سترة بعد سلام امامه لان
العبرة لوقت الشروع وهو وقته، كان مستترا بستره امام
فتامل (رد المختار جلد 1، صفحہ 429 مطبوعہ بیروت)

میرے اس استدلال پر مفتی محمد نصر اللہ صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ضعیف قول پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ قبل اور يقال سے ذکر کی گئی عبارت ضعیف ہوتی ہے الا یہ کہ مصنف کی عادت یا سیاق و سباق سے اس کی تصحیح ثابت ہوئے، فتویٰ صفحہ ۱۲۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ شامی کا مختار یہی ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد ہو جاتا ہے:

در مختار میں مذکور ہے: ”ولو سلم ساھیا ان بعد امامہ لزمنہ السھو“ اس عبارت پر
علامی شامی نے لکھا ہے:

”لانه منفرد فی هذه الحالة“ (ردالمختار جلد 1، صفحہ 402)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اگر مسبوق سہواً سلام پھیر
دے تو اس پر سجدہ سہواً لازم ہے، علامہ شامی اس کا سبب یہ بیان فرماتے ہیں: کیونکہ مسبوق
اس حالت میں منفرد ہے۔ اس عبارت سے علامہ شامی کا یہ نظریہ روز روشن کی طرح واضح ہو
جاتا ہے کہ ان کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کے حکم میں ہوتا ہے
اور جب وہ منفرد ہوتا ہے تو امام کا سابقہ سترہ اس کا سترہ کیسے ہوگا؟

(۵) اگر برسبیل تنزل یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس مسئلے میں دو اقوال ہیں، ایک قول کی بناء پر
امام کے نماز سے فراغت کے بعد بھی مسبوق مقتدی کے آگے سے بلا سترہ گزرنا بلا تردد جائز
ہے، جو مفتی محمد نصر اللہ صاحب کا مختار ہے، اور دوسرے قول کی بناء پر فراغت امام کے بعد
مسبوق نمازی کے سامنے سے بلا سترہ گزرنا جائز اور موجب گناہ ہے، یہ ہمارا موقف ہے،
کیونکہ نمازی کے آگے سے گزرنے کی بابت احادیث مبارکہ میں سخت وعید آئی ہے اور جب
ایک مسئلے میں دو قول ہوں، ایک کا تقاضا اباحت ہو اور دوسرے کا تحریم، تو تحریم کو ترجیح دی
جائے گی، کیونکہ یہ اصول فقہ میں مقرر ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو تحریم کو
اباحت پر ترجیح دی جائے گی، لہذا یہی قول راجح قرار پائے گا جس کے مطابق فراغت امام
کے بعد مسبوق کے سامنے سے بغیر سترہ کے گزرنا جائز نہیں ہے، احتیاط کا تقاضا بھی یہی
ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں تقابل اباحت و تحریم میں ہے نہ کہ عسرویسر میں جیسا کہ مفتی احمد
پوری صاحب نے سمجھا۔ احوط یہی ہے کہ احادیث میں مذکور وعید کا خطرہ مول نہ لیا جائے۔

(۶) امام کا سترہ مقید ہے اور مقید کا تحقق اپنی قید کے ساتھ ہوتا ہے، لہذا امام کا سترہ قوم کے
لئے سترہ اسی وقت ہوگا، جب امام موجود ہو اور نماز پڑھا رہا ہو اور جب نماز سے فارغ ہو کر
جا چکا، تو جب امام ہی نہیں تو اس کا سترہ کہاں ہوگا، کیونکہ مقید کا تحقق اپنی قید کے ساتھ ہوتا

ہے، کسی دیوار، درخت، ستون یا لکڑی کا نام تو ”سترۃ الامام“ نہیں ہے کہ اسے ”علی کل حال“ اور ”فی جمیع الاحیان“ سترۃ الامام کہا اور سمجھا جائے گا۔ بلکہ یہ تو اس کا ایک عارضی وصف ہے، اضافی صفت ہے اور کوئی بھی چیز امام کا سترہ اس وقت کہلائے گی جب امام بالفعل نماز میں ہو اور وہ چیز اس کے لئے ساتر ہو۔ اس دلیل کی بابت محترم مفتی احمد پوری صاحب نے ہم پر یہ پھبتی کسی ہے کہ ہم نے غیر حنفی محدثین کے ترجمۃ الباب سے استدلال کیا ہے، یہ بات مفتی صاحب سے بہتر کون جانتا ہے کہ ہماری درسیات تفسیر و حدیث کی اکثر کتب غیر حنفی محدثین کی ہیں اور ہمارا اصل مستدل تو حدیث رسول ہے، اور زیر بحث ”ترجمۃ الباب“ کو ہماری معلومات کے مطابق کسی حنفی محدث و فقیہ نے احناف اور دوسرے ائمہ کے درمیان مختلف فیہ قرار نہیں دیا۔

اس سلسلے میں مزید گزارش یہ ہے کہ عوام فقہی اختلافات اور فقہی دلائل کی باریکیوں سے واقف نہیں ہیں، تو مسائل کی توجیہ و ترجیح اس انداز میں کرنی چاہیے کہ عوام کے ذہنوں میں عبادت صلوة کی جلالت و عظمت جاگزیں ہو، دینی شعائر کی حرمت و عظمت ان کے دلوں میں پیدا ہو اور یہ تب ہی ہوگا کہ اس مسئلے میں احتیاط کو معمول بنایا جائے، اگر امام کی فراغت کے بعد مسبوق کے سامنے سے بلا تردد گزرنے کو رواج دیا جائے تو اس سے نماز کی بے وقعتی اور بے حرمتی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگی۔

(۷) مفتی محمد نصر اللہ احمد پوری صاحب سے اپنے زیر بحث فتویٰ میں متعدد ذلالت و اغلاط سرزد ہوئی ہیں جن میں سے بعض کو ہم غلط فاحش کہہ سکتے ہیں، ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

علامہ شامی کی مسلسل عبارت ہے:

لان العبرة لوقت الشروع وهو وقته كان مستترا بسترۃ

امامہ

”اس عبارت میں لان العبرة لوقت الشروع ایک جملہ ہے اور وهو وقته الی

آخر لہ یہ دوسرا جملہ ہے اور ”وقتہ“ کی ضمیر مسبوق کی طرف راجح ہے اور ان دونوں جملوں کا معنی اس طرح ہے: کیونکہ (اہتمام سترہ کے مسئلہ میں) اعتبار (نماز) شروع کرنے کے وقت کا ہے اور وہ (وقت شروع) مسبوق کا وہ وقت ہے جب وہ امام کے سترہ کے ساتھ مستتر تھا۔ مفتی احمد پوری صاحب نے ان دونوں جملوں کو صغریٰ اور کبریٰ بنایا ہے چونکہ ان جملوں میں حد اوسط صغریٰ میں محمول اور کبریٰ میں موضوع ہے، اس لئے شکل اول بنی۔ لیکن مفتی صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ نتیجہ دینے کی دو شرطیں ہیں (۱) ایجاب صغریٰ (۲) کلیۃ کبریٰ۔ اور اس صورت میں کبریٰ کلیۃ نہیں ہے بلکہ ضمیر کے موضوع ہونے کی وجہ سے یہ قضیہ شخصہ ہے۔ اگر مفتی صاحب ان دو جملوں کو صغریٰ اور کبریٰ قرار دے کر ان سے نتیجہ نکالنے سے پہلے منطق کی ابتدائی کتب ایسا غوجی اور مرقاۃ ہی کو پڑھ لیتے تو ان سے یہ فاحش غلطی سرزد نہ ہوتی۔

(۸) مفتی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ یا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ سترہ کے مسئلہ میں وقت شروع کا اعتبار ہے، اگر نماز کے شروع میں مقتدی سترہ کے ساتھ مستتر تھا تو اپنی نماز کے آخر تک مستتر رہے گا، ملاحظہ ہو فتویٰ صفحہ نمبر 12۔ یہاں وقتہ کی ضمیر مطلقاً مقتدی کی طرف نہیں بلکہ مسبوق کی طرف راجع ہے جیسا کہ چند سطور بعد مفتی صاحب نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے۔ لیکن مفتی صاحب سے تسامح ہوا ہے یا انہوں نے دانستہ معنوی تحریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

”تو اپنی آخر نماز تک مستتر رہے گا علامہ شامی کی زیر بحث عبارت میں آخر کا لفظ نہیں ہے، یہ لفظ مفتی صاحب نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے، اگر ہے تو دکھائیں۔“

(۹) مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ فقہاء جب یہ لکھتے ہیں کہ: ”اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے“ تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ تحقیق یا نظر دقیق اس کے خلاف ہے، جب کہ مفتی صاحب نے ظاہر کا مقابل مرجوع سمجھا۔

(۱۰) ”لان العبرة الی آخره“ کو مفتی صاحب نے اس سے متصل عبارت کی علت قرار دینے کے بجائے ابتدائی عبارت ”وظاهر التعمیم“ کی علت قرار دیا ہے، یہ ان کی فاحش غلطی ہے اس کی وضاحت یوں ہے کہ:

جب علامہ شامی نے یہ لکھا: ”در مختار کی ظاہر عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی مسبوق کے لئے امام کا سترہ برقرار رہے گا، ورنہ اسے مسبوق کے لئے سترہ قرار دینے کا کیا فائدہ؟“

پھر بتایا کہ: ”یہ کہا جائے گا کہ اس کا فائدہ اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ مسبوق مدرک کی طرح ہے اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے اس سے سترہ نصب کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، اگرچہ یہ لازم ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ بغیر سترہ کے رہ جائے۔“

پھر بتایا کہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے اس سے سترہ نصب کرنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جائے گا؟ تو اس کی دلیل یہ دی کہ: ”اعتبار شروع وقت کا ہے اور اس وقت مسبوق امام کے سترہ سے مستتر تھا۔“

امید ہے کہ ہماری اس تشریح سے حضرت مفتی صاحب پر بخوبی یہ امر عیاں ہو جائے گا کہ: ”لان العبرة الخ“، ”قد یقال الخ“ کی علت ہے، نہ کہ ”وظاهر التعمیم“ کی، جیسا کہ انہوں نے سمجھا اور متبادر بھی یہی ہے کہ وہ قریب کے جملے کی علت ہونہ کہ بعید کی۔

(۱۱) مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ کے صفحہ نمبر 13 پر لکھا ہے:

”مسبوق اپنی بقیہ نماز میں ترتیب قرأت کے لحاظ سے اگرچہ منفرد ہے، لیکن تشہد کے لحاظ سے منفرد نہیں ہے، چنانچہ اگر مسبوق نے مغرب کی ایک رکعت پائی ہے تو سلام امام کے بعد کھڑے ہو کر قرأت میں علی ترتیب المنفر دہوگا، قرأت کے اعتبار سے اس کی گزشتہ رکعتیں آخری دور رکعتیں تصور کی جائیں گی، لیکن ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس پر قعدہ اولیٰ واجب ہوگا، کیونکہ تشہد کے اعتبار سے یہ منفرد نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق امام سے باقی ہے۔“

یہ انہوں نے نزالی منطق پیش کی ہے اور عجیب دلیل وضع کی ہے، کیونکہ ہمارا موقف

یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مسبوق منفرد کی طرح ہو جاتا ہے، اس کا یہ مطلب تو ہم نے بیان نہیں کیا کہ اس کا پچھلی پڑھی ہوئی نماز سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ مفتی صاحب نے جو چند تفریعات اس ضمن میں درج کی ہیں، وہ سعی لا حاصل ہے اور ان کی اس غلط فہمی پر مبنی ہیں۔

(۱۲) مفتی صاحب کے فتویٰ میں املا کی جو اغلاط ہیں ہم ان کی نشاندہی ضروری نہیں سمجھتے، انہیں خود ہی اپنی تحریر بغور پڑھ لینی چاہیے۔

آخر میں ہم ایک بار پھر گزارش کرتے ہیں کہ مفتی صاحب کا سارا زور اس بات پر ہے کہ ہم نے ”قد یقال“ پر مشتمل قول ضعیف سے استدلال کیا ہے، ہمارا ان سے مطالبہ ہے کہ وہ کسی معتبر و مستند فقیہ کا صریح قول نقل فرمائیں کہ امام سلام پھیر کر اور نماز سے فارغ ہو کر چلا گیا، پھر بھی اس کا سترہ مسبوق کے لئے سترہ رہے گا اور لوگ اس کے سامنے سے گزرنے پر گناہگار نہیں ہوں گے، لہذا جو چاہے بلا تردد گزرتا رہے۔ فتاویٰ شامی کی عبارت تو ہمارے درمیان مفہوم کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے اور اصل بحث ہے۔ اور یہ مسئلہ نادر الوقوع تو نہیں ہے کہ ہمارے اجلہ فقہاء کرام کو یہ صورت مسئلہ درپیش نہ آئی ہو لہذا تصریح نہ ملنے کا یہ سبب ہے۔ یہ مسئلہ تو ہر مسجد میں دن میں پانچ بار پیش آتا ہے۔

فقط هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلیہ اتم واکمل

مفتی منیب الرحمن مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

بلاک 15، فیڈرل بی ایریا، کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مولانا المکرم الفاضل المحترم حضرت مولانا مفتی منیب الرحمن صاحب زید مجدہم

بعد سلام مسنون! خیر و عافیت مزاج گرامی

آپ کے حسب امر میں نے آپ کا جواب استفتاء اور جواب الجواب اور مفتی نصر اللہ

احمد پوری کی ہر دو تحریر اول سے آخر تک پڑھیں۔ بجزہ تعالیٰ آپ کا موقف حق و صواب

موافق عبارات فقہیہ و حدیثیہ ہے۔ مخالف نے پردہ عناد سے اپنی غلط کہی ہوئی بات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے مرتبط جملوں کو کھینچ تان کر بے ربط جملوں سے جوڑنے کی سعی لا حاصل کی ہے۔

ماشاء اللہ آپ نے حق واضح فرما دیا ہے اس قدر کافی ہے مخالف شاید اس کے جواب میں مزید لکھے مگر مجھے آپ سے توقع ہے کہ آپ اپنے قیمتی اوقات اس سے زیادہ اہم امور میں صرف فرمائیں گے۔
والسلام آپ کا مخلص

محمد ابراہیم القادری غفرلہ

خادم جامعہ غوثیہ رضویہ باغ حیات علی شاہ، سکھر

نمازی کے آگے کا فاصلہ

سوال: نمازی کے آگے کتنی لمبائی اور چوڑائی والی چیز ہونی چاہیے کہ اس سے آگے گزرنے والا گنہگار نہ ہو؟
(عبدالغفور ملیہر تومسیعی کالونی، کھوکھرا پار، کراچی)

جواب: حالت نماز میں نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے بارے میں حدیث شریف میں بڑی وعید آئی ہے، یہ شدید گناہ ہے۔ نمازی کے آگے کسی ایسی چیز کا ہونا جو اس کے لئے آڑ اور اوٹ بن جائے اور جس کے بعد نمازی کے سامنے یا آگے گزرنے والا گنہگار نہ ہو، اسے فقہی اصطلاح میں ”سترہ“ کہتے ہیں۔ اس کی مقدار یہ ہے کہ لمبائی ایک سے تین ہاتھ کے برابر ہو اور موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر۔ نمازی کو چاہیے کہ سترہ اپنے مقام سجدہ کے آگے نصب کر دے، اگر زمین سخت ہو اور لگانا دشوار ہو تو رکھ دے، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ سترے کے لئے اگر کچھ بھی دستیاب نہ ہو تو نمازی اپنے آگے خط کھینچ دے یا محراب کی ہیئت بنالے، یہ گویا محض علامتی سترہ ہوگا۔ اگر کسی کھلے میدان میں باجماعت نماز ہو رہی ہے تو صرف امام کے آگے سترہ کافی ہے، سب مقتدیوں کے لئے ضروری نہیں، چھوٹی مسجد میں نمازی کے آگے دیوار محراب تک کسی کو نہیں گزرنا چاہیے۔ بڑی مسجد میں نماز کے مقام سجدہ سے دو یا تین صفوں کا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتے ہیں۔

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا

سوال: بعض نوجوان اور تندرست لوگ بھی نفل نماز بیٹھ کر پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ جب کہ نماز میں قیام فرض ہے؟۔

جواب: نوافل میں قیام فرض نہیں ہے، البتہ کھڑے ہو کر نفل پڑھنا افضل ہے اور بیٹھ کر نفل پڑھنے کے مقابلے میں اس کا ثواب دوگنا ہے تاہم نوافل بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز ہیں، بس ثواب میں کمی ہوگی، یعنی قیام کے بہ نسبت نصف ثواب ملے گا۔ بعض لوگ قدرت و استطاعت کے باوجود بیٹھ کر نوافل پڑھتے ہیں، خاص طور پر عشاء کے بعد کے دو نوافل اور دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے بیٹھ کر نوافل پڑھے تھے۔ یہ استدلال غلط ہے، حضور ﷺ کا بیٹھ کر نفل پڑھنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے اور آپ کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی تھی۔

فوجی ٹوپی اور ہیٹ پہن کر نماز پڑھنا

سوال: کیا فوجی ٹوپی، ہیٹ اور کرکٹ کیپ وغیرہ میں نماز ہو جاتی ہے؟ یاد رہے یہ تمام چیزیں یہودیوں اور عیسائیوں کی پیداوار ہیں؟۔ (انور حسین، کیمائری، کراچی)

جواب: بہت سی ایسی اشیاء ہم روزمرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں جو اہل مغرب کی ایجاد ہیں۔ جن امور سے ”تشبہ بالکفار“ (کفار، غیر مسلموں یا بد مذہبوں سے مشابہت) لازم آتی ہے اور جو مکروہ تحریمی کے درجے میں ہیں وہ ایسے امور ہیں جو کسی مذہب کا شعار یا امتیازی علامت ہوں، جسے دیکھ کر عام آدمی کا ذہن اس طرف منتقل ہو جائے، جیسے سینے پر صلیب کا نشان لڑکانا عیسائیوں کا شعار ہے، زنار ہندوؤں کی مذہبی شناخت ہے وغیرہ۔ فوجی ٹوپی یا ہیٹ یا کرکٹ ہیٹ یہ چیزیں کسی کا مذہبی شعار نہیں ہیں۔ لہذا فوجی ٹوپی یا کرکٹ کے سامنے کے چھجے کو پیچھے موڑ کر نماز پڑھ لی جائے یا ہیٹ کے ارد گرد کا چھجے ایسے موڑا جاسکتا ہو کہ سجدے کے وقت پیشانی کے زمین پر جسنے میں خارج نہ ہو تو نماز ہو جائے گی۔ یہ امر ذہن میں رہے کہ یہاں لباس مسنون یا افضلیت و استحباب

کی بات نہیں ہو رہی بلکہ محض یہ چیزیں پہن کر نماز کے جواز یا عدم جواز کی بات ہو رہی ہے۔
باقی لباس مسنون کیا ہے یا مستحب کیا ہے؟ نماز کے آداب اور وقار کا شرعی تقاضا کیا ہے؟ یہ
مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں ہے، آخر لوگ پینٹ پہن کر بھی نماز پڑھتے ہیں۔ ہاں افضل یہی
ہے کہ مسنون لباس خارج نماز بھی پہنا جائے اور اس کو پہن کر نماز پڑھی جائے۔

نماز میں ٹوپی پہننے کا حکم

سوال: نماز میں ٹوپی پہننے کا شرعی حکم کا ہے؟ کیا ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے؟ عموماً دیکھنے
میں آیا ہے کہ بعض لوگ نماز کے وقت سر پر چھوٹا سا رومال باندھ لیتے ہیں یا مسجد میں
باریک جالی دار ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں وہ پہن لیتے ہیں اور نماز کے بعد اتار دیتے ہیں۔ ان
سب کا حکم کیا ہے؟

(سید ذاکر شاہ، بلد یہ ٹاؤن، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ خُذْ وَا زِيْنَتَكَ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ (اعراف: 31)

”اے اولاد آدم! ہر نماز کے وقت اپنا
لباس زیب تن کر لیا کرو۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ نے لباس کے لئے زینت کا لفظ استعمال فرما کر
اپنے عبادت گزار بندوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ نماز کے وقت ان کا لباس اپنی استطاعت کے
مطابق عمدہ اور صاف ستھرا ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت بندہ اللہ کے دربار میں اس کے حضور
کھڑے ہو کر نذرانہ بندگی بجالاتا ہے اور اپنی التجائیں پیش کرتا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ
عنه کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ نماز کے وقت اپنا سب سے بہتر لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے
کہ اللہ تعالیٰ جمال کو پسند فرماتا ہے، اس لئے میں اپنے رب کی رضا کے لئے زیب و زینت
اختیار کرتا ہوں اور پھر مندرجہ بالا آیت کی تلاوت فرماتے، اس کی روشنی میں ہمارے فقہاء
کرام نے جو مسائل بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) نماز میں صرف بقدر واجب و ستر پوشی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی وسعت کے
مطابق صاف، عمدہ اور مکمل لباس پہننا چاہیے۔

(۲) بعض مخصوص شعبوں یا محنت و مشقت سے وابستہ لوگوں کو کام کاج کے لئے الگ لباس پہننا پڑتا ہے، اس پر داغ دھبے بھی لگ جاتے ہیں اور دیکھنے میں باوقار نہیں لگتا ہے، وہ لباس اگر پاک ہے اور مکمل ستر پوش ہے تو اس سے نماز تو ادا ہو جائے گی لیکن افضل یہ ہے کہ نماز کے وقت صاف ستھرا اور باوقار لباس پہن لیا کریں۔

(۳) ننگے سر نماز پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے لیکن افضل یہ ہے کہ عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھی جائے۔

(۴) نماز کے وقت سر پر چھوٹا سا رومال باندھ لینا یا جالی کی ٹوپی پہن لینا اور پھر اسے اتار پھینکنا، ایسی ہر وضع جسے اختیار کر کے بندہ کسی معزز آدمی کے سامنے یا کسی باوقار محفل میں نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور نماز کے وقار کے منافی ہے۔

(۵) کم از کم اتنا تو ضرور کریں کہ کپڑے کی صاف ستھری عمدہ ٹوپی اپنے پاس رکھیں اور نماز و تلاوت وغیرہ کے وقت پہن لیا کریں۔

سلام کے الفاظ

سوال: ہماری مسجد میں امام صاحب نماز باجماعت میں سلام پھیرتے وقت ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کے بجائے سلام علیکم رحمۃ اللہ“ کہتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

(حکیم محمود علی بیگ پی سی ایچ ایس، کراچی)

جواب: نماز کے اختتام پر ”السلام“ کہنا واجب ہے اور ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہنا سنت ہے اگر کسی نے صرف السلام یا سلام علیکم یا علیکم السلام کہا تب بھی نماز ہو جائے گی لیکن اس سے ترک سنت لازم آئے گا جو اجر و ثواب میں کمی کا سبب ہے، اس لئے افضل یہ ہے کہ سنت کے مطابق ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہے ممکن ہے امام صاحب یہی مسنون کلمات کہتے ہوں آپ کے سننے میں فرق ہو بہتر یہ ہے کہ انہیں علیحدگی میں توجہ دلا دیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار جلد اول صفحہ 230 پر درج ہے۔

قضا نمازوں کا حکم

سوال: قضا نمازیں کس طرح ادا کی جائیں؟ کیا ہر فرض نماز کے ساتھ دو نفل پڑھ سکتے ہیں؟۔
(محمد عامر شیخ، لطیف آباد، حیدرآباد)

جواب: کوئی بھی مسلمان (مرد یا عورت) جس دن سے بلوغت کی عمر کو پہنچا ہے اس دن سے روانہ پانچ وقت کی نماز اس کے مقررہ شرعی وقت کے اندر اس پر فرض ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادا کرتا رہا ہے تو الحمد للہ، اسے اس سعادت پر اپنے رب کریم کا شکر یہ ادا کرنا چاہیے اور اگر کوئی نماز اپنے مقررہ وقت کے اندر نہیں پڑھی جاسکی تو اسے ”قضاء“ کہتے ہیں اور ایسی قضا نمازوں کا حساب رکھنا اور ان کا بطور قضاء پڑھنا فرض ہے۔ اگر ایسی قضاء نمازیں بد قسمتی سے اتنی زیادہ ہو جائیں کہ ان کو باقاعدہ وقت کے تعین کے ساتھ ساتھ دن اور تاریخ کے بھی تعین کے ساتھ پڑھنا مشکل ہو گیا ہے یعنی نمازوں کی تعداد، اوقات، ایام اور تواریخ کا حساب رکھنا دشوار ہو گیا ہے تو اسے عرف عام میں ”قضائے عمری“ کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان تین اوقات (طلوع، زوال، غروب) کے علاوہ جو مکروہ تحریمی ہیں، جب بھی فرصت ملے قضا نمازیں پڑھتے رہیں اور ہر وقت کی نماز کے ساتھ یعنی وقتی نماز سے پہلے یا بعد میں کم از کم اس وقت کی ایک قضا بھی پڑھ لیں اور نیت اس طرح کریں کہ مثلاً فجر یا ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء اور وتر کی پہلی یا آخری نماز جو میرے ذمے باقی ہے، اسے بطور قضا ادا کرتا ہوں، اس طرح اگر بالفرض ہماری پڑھی ہوئی قضا نمازیں، اس تعداد سے زیادہ ہو گئیں جو ہمارے ذمے باقی ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نفل شمار ہوں گی اور انشاء اللہ ان کا بھی اجر ملے گا۔ ہر فرض نماز کے ساتھ دو یا زیادہ نفل پڑھنا بہت اچھی بات ہے لیکن نفل فرضوں کا بدل نہیں ہو سکتے البتہ فرضوں کے اندر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس کی تلافی کا سبب بن سکتے ہیں۔

بہت سی قضا نمازوں کو تخفیف کے ساتھ پڑھنے کا مسئلہ

سوال: جس شخص کے ذمہ کئی سال کی مثلاً پانچ دس سال کی نمازیں قضا ہوں، وہ پڑھنا

چاہے تو بعض علماء نے جو قضاء عمری کی نمازوں میں تخفیف کا مسئلہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی تخفیف ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار (سبحان ربی العظیم) ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں ”الحمد شریف“ کی جگہ فقط ”سبحان اللہ“ تین بار کہہ کر رکوع کر لے، تیسری تخفیف یہ کہ پچھلی التحیات کے بعد مکمل درود ابراہیمی اور دعا کی جگہ صرف ”اللہم صل علی محمد والہ“ کہہ کر سلام پھیر دے، چوتھی تخفیف یہ کہ وتروں کی تیسری رکعت میں دعا قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار ”رب اغفر لی“ کہے۔ لیکن جن کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے وہاں کسی فقہ کی کتاب کا حوالہ نہیں ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ بتائیں یہ کون سی حدیث یا فقہ سے ثابت ہے؟ (احمد بخش سکندری، جامع مسجد قبا، لیاقت آباد، کراچی)

جواب: صاحب درمختار علامہ علاؤ الدین ہسکفی نے واجبات صلوٰۃ کا بیان کرتے ہوئے ان میں ”تعدیل ارکان“ کو بھی شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ رکوع و سجود میں ایک تسبیح سکون کے ساتھ ٹھہرے رہنا واجب ہے، اس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ رکوع و سجود میں تسبیحات کا پڑھنا، تعداد سے قطع نظر، واجبات صلوٰۃ میں سے نہیں ہے، (رد المحتار علی الدر المختار جلد 2، صفحہ 139 المطبوعہ دار احیاء التراث العربی) اسی کتاب کے صفحہ 152 پر علامہ ابن عابدین شامی نے رکوع و سجود میں تین بار تسبیح پڑھنے کو نماز کی سنتوں میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر رکوع و سجود میں تسبیح مطلقانہ پڑھی یا تین سے کم پڑھیں تو کراہت تنزیہی لازم آئے گی، اسی کتاب کے صفحہ 175 پر مزید لکھا ہے کہ اگرچہ قواعد مذہب کی رو سے رکوع و سجود میں تین تسبیح پڑھنا واجب ہونا چاہیے لیکن روایت سے ان کا سنت ہونا ہی ثابت ہے اور تین سے زیادہ طاق مرتبہ پڑھنا مستحب ہے۔ لہذا اگر قضاء نمازوں کی کثرت کی بناء پر تخفیف کر کے رکوع و سجدے میں صرف ایک بار تسبیح پڑھ لی تو نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے گی صرف کراہت تنزیہی لازم آئے گی، لیکن اسے عام معمول نہیں بنانا چاہیے۔ فرض کی پچھلی دو رکعات میں قرأت فرض یا واجب نہیں ہے، لہذا نمازی اگر کچھ بھی نہ پڑھے اور ایک تسبیح کی مقدار سکوت کر کے

کھڑا ہے یا محض ایک بار ”سبحان اللہ“ پڑھے تو نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے گی، اور اگر قضاء شدہ نمازیں کثیر ہوں تو فریضہ شرعی سے سبکدوش ہونے کے لئے فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قضا پڑھتے ہوئے تخفیف کر سکتا ہے، یا کبھی نیند کا غلبہ ہو یا بھوک و پیاس کا غلبہ ہو یا کوئی ضرورت شدیدہ لاحق ہو یا بچہ چلا رہا ہوں اور ماں نماز پڑھتے ہوئے بے چین ہو جائے یا کوئی مدد کے لئے پکار رہا ہو تو ادا نماز میں بھی تخفیف کر سکتا ہے، لیکن اسے معمول نہیں بنانا چاہیے کیونکہ افضل تو قرأت ہی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر دوام فرمایا ہے (ہدایہ اولین صفحہ 148 مطبع شرکت علمیہ) علامہ علاؤ الدین ہسکفی نے الدر المختار میں لکھا ہے کہ نماز وتر میں جو دعائے قنوت واجب ہے اس سے کوئی معین دعا مراد نہیں ہے بلکہ مطلق دعا مراد ہے اس کے تحت علامہ شامی نے لکھا ہے کہ کسی بھی دعاء کے پڑھنے سے واجب ادا ہو جائے گا۔ البتہ مخصوص دعا ”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ“ کا پڑھنا سنت ہے۔ آگے چل کر علامہ شامی نے لکھا ہے کہ جو مسنون دعائے قنوت کو صحیح طور پر نہ پڑھ سکتا ہو تو وہ ”رَبَّنَا إِنَّا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ“ والی دعا پڑھ لے، اور ابواللیث سمرقندی کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے کہ ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ تین بار پڑھ لے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ”يَا رَبِّ“ تین بار پڑھ لے۔ (فتاویٰ شامی طبع جدید صفحہ 143، 385، جلد 2) لہذا اگر کسی کے ذمے قضا نمازیں کثیر تعداد میں ہوں تو وہ اس تخفیف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کسی ضرورت شدیدہ کے موقع پر ادا نماز پڑھتے وقت بھی تخفیف کر سکتا ہے لیکن اسے عادت اور معمول نہ بنائے۔ افضل دعائے مسنون ہی کا پڑھنا ہے اور اسی میں کامل اجر ہے۔

قضا نمازیں ادا کرنا

سوال: ایک آدمی سے بہت سی نمازیں قضا ہو گئیں مگر اسے تعداد معلوم نہیں۔ اگر وہ ہر وقت کی نماز کے ساتھ ایک نماز قضا ادا کرے تو فجر اور عصر میں کس طرح ادا کرے گا کیونکہ وہ مکروہ وقت ہوتا ہے؟ (محمد مختار احمد، ڈیرہ غازی خان)

جواب: علماء نے فرمایا ہے کہ ایسی صورتحال میں جب بھی اسے توفیق ہو اور موقع ملے،

قضا نمازیں پڑھتا رہے، فرض کی قضا فرض ہے اور وتر کی نماز چونکہ واجب ہے، اس لئے اس کی قضا بھی واجب ہے، سنتوں کی قضا نہیں ہے۔ ایک ترتیب سے پڑھتا چلا جائے یعنی فجر کے دو فرض، ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، مغرب کے تین فرض، عشا کے چار فرض اور تین وتر۔ ذہن میں یہ نیت کرے کہ وہ پہلی نماز فجر یا ظہر یا عصر یا مغرب یا عشاء یا وتر جو میرے ذمے باقی ہے ادا کر رہا ہوں، جو ادا کرتا چلا جائے گا وہ منہا ہو جائے گی اور اس کے بعد والی پہلی ہو جائے گی۔ اذان فجر یعنی صبح صادق سے فرائض فجر تک، اس کے بعد سے طلوع آفتاب تک اور فرائض عصر کے بعد ان تین اوقات میں نوافل پڑھنے منع ہیں لیکن قضا نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت بھی کر سکتے ہیں۔ صرف تین اوقات جو مکروہ تحریمی ہیں ان میں قضا نمازیں نہیں پڑھنی چاہئیں یعنی طلوع آفتاب (آفتاب کی پہلی کرن نمودار ہونے سے بیس منٹ تک) غروب آفتاب (یعنی غروب آفتاب سے پہلے کے بیس منٹ) اور ضحوة کبریٰ (زوال سے پہلے کا وقت)۔

قضا عمری سے کیا مراد ہے؟

سوال: ایک مولانا صاحب نے ایک اخبار میں اس سوال کے جواب میں کہ قضا عمری کیسے ادا کی جائے؟ فرمایا کہ قضا عمری کچھ نہیں ہے۔ بس توبہ و استغفار کریں، اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے، اس جواب سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ قضا شدہ نمازوں کی قضا لازم نہیں ہے بس توبہ کر لینا کافی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی کی ایک یا کئی نمازیں قضا ہو گئی ہوں تو کیا محض توبہ و استغفار سے ان کی تلافی اور بارگاہ الہی سے معافی ہو جائے گی یا قضا پڑھے بغیر انسان بری الذمہ نہیں ہو سکتا؟۔ (عزیز الحسن برنی، محمد فرحان، دستگیر کالونی)

جواب: نماز ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض قطعی اور فرض عین ہے حتیٰ کہ اگر کھڑے ہو کر پڑھنے پر قدرت نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھنے پر بھی قادر نہیں ہے تو لیٹے لیٹے اشارے سے رکوع و سجود کرے، الغرض جب تک ہوش و حواس قائم ہیں، نماز کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ ایک نماز بھی بلا عذر اپنے وقت کے اندر نہ پڑھنا، غفلت سے چھوڑ دینا گناہ کبیرہ

ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق کہلاتا ہے۔ ہاں کبھی بھولے سے وقت نکل جائے یا انسان بے اختیار سویا رہ جائے، یعنی یہ عادت و معمول نہ ہو، تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”جس کی نماز سوتے میں رہ جائے یا بھولے سے رہ جائے تو جیسے ہی اسے یاد آئے (یا بیدار ہو) فوراً پڑھ لے (بشرطیکہ وہ تین اوقات نہ ہوں جن میں ہر قسم کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے)۔“ نماز اپنے وقت کے اندر نہ پڑھی ہو، کوئی عذر بھی نہ ہو اور فوت ہو جائے تو اس کی قضا لازم ہے، قضا پڑھنے کے باوجود، بلا عذر وقت کے اندر پڑھنے کا جو گناہ ہے اس پر رب تبارک و تعالیٰ سے توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ رب کا مطالبہ ادائے کامل (وقت کے اندر پڑھنے) کا تھا، بندے نے اپنی کوتاہی کی بناء پر ادائے ناقص کی (یعنی وقت مقررہ گزرنے کے بعد پڑھی) لہذا قضا پڑھنے کے باوجود اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تو اس کا کرم ہے اور وہ رد فرمادے تو یہ اس کا حق ہے۔ بندے پر لازم ہے کہ قضا بھی پڑھے، اپنی تقصیر کی معافی بھی مانگتا رہے اور اس کی رحمت سے قبولیت کی آس بھی لگائے رکھے۔ بالغ ہونے کے بعد سے جتنی بھی نمازیں فوت ہوئی ہیں۔ ایک ایک کر کے ان سب فرائض کی قضا (مع وتر عشاء) لازم ہے اور قضا پڑھنے میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ کسی کے علم میں نہیں کہ زندگی کے کتنے ماہ و سال اور کتنی سانس باقی ہیں اور کیا خبر زندگی کا چراغ کب گل ہو جائے۔ اگر بد قسمتی سے فوت شدہ نمازیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا حساب ہی نہیں ہے اور ان سب کو اکٹھا پڑھنا دشوار ہو تو یہ معمول بنالے کہ ہر نماز کے ساتھ ایک ایک دن کی نمازیں یا کم از کم ایک وقت کی نماز بطور قضا پڑھے۔ قضا پڑھنے کے لئے سنتیں چھوڑنی پڑیں تو چھوڑ دے۔ فتوح الغیب میں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے ”جو شخص فرض چھوڑ کر نفل و سنت میں مشغول ہوگا تو یہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیے جائیں گے اور وہ رسوا ہوگا۔“ (فتاویٰ رضویہ طبع جدید) اسی مقام پر عوارف المعارف کے حوالے سے شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ قول درج ہے ”ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جب تک فرض ادا نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کوئی نفل بھی قبول نہیں فرماتا۔ (ایسے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ ”تمہاری مثال اس بندہ سوء کی سی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفے بانٹتا پھرے۔“ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”ہمیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، بحوالہ الجامع الکبیر) رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں غزوہ خندق کے موقع پر دشمن کے خوف اور یلغار کے خطرے کے پیش نظر ایک دن مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ سنن ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر ایک دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو اس حد تک جنگ میں مشغول رکھا کہ آپ کی چار نمازیں فوت ہو گئیں۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا جتنا بھی اللہ نے چاہا پھر آپ نے بلال کو حکم فرمایا، انہوں نے اذان و اقامت کہی اور آپ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے اقامت کہی اور آپ نے عصر کی نماز پڑھی، (یعنی رسول اللہ ﷺ نے باجماعت قضا نمازیں پڑھیں) اسی سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ جو صاحب ترتیب ہو یعنی جس کی مسلسل چھ نمازیں قضا نہ ہوئی ہوں اور کسی سبب سے اس کی ایک دو نمازیں قضا ہو جائیں تو وہ پہلے اپنی فوت شدہ نماز پڑھے اور پھر اس وقت کی نماز پڑھے۔ بشرطیکہ وقت کی گنجائش ہو، جیسے کہ حضور ﷺ نے پہلے ظہر، عصر اور مغرب کی فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھی اور پھر عشاء کی نماز پڑھی جس کا وقت ابھی باقی تھا۔ تاہم اگر کسی کے ذہن میں قضا عمری کا تصور یہ ہے کہ کسی خاص دن یا خاص موقع و مقام پر ایک ایک یا چند نمازیں قضا پڑھ لے گا تو اس سے زندگی بھر کی ساری فوت شدہ نمازوں کی تلافی ہو جائے گی، تو یہ تصور بالکل فاسد اور باطل ہے، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، اور یہ تصور بھی باطل ہے کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا پڑھے بغیر محض توبہ و استغفار سے معافی ہو جائے گی۔ یہ اسلام کے تصور و توبہ کی بالکل باطل تشریح اور لوگوں کو گناہ پر قائم رہنے کا حوصلہ دلانا ہے۔ توبہ کی تو لازمی شرط یہ ہے کہ انسان شریعت کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کے مطابق اپنے گناہ کی تلافی کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کوتاہی و غفلت پر اللہ تعالیٰ سے معافی

بھی مانگے۔

سوال: میری عمر 75 سال کے لگ بھگ ہے، 22 سال سے متواتر نماز پڑھ رہی ہوں، اندازاً چالیس سال کی نمازیں میرے ذمے باقی ہیں، مختلف امراض لاحق ہیں، قضا نمازوں اور روزوں کا فدیہ اپنی نادار اولاد کو دے سکتی ہوں؟ (عزیزہ، کراچی)

جواب: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کیجئے کہ اس نے آخرت کی جو ابدی اور عذابِ آخرت کا خوف آپ کے دل میں پیدا کیا۔ اب آپ گزشتہ گناہوں کی تلافی کرنا چاہتی ہیں، یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا ضمیر ابھی زندہ ہے اور ایمان کی حرارت باقی ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور صدق دل سے توبہ کریں، اس کے بعد حسب توفیق پانچ وقت کے فرائض اور وتر کی قضا پڑھیں۔ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتیں تو بیٹھ کر پڑھیں، رکوع و سجود کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے تو اشارے سے پڑھیں۔ اگر بیٹھ کر اشارے سے پڑھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو لیٹ کر اشارے سے پڑھیں۔ جب نماز اشارے سے پڑھی جائے تو حسب استطاعت سجدے کے لئے رکوع کے بہ نسبت زیادہ جھکیں۔ اور اگر لیٹ کر اشارے سے پڑھنے کی بھی قدرت نہ ہو تو پھر عذر کی بناء پر نماز چھوڑ دے اور صحت یاب ہونے پر قضاء کرے۔ زندگی میں قضا نمازوں کی تلافی فدیے سے نہیں ہو سکتی، پڑھنی لازمی ہیں۔ البتہ انتہائی ضعیف العمر شخص یا دائمی مریض یا انتہائی کمزور جو روزے رکھنے کی جسمانی طاقت نہیں رکھتا، وہ فدیہ دے، ایک روزے کا فدیہ دو کلو گرام 150 گرام گندم کا آٹا یا اس کی قیمت ہے۔ نماز کے فدیے کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا۔ تاہم فقہاء نے روزے پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ مرض و وفات میں وفات سے پہلے بقائے ہوش و حواس، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اس کے ذمے نمازیں باقی ہیں تو فدیہ نماز کی وصیت کرے، اس کے ورثاء اس کے تر کے سے فدیہ ادا کریں، اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور تر کے کی ایک تہائی سے فدیہ پورا نہیں ہوتا تو باقی وارثوں کی مرضی پر ہے۔ ایک دن کی پانچ نمازوں (فرائض) اور وتر کو ملا کر چھ روزوں کے فدیے کے

برابر دینا ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی شان کریمی سے نمازوں کے بدل کے طور پر قبول فرما لے تو اس کا کرم ہوگا، ورنہ مالی صدقے کا اجر ضرور ملے گا، انشاء اللہ۔ نماز، روزے کا ثدیہ، کفارہ صوم، کفارہ قسم، زکوٰۃ اور نذر کی رقوم اپنے باپ، دادا، ماں، دادی، نانی، نانا (یعنی اصول) اور بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسی، نواسا (یعنی فروع) کو دینے سے ادا نہیں ہوگی۔

سوال: پچھلے دنوں میں نے آپ کا جواب پڑھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ قضائے عمری پڑھنے کے لئے اگر سنت بھی چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دینا چاہیے۔ کیا سنت مؤکدہ بھی چھوڑ سکتے ہیں؟ اگر ایک شخص کو دس سال کی نماز پڑھنی ہے تو کیا وہ دس سال تک سنت نہیں پڑھے گا؟

جواب: جی ہاں! جب آپ گزشتہ قضا نمازیں پڑھ رہے ہوں تو سنت مؤکدہ بھی چھوڑ سکتے ہیں، (نوٹ: اس جواب پر اشکال اور اس کا تفصیلی جواب جلد ثانی میں آ رہا ہے)۔

سوال: نماز قضائے عمری پڑھنے کا کوئی خاص طریقہ ہے یا عام نماز کی طرح پڑھی جائے گی یعنی جو سورتیں عام نماز میں پڑھی جاتی ہیں ویسے ہی پڑھی جائیں گی؟

جواب: قضا نماز عام نمازوں کی طرح ہی پڑھی جائے گی اگر بہت زیادہ ہوں تو قرأت اور تسبیحات میں تخفیف کر سکتے ہیں۔

سوال: کیا فجر اور عصر کی نماز سے پہلے نفل اور قضا عمری نماز پڑھ سکتے ہیں۔

جواب: صبح صادق کے بعد اور فجر کی فرض نماز سے پہلے نفل نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ فجر کی دو سنتیں اور قضا نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور عصر سے پہلے نفل اور قضا دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: کیا وتر کی بھی قضائے عمری پڑھی جائے گی؟

جواب: چونکہ وتر کی نماز واجب ہے اس لئے اس کی قضا پڑھنا بھی واجب ہے۔

سوال: فجر کی نماز قصر اور قضا عمری میں دو رکعت فرض سے پہلے دو سنت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

(عبد اسمع خان، کراچی)

جواب: حالت سفر میں فجر کی سنتیں پڑھ لینا افضل ہے کیونکہ فجر کی سنتیں زیادہ مؤکدہ

ہیں۔ فجر کی گزشتہ نمازیں پڑھی جا رہی ہوں تو سنتیں پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

سوال: میں فجر اور عصر کی نمازیں نمازوں کے اوقات میں پڑھنے سے پہلے قضاء عمری نمازیں پڑھتا ہوں کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: اگر آپ کے ذمے قضا نمازیں باقی ہیں تو یہ طریقہ صحیح ہے بلکہ اگر فجر اور عصر کے وقت نماز ادا کرنے کے بعد وقت میں گنجائش ہے تو اس میں بھی قضا نماز پڑھ سکتے ہیں۔

سوال: چار سنت اور چار فرض پڑھتے وقت اگر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر التحیات پڑھنا بھول جائیں تو سجدہ سہو ادا کر کے نماز ہو جائے گی یا دوبارہ پڑھنی ضروری ہے؟

جواب: جی ہاں! اس صورت میں سجدہ سہو ادا کرنے سے نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے گی۔

ظہر یا جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو کب پڑھے؟

سوال: ظہر کی جماعت کھڑی ہو گئی اور آنے والا نمازی امام کی اقتداء میں جماعت میں شامل ہو گیا، اس طرح اس کی فرضوں سے پہلے کی چار سنتیں رہ گئیں یا امام خطبہ جمعہ کے لئے کھڑا ہو گیا اور اس وقت آنے والا نمازی ابتدائی چار سنتیں چھوڑ کر خطبہ سننے کے لئے بیٹھ گیا اور پھر نماز جمعہ ادا کی گئی۔ اب ان دونوں صورتوں میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا وہ نماز کی ابتدائی چھوڑی ہوئی سنتیں پہلے پڑھے یا انہیں فرائض کے بعد والی سنتوں کے بعد پڑھے؟
(جاوید خان، کیمائری، کراچی)

جواب: علامہ علاؤ الدین ہسکفی نے اپنے فتاویٰ الدر المختار میں لکھا ہے کہ اگر ظہر کی پہلی چار سنتیں رہ جائیں تو انہیں فرض کے بعد والی دو سنتوں سے پہلے پڑھے، یہ امام محمد کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی نے رد المختار میں لکھا ہے کہ اگرچہ فقہ کی عام متون میں یہی ہے، لیکن فتح القدر میں اسے ترجیح دی گئی ہے کہ پہلے کی چھوڑی ہوئی چار سنتوں کو فرض کے بعد والی دو سنتوں کے بعد پڑھے، الامداد اور فتاویٰ العتابی میں اسی کو مختار قرار دیا گیا ہے اور مبسوط شیخ الاسلام میں بھی اس کو صحیح ترین قرار دیا گیا ہے۔ لہذا ظہر یا جمعہ کی پہلی چھوڑی ہوئی سنتوں کو دونوں طرح پڑھنا درست ہے، لیکن میری

رائے میں علامہ شامی نے جسے مختار اور صحیح ترین قرار دیا ہے، وہی زیادہ بہتر اور راجح ہے، یعنی یہ کہ پہلے فرض کے بعد والی سنتوں کو اپنے مقام پر پڑھا جائے اور پھر پہلے کی چھوڑی ہوئی سنتیں پڑھ لی جائیں کیونکہ پہلے والی تو اپنے مقام سے ہٹ چکی ہیں، کم از کم بعد والی تو اپنے مقام پر پڑھ لی جائیں، اور سنن ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سے فرض ظہر سے پہلے والی چار سنتیں رہ جاتیں تو آپ انہیں بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے (سنن ابن ماجہ باب من فاتتہ الاربع قبل الظہیر) یہ ساری بحث فتاویٰ شامی جلد 1 صفحہ 483 پر موجود ہے۔

کیا عبادت میں نیابت جائز ہے؟

سوال: حج بھی، نماز اور روزے کی طرح جسمانی عبادت ہے، کیا عبادت میں نیابت جائز ہے، کیونکہ ”حج بدل“ تو سنتے رہتے ہیں، نماز اور روزے کے بارے میں سننے میں نہیں آیا؟۔

(قاری مختار احمد، گوہر آباد، کراچی)

جواب: ”بدل“ سے مراد ہے: عبادت میں نیابت، یعنی کسی شخص کا دوسرے کی طرف سے عبادت ادا کرنا، اس طرح کہ وہ فرض سے سبکدوش ہو جائے۔ اس معنی میں یہ مسئلہ فرض عبادت سے متعلق ہے۔ شریعت کا اصول یہ ہے کہ بدنی عبادت میں نیابت یا بدل کی گنجائش نہیں ہے جس عاقل و بالغ مسلمان مرد یا عورت کے ذمے شریعت نے فرض عائد کیا ہے اسی کے ادا کرنے سے وہ عہدہ برآ ہوگا اور فرض ساقط ہوگا۔ کسی اور کے ادا کرنے سے فرض ساقط نہیں ہوگا۔ روزہ بلا عذر یا عارضی سبب (سفر یا مرض) سے چھوٹ جائے تو اس کا بدل قضا ہے، دائمی عذر (ضعف یا مرض) ہو تو اس کا بدل فدیہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ”کوئی شخص وفات پا جائے اور اس کے ذمے فرض روزے رہ گئے ہوں، تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزے رکھے“۔ اس حدیث پاک کا منشا یہ ہے کہ اس کا ولی اس کی جانب سے قضا شدہ روزوں کا فدیہ ادا کرے، اگر وفات پانے والے نے وصیت کی ہو تو یہ حکم وجوب

پر محمول ہوگا؟ ورنہ یہ حکم استحباً ہی ہے اور ولی یا ورثاء کی مرضی پر موقوف ہے۔ نماز میں بدل یا نیابت کا کوئی تصور نہیں ہے، بصورتِ عذر بیٹھ کر، لیٹ کر اور اشارے سے بھی پڑھ سکتا ہے اور بلا عذر نہ پڑھے تو قضا ہے۔ مالی عبادت میں بدل اور نیابت کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ یعنی ایک مال دار شخص اپنی زکوٰۃ یا فطرہ ادا کرنے کے لئے کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ حج میں چونکہ بدنی اور مالی دونوں پہلو ہیں، اس لئے اس میں شریعت نے نیابت اور بدل کی گنجائش رکھی ہے لیکن جو مال دار شخص تندرست ہے اور خود حج ادا کرنے پر قادر ہے تو زندگی میں اس کے لئے بدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر بیمار ہے، ضعیف ہے یا معذور ہے تو کسی کو اپنی طرف سے ”حج بدل“ کرنے پر مامور کرے یا عذر و مرض کوئی سبب مانع تو نہیں تھا لیکن بد قسمتی اور لا پرواہی کی بناء پر زندگی میں فریضہ حج ادا نہیں کر سکا، تو موت سے پہلے ”حج بدل“ کی وصیت کرے اور کسی وارث یا غیر وارث کو اس پر مامور کرے۔ اگر کوئی عذر مانع بھی نہیں تھا اور بد قسمتی سے موت سے پہلے وصیت بھی نہیں کی تو ورثاء اگر اس پر رحم کرتے ہوئے رضا کارانہ طور پر خود اس کا حج بدل ادا کر دیں یا کرادیں تو اللہ کی رحمت اور کرم سے مقبولیت کی امید کرنی چاہیے کہ شاید وہ فرض کو ساقط فرمادے، ورنہ اجر سے تو یقیناً محروم نہیں فرمائے گا۔

کیا بخار کی حالت میں نماز قضا کی جاسکتی ہے؟

سوال: اگر طبیعت زیادہ خراب ہو جائے (مثلاً تیز بخار ہو جائے) تو کیا نماز قضا کی جاسکتی ہے؟ گناہ تو نہیں ملے گا؟۔
(دانیال، کراچی)

جواب: طبیعت خراب ہونے یا تیز بخار کی صورت میں نماز قضا کرنا جائز نہیں ہے اگر کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے، رکوع و سجود کی ادائیگی پر قادر نہیں ہے تو اشارے سے رکوع و سجدہ کرے، تکلیف زیادہ ہے تو سنتیں چھوڑ دے صرف فرض پڑھ لے، ترک کرنے پر گناہ گار ہوگا تو بہ کرے اور بعد میں قضا پڑھے۔

نماز میں صاحب ترتیب کون ہے؟

سوال: صاحب ترتیب نمازی کون کہلاتا ہے جس کی فجر کی نماز قضا ہوتی رہتی ہے کیا وہ صاحب ترتیب رہتا ہے؟
(ابواللحم شہزاد، کراچی)

جواب: جس خوش نصیب مومن کی بلوغت کے بعد کبھی چھ نمازیں مسلسل قضا نہ ہوئی ہوں وہ ”صاحب ترتیب“ کہلاتا ہے۔ جس کی بد قسمتی سے فجر کی یا کوئی ایک نماز قضا ہو جاتی ہے مگر وہ اسے دوسری نماز سے پہلے قضا پڑھ لیتا ہے تو وہ بدستور ”صاحب ترتیب“ رہتا ہے۔

صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے

سوال: اگر بد قسمتی سے کسی کی فجر اور ظہر کی نماز قضا ہو گئی ہے اور عصر کی جماعت کھڑی ہونے والی ہے تو وہ کیا کرے؟
(شہزاد، کراچی)

جواب: اگر وہ ”صاحب ترتیب“ ہے تو پہلے فجر اور ظہر کی قضا نماز پڑھے پھر عصر کی نماز ادا کرے، ہاں اگر وقت تنگ ہے اور صرف اتنی گنجائش ہے کہ ایک وقت کی فرض نماز پڑھ لے تو اس صورت میں اس وقت کی نماز کی ادا کو مقدم کر لے اور قضا بعد میں پڑھے۔

نمازی کے آگے جوتے رکھنا ☆ فجر کی سنتوں کی قضا

سوال: (الف) کیا نمازی اپنے جوتے سامنے رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

(ب) کیا نماز فجر کی قضا پڑھتے وقت سنتوں کی قضا بھی ضروری ہے؟

(سید محبوب شاہ، قائد آباد، کراچی)

جواب: (الف) حفاظت کے نقطہ نظر سے نمازی اپنے جوتے سامنے رکھ کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس طرح جوتے چوری ہونے کا خدشہ نہیں رہے گا اور نماز میں اس کی توجہ نہیں بٹے گی، خاص طور پر جب کہ جوتے نئے اور قیمتی ہوں، البتہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت جوتے جھاڑ لینے چاہئیں تاکہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ اگر دوسرے نمازیوں کی طبعی ناگواری کا اندیشہ ہو تو آج کل پلاسٹک کے شاپنگ بیگ عام ہیں، نمازی ساتھ لیتا آئے

اور جوئے اس میں ڈال کر سامنے رکھ لے۔

(ب) فجر کی سنتوں کی تاکید دیگر اوقات کی مؤکدہ سنتوں کے مقابلے میں زیادہ ہے بلکہ فقہاء نے انہیں واجب سے قریب تر قرار دیا ہے، لہذا اگر فجر کی قضا اسی روز طلوع آفتاب کے 20 منٹ بعد پڑھی جائے تو ساتھ سنتیں بھی پڑھ لیں، یہ افضل ہے، بعد میں ضرورت نہیں ہے۔

جماعت کھڑی ہو چکی اور فجر کی سنتیں

سوال: جب مسجد میں فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی ہو تو مقتدی سنتیں پڑھے یا جماعت میں شامل ہو جائے؟ (محمد ناصر خان چشتی، ٹانک صوبہ سرحد)

جواب: مسجد میں فجر کی جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور اس دوران نمازی مسجد میں آیا، تو وہ کیا کرے، آیا فجر کی سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو یا براہ راست جماعت میں شامل ہو جائے؟ اگر مسجد اتنی بڑی ہے کہ نمازی پیچھے دور کھڑے ہو کر سنتیں پڑھے تو امام کی قرأت کی آواز اس تک نہیں پہنچتی، ایسی صورت میں اگر وہ سنتیں پڑھ کر جماعت کو پاسکتا ہے تو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جائے۔ لیکن اگر مسجد چھوٹی ہے اور امام کی قرأت کی آواز ساری مسجد میں سنائی دیتی ہے، تو نمازی کو چاہیے کہ سنتیں چھوڑ دے اور براہ راست جماعت میں شامل ہو جائے، کیونکہ قرأت کا سننا واجب ہے اور سورج نکلنے کے (بقیہ صفحہ 431 پر)

اوقات مکروہہ

سوال: وہ کون سے اوقات ہیں جن میں نفل پڑھنے کی ممانعت ہے، مگر فرض کی قضا پڑھ سکتے ہیں؟۔ (ریاض حسین، رحیم یار خان)

جواب: مندرجہ ذیل اوقات میں نفل پڑھنے کی ممانعت ہے مگر فرض کی قضا پڑھ سکتے ہیں:

(۱) طلوع فجر (صبح صادق)۔ سے فجر کے فرض تک، سوائے فجر کی دو سنتوں کے نفل پڑھنا منع

ہے۔

(۲) فجر کے فرض کے بعد سے طلوع آفتاب تک۔

(۳) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک۔

(۴) جب امام خطبہ جمعہ کے لئے کھڑا ہوا (اس وقت سنتوں کی بھی ممانعت ہے)

(۵) عید کے دن نماز عید سے پہلے گھر پر اور عید گاہ میں دونوں جگہ۔ البتہ جس شخص کا اشراق کے نوافل پڑھنے کا معمول ہو، مسجد میں یا گھر پر، تو وہ پڑھ لے۔

(۶) نماز عید کے بعد مسجد یا عید گاہ میں نوافل پڑھنا منع ہے، شاید اس ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ لوگ نماز عید سے فراغت کے بعد منتشر ہوتے ہیں، آپس میں ملتے ہیں، مصافحہ یا معانقہ کرتے ہیں تو اگر کوئی وہاں نفل کی نیت باندھ کر کھڑا ہو جائے تو لوگوں کو دشواری ہوگی یا نماز کی بے حرمتی ہوگی۔ البتہ نماز عید سے واپس گھر آ کر پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

(۷) عرفات میں جب ظہر اور عصر کی نمازیں ملا کر پڑھی جائیں تو دونوں نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا منع ہے۔

(۸) مزدلفہ میں جب مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھی جائیں تو دونوں نمازوں کے درمیان نفل پڑھنا منع ہے۔

(۹) جب فرض کا وقت تنگ ہو رہا ہو تو وقتی فرض کے سوا ہر نماز یہاں تک کہ فجر و ظہر کی سنتیں بھی مکروہ ہیں۔

رمضان میں فرض جماعت سے نہ پڑھے، وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں؟

سوال: رمضان المبارک میں نماز عشاء میں بعض اوقات آدمی دیر سے پہنچتا ہے اور اس دوران میں فرض کی جماعت نکل جاتی ہے تو کیا ایسی صورت میں آدمی وتر باجماعت پڑھے یا تنہا پڑھے؟ (عمران، خداداد کالونی، کراچی)

جواب: نمازی کو چاہیے کہ مسجد میں پہنچنے کے بعد پہلے اپنی فرض نماز تنہا پڑھے اور پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہو جائے اور وتر بھی جماعت کے ساتھ پڑھے کیونکہ جماعت کا اجر تنہا نماز کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ جب فرض کی جماعت ترک ہو جانے کے

باوجود تراویح باجماعت پڑھتے ہیں جب کہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور اس کی جماعت کو فرض کی جماعت کے تابع نہیں سمجھتے تو وتر کی نماز جو واجب ہے اس کی جماعت فرض کی جماعت کے تابع کس طرح ہوگی؟۔

نماز میں بلا ضرورت امام کو لقمہ دینا اور امام کا لقمہ لینا

سوال: مغرب کی جماعت ہو رہی تھی، تیسری رکعت میں قعدہ (التحیات) کے بعد امام صاحب دوسری رکعت سمجھ کر کھڑے ہوئے تو کسی نمازی نے لقمہ دیا اور امام صاحب واپس قعدہ میں لوٹ گئے اور سجدہ سہو کر کے نماز ختم کر دی، کیا یہ نماز درست ہے یا دہرائی پڑے گی؟۔ (محمد ممتاز کشمیری، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: نماز میں امام سے سہو ہو جائے تو مقتدی کے امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کو فقہی اصطلاح میں ”تلقین“ کہتے ہیں اور امام کی طرف سے مقتدی کی اصلاح قبول کرنے کو ”تلقن“ کہتے ہیں، اسے ہم اردو میں لقمہ دینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لقمہ دیتے وقت مقتدی ”اللہ اکبر“ یا ”سبحان اللہ“ کہتا ہے، یہ کلمات لفظاً تو تسبیح ربانی کے کلمات ہیں لیکن معنی کلام ہے اور کلام مفسد نماز ہے، لیکن چونکہ نماز کی صحت کے ساتھ تکمیل شرعاً مطلوب ہے اور امام و مقتدی دونوں کا مفاد بھی اس سے وابستہ ہے اس لئے شرعاً خلاف قیاس لقمہ دینے اور لینے کی اجازت دی گئی ہے مگر صرف ضرورت کی حد تک، یعنی صرف اس حد تک کہ نماز فاسد نہ ہو جائے اور نماز کے اندر رہتے ہوئے اس کی تلافی ہو سکے، لہذا اگر ضرورت شرعی کے بغیر مقتدی نے لقمہ دیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اب صورت مسئلہ میں چونکہ امام نے تیسری رکعت کا قعدہ کر لیا ہے اور نماز کے ارکان مکمل ہو گئے ہیں اس لئے امام کے کھڑے ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ لہذا مقتدی اسے لقمہ نہ دیں، اور امام کی پیروی کریں، اگر امام چوتھی رکعت کا سجدہ کر لینے سے پہلے واپس آ کر بیٹھ گیا تو وہ سجدہ سہو کر کے نماز مکمل کر لے اور مقتدی بھی اس کی پیروی کریں، اور اگر امام نے (نماز مغرب میں) چوتھی رکعت کا سجدہ کر لیا تو وہ ایک رکعت اور ملا لے تاکہ دو نفل ہو جائیں اور آخر میں سجدہ سہو

کر کے نماز مکمل کر لے۔ واضح رہے کہ یہ سجدہ سہو سلام میں تاخیر کی وجہ سے ہوگا اگر امام صورت مسئولہ میں چوتھی رکعت کا رکوع کر کے سجدے میں جا رہا ہے تو اس وقت مقتدی کا لقمہ دینا اور امام کا لقمہ لینا دونوں صحیح ہیں۔ فتاویٰ درمختار میں لکھا ہے کہ امام نماز کے قعدہ اخیرہ (تشہد) کے بعد بھول کر کھڑا ہو جائے تو مقتدی امام کی پیروی کرنے کی بجائے بیٹھے بیٹھے امام کی واپسی کا انتظار کریں اگر وہ کھڑے کھڑے سلام پھیر دے یا واپس لوٹ آئے تو اس کی پیروی کریں اور اگر امام اگلی رکعت زائد کے سجدے میں چلا گیا تو مقتدی بیٹھے بیٹھے سلام کر لیں اور امام کا ساتھ نہ دیں۔ لیکن علامہ شبلی نے اس کی شرح میں ایک قول لکھا ہے کہ امام لوٹ کر آئے یا نہ آئے مقتدی ہر صورت میں اس کی پیروی کریں اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے ہم نے اسی کے موافق لکھا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد 3، صفحہ نمبر 402 پر ہے کہ آپ سے ایک مسئلہ دریافت کیا گیا کہ: ”اگر امام کو قعدہ اولیٰ میں اپنی عادت سے دیر لگی اور مقتدی نے بخیال اس امر کے کہ امام کو سہو ہوا ہوگا، تکبیر باواز بلند بناء بر اطلاع امام کہی تو نماز مقتدی کی فاسد ہوئی یا نہیں؟“ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے لکھا: ”ہمارے امام رضی اللہ عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قرأت یا ذکر مثلاً تسبیح و تکبیر ہے اور یہ سب اجزاء و اذکار نماز سے ہیں مگر معنی کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہیے، پر ظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تو اس کے کام ہونے میں کیا شک رہا۔ اگرچہ صورتاً قرآن یا ذکر قرآن ہے ولہذا اگر نماز میں کسی یحییٰ نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیت کریمہ: ”يٰحَيُّیٰ خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ“ پڑھی، بالاتفاق نماز جاتی رہی، حالانکہ وہ حقیقتاً قرآن ہے۔

اس بناء پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ بر محل ہو مفسد نماز ہو کہ جب وہ بلحاظ معنی کلام ٹھہراء، تو بہر حال افساد نماز کرے گا، مگر حاجت اصلاح نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور حکم استحسان جس کے اعلیٰ وجود سے نص و

ضرورت ہے جو از کا حکم دیا، ولہذا صحیح یہ ہے کہ جب امام قرأت میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگرچہ قدر واجب پڑھ چکا، اگرچہ ایک سے دوسرے، کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورت اولیٰ نہیں واجب ادا ہو چکا، مگر احتمال ہے کہ رکنے الجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسد نماز ہو لہذا مقتدی کو اپنی نماز درست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے..... آگے کافی تفصیلی کلام کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں..... جب یہ اصل مہم ہوئی، حکم صورت مسئولہ واضح ہو گیا، ظاہر ہے کہ جب امام کو قعدہ اولیٰ میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے یہ قعدہ اخیرہ ہی سمجھا ہے تب یہ کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو واضح میں اس کا گمان غلط ہوگا۔ یعنی امام قعدہ ہی اولیٰ میں سمجھا ہے اور دیر اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ تر تیل سے ادا کی، جب تو ظاہر ہے کہ مقتدی کا بتانا نہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہوا تو یقیناً کلام ٹھہرا اور مفسد نماز ہوا، ”لقول الحلیۃ ان ماوراء ذلک یعمل فیہ بقضیۃ القیاس و لقولہ المعدول بہ عن القیاس لا یقاس علیہ و لقول الفتح یبقی ماوراء علی المنع و لقول التبین لا یقاس علیہ غیرہ و ہذا واضح جدا“، یا اس کا گمان صحیح تھا غور کیجئے تو اس صورت میں بھی اس بتانے کا محض لغو و بے حاجت واقع ہونا اور اصلاح نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قعدہ اولیٰ میں اتنی تاخیر کر چکا جس سے مقتدی اس کے سہو پر مطلع ہوا تو لا جرم یہ تاخیر بقدر کثیر ہوئی اور جو کچھ ہونا تھا یعنی ترک واجب و لزوم سجدہ سہو ہو چکا اب اس کے بتانے سے مرافع نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کا اندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیا جائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیر دے گا پھر اس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کا سہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتا اس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتانا چاہیے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل و فساد نماز کا اندیشہ ہے کہ یہ تو اپنے گمان میں نماز تمام کر چکا عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہو جائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کا ازالہ تھا نہ خلل آئندہ کا اندیشہ، تو سوا فضول و بے فائدہ کے کیا باقی رہا، لہذا مقتضائے نظر فقہی پر اس

صورت میں بھی فساد نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدہ اولیٰ چھوڑ کر پورا کھڑا ہو جائے تو اب مقتدی بیٹھنے کا اشارہ نہ کرے ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑا ہونے کے بعد امام کو قعدہ اولیٰ کی طرف عودنا جائز تھا، تو اس کا بتانا محض بے فائدہ رہا اور اپنے اصلی حکم کی رو سے کلام ٹھہر کر مفسد نماز ہوا۔

الٹی شلواری اور قمیص پہن کر نماز پڑھنا

سوال: ایک شخص نماز کی نیت کر کے کھڑا ہو گیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، نماز کے دوران اس کی نظر پڑی تو اسے پتا چلا کہ اس نے شلواری یا قمیص الٹی پہن رکھی ہے تو اب وہ کیا کرے، نماز مکمل کرے یا نماز توڑ کر کپڑے صحیح کر کے پہنے اور پھر نماز پڑھے۔ پہلی صورت میں اگر اس نے نماز جاری رکھی اور مکمل کر لی تو کیا حکم ہے؟۔ (کامران قریشی، گلستان جوہر، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس (زینت) پہن لیا کرو“ (الاعراف: 31) آیت مبارکہ میں اس جانب اشارہ ہے کہ نماز میں محض ستر عورت (ستر پوشی) کافی نہیں بلکہ انسان ایسا لباس پہن لے جو باوقار ہو اس میں زینت و جمال بھی ہو اور ستر پوشی بھی شرعی تقاضوں کے مطابق پوری ہو، لہذا الثالباس پہن کر نماز پڑھنا احترام نماز کے منافی ہے لیکن چونکہ ایسا سہواً ہو گیا اور یہ ”مفسدات صلوة“ میں سے نہیں ہے بلکہ وجوہ تخسین میں سے ہے۔ لہذا نماز ادا ہو گئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لباس کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکانے کا شرعی حکم

سوال: بعض اوقات لباس (تہبند، شلواری وغیرہ) ٹخنوں کے نیچے تک لٹکا ہوتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بہت سے لوگوں کا لباس عام حالات میں تو لٹکا ہوتا ہے لیکن جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو شلواری کو اڑس لیتے ہیں یا پینٹ وغیرہ کے پانچے کی تہیں بنا کر اونچا کر لیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بعض لوگ ہاف کٹ کی آستین پہنتے ہیں، کیا ایسی قمیص پہن کر نماز پڑھنا، جس کی آستین ہاف سائز کی ہو جائز ہے؟۔

(سید عمیر الحسن برنی، فیڈرل بی ایریا)

جواب: یہ سوال تفصیل طلب ہے، اس لئے پہلے چند احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں، اس کے بعد چند اصطلاحات کا مفہوم اور فقہی مسائل درج کیے جائیں گے۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کے تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہوگا، وہ جہنمی ہوگا۔“ (صحیح بخاری)

(۲) حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو اور اگر ایسا نہ کرو تو ٹخنوں تک اونچا رکھو اور تہبند لٹکانے سے اجتناب کرو، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ نے تکبر کو پسند نہیں فرمایا۔“ (سنن ابوداؤد)

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔“ (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں خیال نہ رکھوں (یعنی میری توجہ ہٹ جائے) تو میرے تہبند کی ایک جانب ڈھلک جاتی ہے۔“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”تم ان لوگوں میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔“ (صحیح بخاری)

(۴) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ سورج کو گہن لگ گیا، آپ جلدی سے اٹھے، اس حال میں کہ آپ کا تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ مسجد میں آئے اور لوگ بھی پلٹ کر آگئے، پھر آپ نے دو رکعت نماز (کسوف) پڑھائی۔“ (صحیح بخاری)

اس موضوع پر احادیث تو بہت ہیں لیکن ہم نے اختصار کے پیش نظر جو احادیث پراکتف کیا ہے۔ البتہ ایک اور حدیث، جس کا زیر بحث مسئلے سے تعلق ہے، کا ذکر ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”مجھے بہت ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ (نماز میں) نہ بالوں کو سنواروں اور نہ

کپڑوں کو موڑوں۔ (صحیح مسلم)

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ میں بعض جگہ ٹخنوں کے نیچے کپڑا لٹکانے کی مطلقاً ممانعت فرمائی گئی ہے اور بعض جگہ اسے تکبر، خیلاء اور بطراً کی قید کے ساتھ مقید کر کے منع فرمایا گیا ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بعض اوقات بے خیالی میں جو کپڑا لٹک جاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کی رخصت و رعایت عطا فرمائی اور فرمایا ”تم ان لوگوں میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔“ دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق کرنے کے بعد محدثین کرام اور فقہاء عظام نے جو مسائل بیان کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) افضل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی جائے اور کپڑا ٹخنوں سے اوپر رکھا جائے، اس کے افضل و اولیٰ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص تکبر کی بنا پر کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور تکبر کی نیت سے ایسا کرنے والے کی نماز واجب الاعداء ہے۔

(۳) اگر کسی شخص کا کپڑا ٹخنوں سے کبھی کبھار یا عادتاً نیچے لٹک جاتا ہے لیکن وہ تکبر کی نیت سے ایسا نہیں کرتا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور خلاف اولیٰ ہے۔ امام ہو یا منفرد یا مقتدی نماز صحیح ادا ہو جاتی ہے۔

(۴) لباس کا ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکنا، بنیادی طور پر آداب لباس میں سے ہے اور جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، انہیں ہر وقت کرنا چاہیے، نہ کہ صرف نماز کی حد تک تاہم یہ امر مسلم ہے کہ جو عمل خارج نماز مکروہ یا ممنوع ہے۔ نماز میں بر طریق اولیٰ ممنوع ہے۔

(۵) کپڑوں کو نیفے کی جانب سے سمیٹنا، جسے اردو میں اڑسنا کہتے ہیں یا پانچے کی جانب سے موڑنا اور تھیں چڑھانا، ”کف ثوب“ کہلاتا ہے اور از روئے حدیث یہ ممنوع ہے۔ لہذا جو لوگ نماز سے پہلے ”لٹکانے“ کی ممانعت سے بچنے کے لئے کپڑا اڑس لیتے ہیں یا نیچے کی جانب سے موڑ لیتے ہیں، جسے پانچے چڑھانا کہتے ہیں، یہ شرعاً ”کف ثوب“ ہے اور از روئے حدیث ممنوع ہے اور یہ ایک ممانعت سے بچنے کے لئے دوسری ممانعت کا ارتکاب ہے۔

کرنا ہے۔

(۶) آستین موڑ کر یا چڑھا کر بھی، جسے فقہ میں تشمیر کہتے ہیں، نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر یہ عمل نماز شروع کرنے سے پہلے کیا جائے، اور اگر یہ عمل نماز کے اندر کیا جائے تو فقہی اعتبار سے عمل کثیر کی تعریف میں آتا ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۷) اگر کسی کی آستین ہاف کٹ ہے یعنی وضع اور ساخت کے اعتبار سے ہی ایسی بنی ہوئی ہے تو اس سے نماز بلا کراہت ادا ہو جائے گی۔

یہ مسئلہ ”یعنی شلواریا تہبند کا بہ نیت تکبر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور بلانیت تکبر لٹک جانا یا لٹکانا مکروہ تنزیہی ہے جو خلاف اولیٰ کے درجے میں ہے، جن محدثین کرام اور فقہاء عظام نے بیان فرمایا ہے ان کے اسماء گرامی و حوالہ جات حسب ذیل ہیں:

- امام یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی 676ھ شرح صحیح مسلم جلد 2، صفحہ 195- (۲)
حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ فتح الباری جلد 10، صفحہ 263 (۳) علامہ موفق الدین
ابن قدامہ حنبلی متوفی 620ھ المغنی جلد 1، صفحہ 341 (۴) علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی
855ھ عمدۃ القاری جلد 1، صفحہ 295 (۵) ملا علی قاری حنفی متوفی 1014ھ مرقات جلد 8
صفحہ 238 (۶) ملا نظام الدین متوفی 1161ھ، فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) جلد 5، صفحہ
333 (۷) امام احمد رضا بریلوی متوفی 1340ھ، فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد
7، صفحہ 388 (۸) مولانا محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی، التعلیق الصبح جلد 4، صفحہ 395
(۹) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، متوفی 1052ھ لمعات جلد 4، صفحہ 175 (۱۰) نماز میں
کپڑاڑنے یا کپڑا موڑنے کو بعض فقہاء نے مکروہ تحریمی کہا ہے اور بعض نے مکروہ تنزیہی۔
علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار جلد 1 صفحہ 677 میں اسے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔
ان مسائل کی تفصیلی بحث شرح صحیح مسلم جلد 6، مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی اور فتاویٰ
رضویہ جلد 7 میں موجود ہے۔

رکوع میں بھول کر سجدے کی تسبیح پڑھنا

سوال: اگر نمازی اپنی نماز میں رکوع میں ”سبحان ربی العظیم“ کے بجائے ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھے یا سجدے میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ کے بجائے ”سبحان ربی العظیم“ پڑھے تو کیا اس سے سجدہ سہولاً لازم آئے گا؟
(نور نبی، شاہ پور چاکر، سندھ)

جواب: رکوع و سجود کی تسبیحات سنت ہیں لہذا اگر یہ بھولے سے رہ جائیں یا رکوع میں بھول کر سجدے کی تسبیح اور سجدے میں بھول کر رکوع کی تسبیح پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے اور اس سے سجدہ سہولاً لازم نہیں ہوا۔ البتہ اگر رکوع یا سجدے میں جھکا اور سر اٹھایا اور ایک تسبیح کی مقدار بھی نہ رکا تو تعدیل رکن کا واجب فوت ہو جائے گا اور سجدہ سہولاً لازم آئے گا۔

تکبیر بھول جائے تو؟

سوال: اگر امام نماز عید میں عید کی زائد تکبیریں بھول جائے؟ دعائے قنوت کی تکبیر بھول جائے یا رکوع و سجود کی تکبیرات بھول جائے تو کیا اس سے سجدہ سہولاً لازم آئے گا؟۔

(پیر عبدالحلیم سرہندی، گلشن معمار، کراچی)

جواب: نماز میں رکوع و سجود کی جو تکبیرات ہیں، انہیں تکبیرات انتقال کہا جاتا ہے کیونکہ نمازی اللہ اکبر کہہ کر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتا ہے، یہ تکبیرات سنت ہیں، اسی طرح رکوع سے اٹھتے ہوئے سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ جو تسبیح پڑھی جاتی ہے، یہ بھی سنت ہے لہذا اگر تکبیرات انتقال یا رکوع سے اٹھنے کی تسبیح بھولے سے رہ جائے تو نماز ادا ہو جاتی ہے اور سجدہ سہولاً لازم نہیں آتا۔ البتہ نماز عیدین کی زائد تکبیرات، نماز وتر میں دعائے قنوت شروع کرنے کے لئے تکبیر جسے تکبیر قنوت کہتے ہیں، نماز عید کی دوسری رکعت میں رکوع کی تکبیر، یہ سب تکبیریں واجب ہیں اور اگر یہ بھولے سے رہ جائیں تو ان کی تلافی کے لئے سجدہ سہولاً لازم ہوگا اور نہ کیا تو نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ تاہم فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر نماز عید میں مجمع کثیر ہو اور امام ان تکبیرات واجب میں سے کوئی ایک یا زائد بھول جائے اور سجدہ سہولاً نہ کیا تو کثرت جماعت کی رعایت سے

نماز صحیح ادا ہو جائے گی لیکن اگر سجدہ سہو کر لیا جائے تو افضل ہے۔

نماز میں بھول، سجدہ سہو

سوال: اگر نماز میں غلطی ہو جائے یا بھول سے کوئی بھی آیت دوبارہ پڑھی جائے تو کیا نماز دوبارہ ادا کرنی چاہیے یا سجدہ سہو ادا کیا جائے؟ سجدہ سہو کس طرح ادا کیا جاتا ہے؟

(شہناز شاہد، کراچی)

جواب: نماز میں واجب چھوٹ جانے، فرض یا واجب میں تین تسبیحات (سبحان ربی الاعلیٰ) کے برابر تاخیر ہونے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اگر سجدہ سہو کر دیا جائے تو اس غلطی کی تلافی ہو جاتی ہے۔ ایک نماز میں ایک سے زیادہ واجب ترک ہو جائیں، تب بھی ایک ہی ”سجدہ سہو“ کافی ہے۔ ”سجدہ سہو“ کا طریقہ یہ ہے کہ آخری التحیات (تشہد) پڑھ کر دائیں جانب سلام پھیریں اور پھر دو سجدے کریں اور اس کے بعد التحیات، درود شریف اور دعاء پڑھ کر سلام پھیر لیں نماز مکمل ہو جائے گی۔ اگر سجدہ سہو واجب تھا مگر نماز کے اندر ادا نہیں ہوا تو پھر پوری نماز از سر نو پڑھنی چاہیے۔

نماز وتر میں دعائے قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا تو کیا کرے؟

سوال: کوئی شخص وتر کی نماز پڑھ رہا ہے، تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھے بغیر بھول کر رکوع میں چلا گیا تو کیا کرے، پلٹ کر واپس آئے یا نماز جاری رکھے؟

(عبداللہ، لائڈھی، کراچی)

جواب: اگر کوئی شخص وتر کی نماز پڑھ رہا ہے اور تیسری رکعت میں بھول کر رکوع میں چلا گیا تو پلٹ کر واپس نہ آئے بلکہ نماز کو جاری رکھے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے، سجدہ سہو سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ اگر رکوع کر لیا اور پھر یاد آنے پر لوٹ کر کھڑا ہو گیا اور دعائے قنوت پڑھ لی تو رکوع کا اعادہ نہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔

کیا سجدہ سہو کی ضرورت ہے؟

سوال: اگر نماز کے دوران نمازی سے بھول ہو جائے اور اس سے مندرجہ ذیل امور میں سے کوئی ایک ادا کرنے سے رہ جائے تو آیا نماز ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ ان کی تلافی کے لئے سجدہ سہو کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(ا) ثناء (سبحانک اللہم) تعوذ، تسمیہ پڑھنا بھول جائے۔

(ب) رکوع و سجود کی تکبیرات انتقال کہنا بھول جائے۔

(ج) رکوع میں سجود کی تسبیح (یعنی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى)

پڑھنا بھول جائے یا رکوع کی تسبیح سجدے میں اور سجدے کی تسبیح رکوع میں پڑھ لی ہو۔

(د) آمین کہنا بھول جائے۔

(ه) رکوع سے اٹھتے وقت ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ“ کہنا بھول جائے یا اس کی جگہ اللہ

اکبر کہہ دیا ہو۔

(و) ”التحيات“ کے بعد ”درود شریف“ اور ”دعا“ پڑھنا بھول جائے۔

(عبدالمتین قریشی، خدا داد کالونی)

جواب: یہ تمام امور نماز میں ”سنت“ ہیں اور اگر ان میں سے کوئی ایک امر یا ایک سے

زائد امور سہو (بھول) کے نتیجے میں نمازی سے چھوٹ جائیں تو نماز صحیح طور پر ادا ہو جائے

گی اور ان کی تلافی کے لئے ”سجدہ سہو“ کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ ”سجدہ سہو“ فرض

رکن کی ادائیگی میں تاخیر اور واجب رکن کے ترک ہو جانے سے لازم آتا ہے۔ تاہم اگر کسی

نے دانستہ کسی سنت کو ترک کیا تو گناہ گار ہوگا۔

عیدین میں سجدہ سہو

سوال: نماز عیدین میں ترک واجب پر سجدہ سہو کیا جاسکتا ہے؟۔

(ضیاء اللہ خان ضیاء، نوکوٹ)

جواب: نماز جمعہ اور نماز عیدین میں اگر کوئی سہو ہو جائے جس سے ”سجدہ سہو“ لازم آتا

ہے تو ”سجدہ سہو“ ادا کیا جاسکتا ہے البتہ ہمارے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر مجمع کثیر ہو اور اس کی رعایت سے سجدہ سہو نہ کیا جائے تو بھی نماز ادا ہو جائے گی۔

سجدہ تلاوت کا طریقہ

سوال: سجدہ تلاوت کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں چلے جائیں اور تسبیحات سجدہ پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے سے اٹھ جائیں، بس سجدہ تلاوت مکمل ہو گیا، سلام پھیرنے یا نماز کی طرح باقاعدہ نیت باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس مقام سجدہ پاک ہونا چاہیے۔ کھڑے ہو کر سجدے میں جائیں تو افضل ہے اور اگر بیٹھے بیٹھے سجدہ کیا تو بھی ادا ہو جائے گا۔

فجر اور عصر کی نماز کے بعد سجدہ تلاوت کا حکم

سوال: بعض اوقات نماز فجر اور عصر کے بعد لوگ تلاوت کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر آیت سجدہ آجائے تو سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(نور بنی، شاہ پور چاکر و سندھ)

جواب: نماز فجر اور نماز عصر کے بعد سجدہ تلاوت کر سکتے ہیں اور قضا نماز بھی پڑھ سکتے ہیں۔ صرف تین اوقات ایسے ہیں جن میں ہر قسم کی نماز اور سجدہ منع یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ (۱) طلوع آفتاب کے بعد 20 منٹ تک (۲) زوال کا وقت (۳) غروب آفتاب سے پہلے تقریباً 20 منٹ کا وقت، البتہ اگر اس دن کی عصر کی نماز کسی کوتاہی یا عذر کے سبب نہیں پڑھی تو پڑھ لے، قضا کی بہ نسبت کراہت کے ساتھ ادا بہتر ہے۔

نوٹ: (۱) ان تینوں اوقات میں اگر اتفاقاً جنازہ آجائے تو نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ اگر جنازہ پہلے سے موجود ہو تو تاخیر کر کے ان مکروہ اوقات میں پڑھنا منع ہے۔

(۲) صبح صادق، یعنی جب روزہ بند ہوتا ہے، سے نماز فجر تک فجر کی دو سنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا منع ہے اور اسی طرح فرائض فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا منع ہے اور فرض عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک نفل پڑھنا منع ہے لیکن ان تینوں اوقات میں قضا

نماز بھی پڑھ سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت بھی کر سکتے ہیں۔ البتہ غروب آفتاب سے قبل کے آخری بیس منٹ میں قضاء نماز پڑھنا اور سجدہ تلاوت کرنا بھی منع ہے، لیکن اس دن کی عصر کی نماز رہ گئی ہو تو وہ پڑھ لینی چاہیے۔

عورت کا باپردہ مسجد میں جا کر مسئلہ پوچھنا، سجدہ تلاوت

سوال: (۱) کیا عورت باپردہ ہو کر شرعی مسئلہ پوچھنے کے لئے مسجد میں جا سکتی ہے جب کہ گھر میں کوئی دینی مسائل نہ جانتا ہو؟

(ب) نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو سجدہ کس طرح ادا ہوگا؟ (ن، خ۔ کراچی)

جواب: (۱) صحابیات نبی کریم ﷺ سے دینی مسائل پوچھنے آتی تھیں۔ لہذا خواتین

باپردہ ہو کر کسی عالم دین سے شرعی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے جا سکتی ہیں، ان کے لئے ایک

صورت یہ بھی ہے کہ گھر کے کسی مرد کے ذریعے مسئلہ معلوم کرا لیں، تحریری طور پر بھی معلوم کر

سکتی ہیں۔ آج کل ٹیلی فون کا آسان ذریعہ بھی ہے، ویسے مسلمانوں کے گھر میں دینی

مسائل کی آسان اور عام فہم کتابیں بھی ہونی چاہئیں۔ تاہم پیچیدہ مسائل کے لئے عالم سے

رجوع ضروری ہے۔

(ب) نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی جائے تو آیت کے اختتام پر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں

چلا جائے اور سجدے کی تسبیحات پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے اور مزید چند آیات پڑھ

کر رکوع اور حسب معمول نماز مکمل کرے۔ اگر آیت سجدہ پڑھتے ہی اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں

چلا جائے اور رکوع ہی میں سجدہ تلاوت کی بھی نیت کرے تو اس صورت میں بھی سجدہ

تلاوت ادا ہو جائے گا۔ اگر بروقت سجدہ تلاوت کرنا بھول گیا، رکوع میں بھی نیت نہ کی،

لیکن نماز کے دوران ہی یاد آ گیا یا سلام پھیرتے ہی فوراً یاد آ گیا اور کوئی ایسا عمل ابھی نہیں کیا

جو مفسد صلوة ہے تو فوراً سجدہ تلاوت کرے اور سجدہ سہو بھی کرے۔ نماز کے بعد یاد آیا تو اب

بیرون نماز اس کی قضاء نہیں ہے، نماز کے اندر سجدہ تلاوت قصداً چھوڑا تو گناہ گار ہے۔ اللہ

تعالیٰ سے توبہ کرے۔

کیسٹس پر تلاوت سننا اور سجدہ تلاوت

سوال: کوئی شخص آڈیو یا ویڈیو کیسٹس پر تلاوت سنتا ہے اور آیت سجدہ آجاتی ہے، کیا سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا، اسی طرح ان کیسٹس میں دینی تقاریر یا نعتیں بھری ہوتی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کا نام نامی بار بار آتا ہے، کیا سننے والے پر درود شریف پڑھنا واجب ہے؟ (حافظ ہدایت واجد حسین، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: آڈیو، ویڈیو کیسٹس پر ریکارڈنگ کی صورت میں دوران تلاوت آیت سجدہ آجائے تو کیسٹ سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے، اسی طرح کیسٹ سنتے ہوئے سید المرسلین ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آجائے تو درود پاک پڑھنا واجب نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی صاحب ذوق خوش نصیب آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت کر لیتا ہے یا رسول اللہ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی سن کر درود پاک پڑھ لیتا ہے تو وہ یقیناً عند اللہ ماجور ہوگا۔

سجدہ شکر کی شرعی حیثیت

سوال: کیا سجدہ شکر شرعاً جائز ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟

(عنایت اللہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

جواب: متعدد مواقع پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے ”سجدہ شکر“ ادا کرنا ثابت ہے، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی اچھی بات کی خوشخبری سنائی جاتی تو آپ اس پر رب ذوالجلال کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر جاتے۔ ایک موقع پر ایک لہجے اور ایک ناقص الخلق شخص کے پاس سے آپ کا گزر ہوا تو آپ سواری سے اترے اور سجدہ شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس عیب، معذوری اور مصیبت سے محفوظ رکھا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ کو دشمن اسلام ابو جہل کے قتل کی خبر دی گئی تو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے نماز شکر ادا کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پانچ بار سجدہ شکر ادا کیا، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جب یہ خبر ملی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو ان

سے نکاح کا حکم دیا ہے تو انہوں نے اس نعمت پر سجدہ شکر ادا کیا۔ تاہم سجدہ شکر نہ فرض ہے، نہ واجب اور نہ سنت، بلکہ یہ مستحب ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ با وضو ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے اور حسب توفیق تسبیح پڑھ کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے سے اٹھ جائے۔ کسی مسرت کے موقع پر یا دفع بلا کے موقع پر نماز شکرانہ ادا کرنی ہو تو دونوں اقل یا حسب توفیق زیادہ نوافل تنہا ادا کرنے چاہئیں، نماز شکرانہ کی جماعت نہیں۔

ترجمہ قرآن پڑھنے سے تلاوت کا ثواب

سوال: بد قسمتی سے کسی شخص کو ناظرہ قرآن پڑھنا نہیں آتا تو اگر وہ ترجمہ قرآن (اردو زبان میں) مسلسل تلاوت کی نیت سے پڑھے تو کیا اسے تلاوت قرآن مجید کا اجر و ثواب ملے گا؟ بعض لوگ قرآن مجید کھول کر سطروں پر انگلی پھیرتے ہوئے صرف ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھتے رہتے ہیں اور اس طرح صفحے پلٹتے پلٹتے مکمل کر لیتے ہیں اور اسے ختم بسم اللہ کہتے ہیں، کیا ”ختم بسم اللہ“ کی شریعت میں کوئی اصل ہے؟ (بلال خان، گارڈن ویسٹ، کراچی)

جواب: قرآن مجید کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾ (یوسف)

نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

قرآن مجید کی تلاوت بزبان عربی یہ الگ اور مستقل عبادت ہے، اس کے معنی کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا یہ بلاشبہ بہت بڑی سعادت بلکہ نزول قرآن کا مدعا و مقصود ہے۔ ترجمہ قرآن کو مطلب قرآن سمجھنے کے لئے پڑھنا، اجر و سعادت کی بات ہے لیکن ترجمہ قرآن، کلام اللہ نہیں ہے۔ اس لئے اسے اردو، انگریزی یا کسی اور زبان میں بہ نیت تلاوت پڑھنے سے تلاوت قرآن مجید کا ثواب نہیں ملے گا۔ ترجمہ قرآن بندے کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ کا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر پہلی وحی قرآنی چالیس سال کی عمر میں نازل ہوئی اور 23 سال کی مدت میں اس کی تکمیل ہوئی۔ لہذا اگر کسی کی عمر چالیس سال یا اس سے بھی زائد ہے تو اس عمر میں قرآن مجید کو پڑھنا سنت رسول ﷺ ہے۔ صحابہ کرام مختلف عمروں میں مشرف

بہ اسلام ہوئے اور انہوں نے قرآن اور دین اسلام کی تعلیم حاصل کی، لہذا آپ عمر کے کسی بھی حصے میں ہوں، بلا تاخیر قرآن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع کر دیں، دنیا کے کسی بھی مذہب یا نظام حیات میں حصول علم کے لئے عمر کی قید نہیں ہے۔ اس لئے جہل دائمی اور ابدی عذر نہیں۔ صورت مذکور میں ”ختم بسم اللہ“ کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ تاہم جتنی بار کوئی ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھے گا، چونکہ یہ اسمائے الہیہ پر مشتمل ہے، اس لئے اس کا اجر و ثواب ضرور ملے گا۔

نماز قصر

سوال: نماز قصر سے کیا مراد ہے؟ قصر پڑھنے کے لئے کم از کم مسافت کتنی ہے؟ قصر کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے اور قصر کب تک پڑھے؟ (سید اکرم شاہ، اوگی، مانسہرہ)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ
 ”اور جب تم زمین میں سفر کے لئے نکلو تو تمہارے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ تم قصر نماز پڑھو۔“ (النساء: 101)

قصر

اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں فرض نماز میں اپنے بندوں کے لئے تخفیف فرمائی ہے یعنی یہ کہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعات کی بجائے دو پڑھی جائیں۔ فجر و مغرب اور وتر کی رکعات بغیر تخفیف کے پڑھی جائیں گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح منقول ہے۔ مسافر اگر حالت سفر میں ہے یعنی دوران سفر مسافت سفر طے کر رہا ہے تو وہ فرائض کو قصر کے ساتھ پڑھے اور سنتیں چھوڑ دے۔ اور اگر ہے تو وہ مسافر لیکن کسی منزل پر چودہ دن یا اس سے کم مدت کے لئے قیام کر لیا ہے تو وہ فرض تو قصر کے ساتھ پڑھے اور سنت موکدہ پوری پڑھے۔ البتہ فجر کی سنتیں ہر حال میں پڑھنی ضروری ہیں کیونکہ یہ قریب بہ وجوب ہیں، یہی وجہ ہے کہ باقی اوقات کی سنن موکدہ تو بلا عذر بھی بیٹھ کر پڑھی جاسکتی ہیں، اگرچہ کھڑے ہو

کر پڑھنی افضل ہیں، لیکن فجر کی سنتیں بلا عذر بیٹھ کر پڑھنی جائز نہیں ہے۔ فرض نمازوں میں اس اختصار کو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی اصطلاح میں ”قصر“ کہا جاتا ہے۔ یہ ”قصر“ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے بندوں کے لئے ایک طرح کی رخصت و رعایت ہے جسے حدیث پاک میں ”تصدق“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے استفادہ ”شکر نعمت“ اور اسے نظر انداز کرنا ”کفران نعمت“ کی ایک صورت ہے لہذا حالت سفر میں قصر واجب ہے۔

مسافت قصر

کم از کم ”مسافت سفر“ جس کا سفر شروع کرنے سے ”قصر“ واجب ہو جاتی ہے وہ مقدار سفر ہے جو انسان اوسط رفتار سے یا اونٹ کی متوسط رفتار سے اپنی طبعی ضروریات و لوازمات (اس سے مراد مناسب آرام، کھانے اور دیگر حاجات کی تکمیل ہے) اور شرعی فرائض (یعنی نمازوں) کی ادائیگی کے ساتھ تین دن میں طے کرے۔ اس میں آرام کے وقفے کے ساتھ دن کا سفر اور رات کا قیام بھی شامل ہے۔ جدید پیمانے کے مطابق 98.734 کلومیٹر کی مسافت یا اس سے زائد کا سفر کرنے کا ارادہ ہو تو قصر پڑھنا چاہیے۔

آغاز قصر

فقہاء نے لکھا ہے کہ جب اپنی بستی کی شہری حدود سے نکل جائے تو قصر شروع کر دے اور سفر سے واپسی پر جب حدود شہر میں داخل ہو جائے تو پوری نماز پڑھے۔
 رہا یہ مسئلہ کہ حدود شہر کہاں ختم ہوتی ہیں تو فقہائے کرام نے شہر سے باہر قبرستان کو اس کی حد قرار دیا ہے، جیسا کہ اب بھی عموم ادبیات میں ہوتا ہے۔ تاہم بڑے شہروں اور قصبوں میں (جہاں بلدیاتی ادارے قائم ہیں، جیسے کارپوریشن، میونسپل کمیٹی وغیرہ) باقاعدہ حدود شہر کی نشاندہی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

قصر کب تک پڑھے؟

احناف کے نزدیک دوران سفر اگر کسی مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا

ارادہ ہو تو وہاں پوری نماز پڑھے، ایسے مقام کو ”وطن اقامت“ کہتے ہیں۔ اگر پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر پڑھے، خواہ خلاف ارادہ قیام پندرہ دن سے طویل ہی کیوں نہ ہو جائے۔

مسلل تین جمعوں کی نماز چھوڑنے کا حکم

سوال: اگر کوئی مسلمان متواتر تین جمعوں کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو کیا وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟

جواب: جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر مستند کتب احادیث میں ارشاد رسول ﷺ ہے: ”جو شخص (بلا عذر شرعی) محض سستی اور کاہلی سے تین جمعوں کی نماز چھوڑے گا، (اس گناہ کی پاداش میں) اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا“۔ تارک جمعہ کے لئے یہ ایک سخت وعید اور تنبیہ ہے۔ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے سنا، رسول اللہ ﷺ برسر منبر ارشاد فرما رہے تھے، ”لوگ نماز جمعہ چھوڑنے کی عادت سے باز آ جائیں، ورنہ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غفلوں میں سے ہو جائیں گے“۔ ان احادیث کی روشنی میں یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بلا عذر تارک جمعہ اسلام سے خارج ہو جائے گا، البتہ یہ امر بالکل واضح ہے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی اور اپنی اس روش کو نہ بدلاتو خدا نخواستہ وہ قبول خیر اور توفیق اعمال صالحہ کی سعادت سے محروم ہو جائے گا اور یہ اس کی نافرمانی کی سزا کے طور پر ہوگا۔ اللہ جل شانہ، سب اہل ایمان کو ایسے انجام سے محفوظ فرمائے۔

فیکٹری، کارخانے میں نماز جمعہ

سوال: حکومت کی جانب سے جمعۃ المبارک کی چھٹی ختم ہونے کی وجہ سے بعض اداروں اور اسکولوں میں جہاں مساجد نہیں ہوتیں لوگوں کو دفتر سے باہر جانا پڑتا ہے اور بڑے مسائل پیش آتے ہیں، ان حالات میں فیکٹری، کارخانے یا اسکول کی انتظامیہ نماز جمعہ کے لئے اسکول یا فیکٹری کے اندر ہی انتظام کرتی ہے۔ کیا فیکٹری یا اسکول میں نماز جمعہ ہو جائے

گی؟ (قاری محمد صدیق، خطیب مسجد خلفائے راشدین، گلشن اقبال)

جواب: اصولی طور پر شرائط جمعہ میں سے ایک شرط ”اذن عام“ ہے اور اس کی تحقیق کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جامع مسجد کے دروازے سب آنے والوں کے لئے کھلے ہوں۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ اگر دشمن کے خوف سے قلعے کا دروازہ بند ہو، جیسے قدیم زمانے میں شہروں کے ارد گرد حفاظت کی غرض سے شہر پناہ، قلعے اور فصیلیں ہوا کرتی تھیں، لیکن قلعے کے اندر تمام رہنے والوں کے لئے جامع مسجد کے دروازے کھلے ہوں تو وہاں جمعہ پڑھانا جائز ہے۔

آج کل سیکورٹی کے مسائل نہایت شدید ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں اور اداروں میں غیر متعلقہ لوگوں کا بلا اجازت داخلہ بند ہوتا ہے۔ ایوان صدر، ایوان وزیراعظم، گورنر ہاؤسز۔ کے پی ٹی، پاکستان اسٹیل، سیکورٹی پرنٹنگ پریس اور متعدد سول اور رفاہی ادارے اس کی نمایاں مثالیں ہیں اور اب تو تقریباً تمام کارخانوں اور تعلیمی اداروں حتیٰ کہ جامعات میں بھی غیر متعلقہ لوگوں کا داخلہ بند ہے۔ لہذا اگر ان اداروں کے اندر نماز جمعہ کا اہتمام کیا جائے تو جائز ہے کیونکہ ان کے اوقات کار میں اتنا وقفہ نہیں ہوتا کہ لوگ باہر کھلی مساجد میں جا کر نماز جمعہ پڑھیں اور واپس آئیں اور اس میں بہت سی انتظامی دشواریاں ہوتی ہیں۔ کمپنی، کارخانے یا تعلیمی ادارے میں باقاعدہ مسجد ہے تو مسجد اور جماعت دونوں کا ثواب ملے گا اور اگر باقاعدہ مسجد نہیں ہے بلکہ محض کوئی جگہ یا کمرہ نماز کے لئے مختص ہے تو نماز ادا ہو جائے گی۔ جماعت کا بھی ثواب ملے گا لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

کیا نماز جمعہ کی قضاء ہے؟

سوال: کیا نماز جمعہ جو کہ فرض ہے اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائے تو کیا اس کی قضاء پڑھی جائے گی؟

(محمد سہیل، نارتھ کراچی)

جواب: نماز جمعہ فرض عین ہے اس کی فرضیت کا حکم ”سورة الجمعة“ کی آیت 9 میں نازل ہوا ہے۔ نماز جمعہ کے ترک پر احادیث مبارکہ میں بڑی وعید آئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ: ”جس شخص نے غیر اہم اور معمولی بات سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کر دیئے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) تاہم اگر کسی شخص کی نماز جمعہ عذر کی بناء پر (مثلاً سفر، بیماری یا معذوری) یا بد قسمتی سے بلا عذر فوت ہو گئی ہے تو اس پر جمعے کی قضا نہیں ہے بلکہ وہ ظہر کی نماز پڑھے۔

کیا شوہر اپنی بیوی کی میت کو غسل دے سکتا ہے؟

سوال: ایک اخبار میں ایک مفتی صاحب کا یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کی میت کو کوئی محرم نہ ہونے کی صورت میں غسل دے سکتا ہے: کیا از روئے فقہ حنفی یہ مسئلہ درست ہے؟ اور عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو غسل دیا تھا: کیا صحیح روایت سے یہ بات ثابت ہے؟ (کامران قریشی، خداداد کالونی، کراچی)

جواب: اگر کسی خاتون کا انتقال ہو جائے اور کوئی عورت اسے غسل دینے کے لئے دستیاب نہ ہو تو اس کا محرم اسے تیمم کرائے، یعنی بامر مجبوری غسل ساقط ہو جائے گا۔ واضح رہے محرم کسی عورت کے اس مرد قرابت دار کو کہتے ہیں جس کے ساتھ از روئے شرع اس کا نکاح دائمی طور پر حرام ہو جیسے باپ، بیٹا، دادا، پوتا، چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا وغیرہ۔ اور اسی طرح وہ مرد قرابت دار جو رضاعت اور مصاہرت کے رشتے سے محرم بنتے ہیں۔ اگر مرحومہ عورت کا کوئی محرم دستیاب نہ ہو تو اجنبی شخص ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر اسے تیمم کرائے اور اپنی نگاہیں نیچی رکھے۔ مذکورہ بالا مجبوری کی صورت میں شوہر بھی اپنی بیوی کو تیمم کرا سکتا ہے، البتہ اس پر اجنبی شخص کی طرح نگاہیں نیچی رکھنے کی پابندی نہیں ہے (فتاویٰ عالمگیری جلد 1، صفحہ 160، فتاویٰ شامی جلد 1، صفحہ 575) محترم مفتی صاحب نے اخبار مذکور میں یہ مسئلہ غلط لکھا ہے ”کہ شوہر اپنی مرحومہ بیوی کی میت کو غسل بھی دے سکتا ہے اگر محرم موجود نہ ہو“۔

غالباً مفتی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی یا ان سے تسامح ہوا ہے۔ امید ہے کہ وہ اپنے بیان کردہ مسئلے پر نظر ثانی فرما کر اسی اخبار میں تصحیح نامہ شائع کرائیں گے تاکہ لوگوں کو صحیح مسئلہ معلوم ہو جائے۔ اگر بیوی زندگی کی آخری سانس تک شوہر کے نکاح صحیح میں تھی یا شوہر نے

لاق رجعی دے دی تھی لیکن عدت کے اندر بیوی کا انتقال ہو گیا تو مسئلہ وہی ہے جو ہم نے بطور بالا میں درج کیا ہے اور اگر عدت گزرنے کے بعد بیوی کا انتقال ہو یا شوہر نے اسے بائن یا طلاق مغلظہ دے رکھی تھی تو عدت کے اندر انتقال ہونے کی صورت میں بھی شوہر کی حیثیت اجنبی کی سی ہے اور اس کا مسئلہ بھی ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔ شوہر تمام صورتوں میں بیوی کی میت کو کندھا دے سکتا ہے کیونکہ اجنبی مردوں پر بھی کسی عورت کی میت کو کندھا دینے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ البتہ اسے اپنی بیوی کی میت کا چہرہ دیکھنے کی اجازت صرف دو صورتوں میں ہے، ایک اس صورت میں کہ بوقت وفات اس کے نکاح میں تھی اور دوسری اس صورت میں کہ بصورت طلاق رجعی عدت کے اندر اس کا انتقال ہوا ہو۔ بعض لوگوں میں جو مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ اس کے بارے میں امام احمد رضا خان قادری نے لکھا ہے کہ یہ کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ جلد 4، صفحہ 9) مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہار شریعت جلد 4، صفحہ 123 پر یہی مسئلہ درج کیا ہے جو ہم نے تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے۔

ایک سے زائد میتوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی جگہ کئی جنازے اکٹھے ہو جائیں تو سب کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو اس کی صورت ترتیب کیا ہوگی؟

(محمد رضوان الحسن، سیکٹر 11، اے نار تھ کراچی)

جواب: اگر کئی جنازے ایک وقت میں آجائیں تو افضل یہ ہے کہ ان کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائے، سب سے پہلے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو ان سب میں سے افضل ہو، اس کے بعد اسی ترتیب سے ایک ایک کر کے سب کی پڑھی جائے، سب کی نماز جنازہ ایک ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سامنے انہیں ترتیب کے ساتھ آگے پیچھے رکھ لیا جائے جو سب سے افضل ہے وہ امام کے سامنے قریب ترین ہو اور اس کے بعد اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے سب کو رکھ لیا جائے اور نیت باندھتے وقت امام

اور مقتدی سب کی نیت کر لیں۔

نماز جنازہ کی تکرار

سوال: کیا میت کی نماز جنازہ کی تکرار جائز ہے، بار بار پڑھی جاسکتی ہے جس نے کسی میت کی نماز جنازہ ایک بار پڑھی ہو، کیا وہ اسی میت کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے؟
(نصیر اور عابد، ہجرت کالونی، کراچی)

جواب: نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں ہے، فقہاء احناف کا یہی مسلک ہے، البتہ اگر میت کا جو قریب ترین وارث ہے اس نے نہ پڑھی ہو اور کچھ دوسرے لوگوں نے پڑھ لی ہو تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے ایسی صورت میں دوبارہ اس کے ساتھ وہ لوگ شریک جنازہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے پہلی بار نہ پڑھی ہو۔ ولی اقرب نے نماز جنازہ پڑھ لی ہو یا اس کی اجازت سے کسی نے پڑھ لی ہو تو پھر اس کا اعادہ نہیں ہے۔ البتہ اگر پہلی بار نماز جنازہ پڑھی جا رہی تھی کہ نماز باطل ہو گئی، مثلاً جس نے پڑھائی ہو با وضو نہیں تھا تو اس صورت میں سب اعادہ کریں گے۔

میت کا سوگ

سوال: جب کوئی شخص وفات پاتا ہے تو کچھ لوگ مہینوں تک سوگ مناتے ہیں، کیا یہ شرعاً درست ہے؟
(عبدالحمید بلوچ، آسوگوٹھ ملیر، کراچی)

جواب: شرعاً تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں، اسی طرح تعزیت کے لئے آنے والوں کی خاطر میت کے اہل خانہ کا تین دن تک بیٹھنا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔ کسی عزیز کی وفات پر بے اختیار رونا آجائے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو یہ فطرت کا تقاضا ہے اور جائز ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور آپ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، اس پر صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اظہار تعجب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”آنکھ روتی ہے، دل غمگین ہوتا ہے لیکن ہم اپنی زبان سے اپنے رب کی رضا کے خلاف کوئی کلمہ نہیں کہتے“۔ میت پر نوحہ یا مین کرنا

یعنی عورتوں کا اونچی آواز سے رونا منع ہے، اسی طرح سوگ کے طور پر اپنے رخساروں پر تھپڑ مارنا، گریبان پھاڑنا اور زمانہ جاہلیت کے طریقوں کے مطابق ماتم کرنا یا مبالغہ آرائی کے ساتھ میت کا ذکر کرنا منع ہے۔ بیوہ عورت کے لئے شوہر کے سوگ کی مدت چار ماہ دس دن ہے۔ جسے عدت وفات کہتے ہیں لیکن یہ صرف اس حد تک کہ اس عرصہ میں سادہ لباس پہنے، بناؤ سنگھار اور زیب و زینت نہ کرے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سو چار ماہ تک رونے رلانے کا سلسلہ جاری رکھے، سوگ کے لئے بیوہ کو سیاہ لباس پہننا ضروری نہیں۔

کیا میت کی آنکھ سے لینس نکالنے ضروری ہیں؟

سوال: میرے ایک عزیز نے آنکھ کا آپریشن کرا کے کنٹیکٹ لینس لگوائے تھے، ان کے انتقال کے وقت یہ لینس ان کی آنکھوں میں لگے ہوئے تھے، کسی بزرگ نے متوجہ کیا کہ میت کی آنکھوں سے یہ لینس نکال لو ورنہ انہیں قبر میں عذاب ہوگا، چنانچہ ان کے صاحبزادے نے نکال لئے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ بات درست ہے؟ کیونکہ آج کل جدید طب اور سرجری نے اتنی ترقی کر لی ہے، مصنوعی اعضاء بھی لگائے جاتے ہیں، انسانی جسم کے اندر بھی چیزیں فٹ کی جاتی ہیں، ان سب کا کیا حکم ہے؟ کیا موت کے بعد ان کا نکالنا ضروری ہے؟ اگر نہ نکالیں تو ان کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوگا؟ (علی محمد، کیمائری)

جواب: ایسے آلات یا اعضاء جو آپریٹ کر کے بدن کے اندر فٹ کیے گئے ہوں جیسے ٹانگوں میں راڈ یا دل کے لئے بیٹری وغیرہ یا جو بدن کے ساتھ جڑے ہوئے یا چپکے ہوئے ہوں، جیسے آنکھوں میں کنٹیکٹ لینس یا ادانت یا ایسا شخص جس کی آنکھ کا ڈھیلا نہیں ہوتا آنکھ بند رہتی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے میں اس کا چہرہ معیوب لگتا ہے، اس میں مصنوعی ڈھیلا یا قورنیہ فٹ کر دیتے ہیں، جس سے بینائی تو بحال نہیں ہوتی لیکن چہرے کا حسن بحال ہو جاتا ہے، اسی طرح مصنوعی ٹانگیں ہوتی ہیں، موت کے بعد میت کے بدن سے ان کا جدا کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ نظریہ باطل ہے کہ ان کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوگا۔ البتہ اگر مصنوعی ٹانگ ہے جو بدن کے ساتھ جڑی ہوئی یا بانڈھی ہوئی ہے اور کسی قطعہ کو برید یا آپریشن

کے بغیر اسے کھول کر اس لئے جدا کر دیا جائے کہ کسی زندہ ضرورت مند انسان کے کام آجائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اور اگر وہ کسی خیراتی ادارے یا مخیر شخص سے محض برائے استعمال مستعار لی گئی تھی تو پھر تو اسے لازماً جدا کر کے متعلقہ ادارے یا شخص کو واپس کر دینا چاہیے۔ اسی طرح اگر دانت سونے کا ہے اور اسے کسی قطع و برید یا آپریشن کے بغیر (یعنی میت کو ایذا پہنچائے بغیر) وارث مال سمجھ کر نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے، ورنہ چھوڑ دے۔

نماز جنازہ میں تکبیر کا چھوٹنا

سوال: ایک شخص نماز جنازہ میں شریک ہونے سے رہ گیا، جب وہ شخص پہنچا تو ایک تکبیر ہو چکی تھی اس کے لئے کیا احکام ہیں؟

جواب: وہ امام کی اگلی تکبیر کا انتظار کرے، اس تکبیر کے ساتھ اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ شامل ہو جائے، ایک دو یا جتنی تکبیریں رہ گئی ہیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد، اتنی تکبیریں کہہ کر سلام پھیر دے، نماز جنازہ صحیح ادا ہو جائے گا۔

دفن کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کرنا

سوال: میت کو ایک جگہ دفن کرنے کے بعد اس کی قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا، جائز ہے یا نہیں؟ از روئے شرع اس کا حکم بیان کیجئے؟ (ضیاء الدین، چترال)

جواب: فقہائے کرم نے کسی ضرورت شرعیہ کے بغیر ایسا کرنے سے منع کیا ہے، کیونکہ تدفین کے بعد میت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دی جاتی ہے اور وہی اس کے حال کو بہتر جانتا ہے اور تبدیلی احوال پر بھی اسی کو قدرت و اختیار ہے۔ میت کی خبر کھودنے میں اس کا حال افشا ہو سکتا ہے، کیا خبر وہ کس حال میں ہے؟ ضرورت شرعیہ سے مراد یہ ہے کہ بالفرض میت کو غضب شدہ زمین میں دفن کر دیا یا مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کی زمین میں دفن کر دیا اور اس کا مطالبہ ہے کہ میت کو اس کی زمین سے نکالا جائے تو ایسی صورت میں نکالنا یا منتقل کرنا جائز ہے۔

امانتاً میت کو قبر میں دفن کرنا

سوال: بعض اوقات کسی شخص کا انتقال وطن سے دور ہو جاتا ہے اور اسے وقتی طور پر وہاں امانت کے طور پر دفن کر دیتے ہیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ بعد میں اس میت کو قبر سے نکال کر اپنے وطن منتقل کر کے دوبارہ تدفین کی جائے گی۔ کیا ایسا کرنا از روئے شریعت درست ہے؟
(ذوالفقار علی، آزاد کشمیر)

جواب: فقہائے اسلام نے عذر شرعی کے بغیر میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ کسی عورت کا بیٹا دوسرے شہر میں دفن کر دیا گیا ہو اور وہ اس کے لئے بے قرار ہو اور اس کی میت قبر سے نکال کر اپنے شہر منتقل کرانا چاہتی ہو تو اس کی تسکین کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس مسئلے پر ہمارے علماء کا اتفاق ہے۔

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر سے نکال کر دوسرے مقام پر دفن کرنے کے ارادے سے امانت کے طور پر دفن کرنے کی شریعت میں کوئی سند جواز اور اصل نہیں ہے۔ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ”فتاویٰ رضویہ“ میں اس عمل کو حرام قرار دیا ہے۔

میت کے اہل خانہ کے لئے کھانا بھیجنا

سوال: جس گھر میں میت ہوگئی ہو، اس گھر والوں کے لئے کھانا بھیجنے کا شرعی حکم کیا ہے؟
(علی مردان، پشاور)

جواب: صاحب مشکوٰۃ نے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ”موتہ“ سے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا: ”جعفر کے اہل خانہ کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے کہ انہیں (کھانے کے اہتمام کا) ہوش نہیں ہے۔“

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ”میت کے رشتے داروں اور پڑوسیوں کے لئے یہ امر

مستحب ہے کہ میت کے اہل خانہ کے لئے ایک دن کے کھانے کا اہتمام کریں کیونکہ یہ واضح طور پر ایک نیکی ہے اور میت کے پسماندگان کو اصرار کر کے کھانا کھلانا چاہیے۔

ملا علی قاری نے مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں ”طیبی“ کے حوالے سے فقہاء کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ میت کے پسماندگان کے لئے تین دن کے کھانے کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ مدت تعزیت شرعاً تین دن ہے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری نے لکھا ہے کہ تدفین کے دن جو لوگ تجہیز و تکفین اور تدفین کے اہتمام میں مصروف رہے ہوں، وہ بھی اہل میت کے لئے پڑوسیوں، رشتے داروں اور احباب کے بھیجے ہوئے کھانے میں سے کھا سکتے ہیں۔

میت کے گھر ضیافت کا اہتمام

سوال: بعض مقامات پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جس گھر میں میت ہوتی ہے تدفین کے بعد چند روز تک رشتے دار و احباب ان کے ہاں قیام یا آمد و رفت کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں، اہل میت کو خواستہ یا نخواستہ ان کے لئے کھانے وغیرہ کا اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ مزے سے کھاتے رہتے ہیں اور یہ امر اہل میت کے لئے مصیبت کا باعث بن جاتا ہے اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ (سید ظہیر الاسلام قادری، نارتھ ناظم آباد، کراچی)

جواب: ابن ماجہ نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ”ہم اہل میت کے گھر جمع ہونے اور کھانے کے اہتمام کو نوحہ خوانی کی طرح (ممنوع فعل) سمجھتے تھے۔“ صاحب علماء السنن نے علامہ سندھی کے حوالے سے اس روایت کے تحت لکھا ہے کہ اس ”روایت“ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع تھا یا اس روایت کا درجہ ”حدیث تقریری“ کا ہے۔

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے ”اہل میت کے ہاں ضیافت کا اہتمام مکروہ ہے اور یہ بدعت قبیحہ ہے کیونکہ ضیافت خوشی کے مواقع پر کی جاتی ہے نہ کہ رنج کے مواقع پر۔“

ایصالِ ثواب کی حقیقت

سوال: میں نے ایک پمفلٹ میں پڑھا کہ ایصالِ ثواب کا عقیدہ رکھنا کفر ہے اور انہوں نے اس کی وضاحت میں قرآن کی آیت کا ترجمہ لکھا تھا کہ ہر شخص اپنے اعمال لے کر جائے گا اور صرف وہی اس کے کام آئیں گے۔ اس میں لکھا تھا کہ قرآن پڑھ کر ثواب مردوں کو بخشا غلط ہے؟۔

(محمد عرفان المانی، پاکستان چوک، کراچی)

جواب: ”ایصالِ ثواب“ سے مراد اپنے کسی مالی صدقے یا نفلی عبادت کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچانا ہے، یہ ایک جائز اور مستحسن امر ہے اور ائمہ اربعہ کا اس پر اجماع ہے۔ قرآن کی متعدد آیات مبارکہ اور احادیث کریمہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے، اعمالِ صالحہ نجات کا وسیلہ ضرور ہیں، لیکن نجات حقیقی کا انحصار اللہ کے کرم و عنایت پر ہے، کون سا عمل مقبول ہے اور کون سا مردود؟ یہ بھی اسی کے کرم پر منحصر ہے، حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص جنت میں نہیں داخل ہوگا، مگر اس ذات باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے“۔ صحابہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ بھی نہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت کے سائے میں لے لے“۔ سید المرسلین ﷺ کی مغفرت، کلی قطععی کی نوید تو قرآن نے دی ہے بلکہ آپ ﷺ تو گناہگار ان امت کے لئے وسیلہ شفاعت و مغفرت ہیں، اس کے باوجود حضور ﷺ کا یہ فرمانا، تعلیم امت، کمالِ عبدیت کے اظہار اور جلالت باری تعالیٰ کے اقرار کے لئے ہے۔ قرآن کی تلاوت کر کے اس کا ثواب مردوں کو پہنچایا جاسکتا ہے اور پڑھنے والے کو بھی پورا ثواب ملے گا۔

میت کے تر کے سے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ

سوال: بعض اوقات لوگ ظاہر داری کی خاطر میت ہی کے مال سے یا برداری میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے قرض لے کر ایصالِ ثواب، صدقات اور چہلم وغیرہ کے موقع پر کھانے کا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ میت کے ورثاء میں اس کے نابالغ بچے بھی شامل

ہوتے ہیں۔ اس کا شرعی حکم بیان کیجئے؟۔ (عبدالقدیر خان، نئی کراچی)

جواب: میت کی وفات کے بعد اس کے متروکہ مال پر اس کا حق ملکیت ساقط ہو جاتا ہے اور وہ مال اس کے شرعی وارثوں کی ملکیت میں آ جاتا ہے۔ اہل میت کو میت کے متروکہ مال میں وراثت کی تقسیم سے پہلے، تصرف کا حق صرف امور ذیل کے لئے ہے:

(۱) میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے مصارف۔

(۲) مرنے والے کے ذمے کسی کا قرض ہو تو اس کی ادائیگی۔

(۳) مرنے والے نے اگر کوئی وصیت کی ہو تو اس کی تعمیل و تکمیل۔ وصیت کی مقدار ترکے کی مقدار کے ایک تہائی کے برابر ہو، ایک تہائی سے زائد متروکہ پر وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ البتہ اگر ورثاء بالغ ہوں اور وہ برضا و رغبت ایک تہائی سے زائد وصیت کے لئے اپنے اپنے حصے سے دستبردار ہونا چاہیں تو یہ ان کی طرف سے میت کے لئے ایصال ثواب، تبرع اور نفلی صدقہ ہوگا اور اگر کچھ وارث نابالغ ہوں تو جو بالغ وارث تہائی ترکے سے زائد خرچ کرنا چاہے، اس کی ذمہ داری صرف اس کی ذات پر ہوگی۔

اگر سب بالغ ورثاء مل کر یا کوئی ایک وارث اپنی طرف سے یا وصیت کے مطابق شرعی حد میں رہتے ہوئے چہلم یا کسی اور موقع پر کھانے کا اہتمام کریں اور دولت مندوں و فقراء کو کھلائیں تو جائز ہے۔ البتہ انہیں نابالغ وارثوں کی طرف سے یا ان کے حصے میں سے اس طرح کا تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر کریں گے تو اس کا بار صرف ان کی اپنی ذات پر ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ وہ جہنم کی شعلے مارتی آگ میں داخل ہوں گے۔“

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ
ظُلْمًا إِنَّهَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَ
سَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۝ (سورة النساء)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ اتُوا الْيَتَامَىٰ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْا
اَمْوَالَهُمْ اِلَىٰ اَمْوَالِكُمْ ۗ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا
كَبِيْرًا ۝ (سورة النساء: 2)

”اور یتیموں کو ان کا مال دو اور طیب کو
خبیث سے نہ بدلو (یعنی اپنے مال کو جو
تمہارے لئے حلال اور طیب ہے یتیم
کے مال سے نہ بدلو جو تمہارے لئے
ازروئے حکم شرعی حرام اور ناپاک ہے
(یعنی ہوتا یہ تھا کہ یتیم کے سرپرست اپنا
گھٹیا مال یتیم کو دے کر اس کا عمدہ مال
لے لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی
حقیقت بیان فرمائی) اور ان (یتیموں)
کے اموال کو اپنے مال میں خلط ملط کر
کے نہ کھاؤ، بلاشبہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

جو صدقات محض ظاہر داری کے لئے اور اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لئے دیئے جائیں
گے اس کا نہ کرنے والے کو کوئی ثواب اور نہ ہی میت کو اس کا فیض پہنچے گا۔ اجر تو صرف اسی
عمل کا ملتا ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے نہ کہ دکھاوے کے لئے اور پھر ایسے
کام کے لئے اپنے آپ کو بار قرض میں مبتلا کرنا کون سی دانشمندی ہے۔ تاہم اگر محض اللہ
تعالیٰ کی رضا کے لئے صدقہ مطلوب ہو اور اس کے لئے قرض بھی لیا ہو تو یقیناً اجر پائے گا اور
میت کو بھی اجر ملے گا لیکن قرض کی ادائیگی کا بار صرف اس پر ہوگا جس نے قرض لیا ہے،
نابالغ وارثوں پر ہرگز نہیں ہوگا۔

سوئم، دسواں اور چالیسواں

سوال: اسلام میں سوئم، دسویں اور چہلم کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(بشریٰ جعفری، نارتھ ناظم آباد، کراچی)

جواب: اہل سنت کے ائمہ اربعہ کے نزدیک بالاتفاق ایصالِ ثواب جائز ہے۔ یعنی کسی مالی صدقے، نفلی عبادت یا عمل خیر کا ثواب کسی دوسرے مسلمان کو پہنچانا۔ خواہ وہ زندہ ہو یا انتقال ہو چکا ہو۔ اس سلسلے میں بکثرت آیات و احادیث موجود ہیں۔ صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور وہ موجود نہ تھے۔ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہو گئیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو فائدہ پہنچے گا؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“، انہوں نے کہا کہ ”میں آپ ﷺ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی ماں کی طرف سے صدقہ کر دیا“۔ قرآن میں والدین کے لئے، جملہ اہل ایمان کے لئے دعا کی ترغیبات و احکام، نماز جنازہ میں میت کے لئے دعائے مغفرت اسی لئے ہے کہ ایک مومن کے عمل خیر کا فائدہ میت کو پہنچتا ہے۔ سوئم یا چہلم دراصل یہی ایصالِ ثواب ہے۔ خواہ فقراء کو کھانا کھلایا جائے یا قرآن خوانی کر کے ایصالِ ثواب کیا جائے، یا میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کسی مسجد یا دارالعلوم میں صدقہ جاریہ کے طور پر دیا جائے، یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ تیسرے یا چالیسویں دن کا تعین سہولت کے لئے ہوتا ہے، یہ ہرگز ضروری نہیں ہیں۔ ان سے پہلے یا بعد میں بھی ایصالِ ثواب ہو سکتا ہے۔ جیسے ہم آسانی کے لئے شادی وغیرہ کی تقریبات کے دن مقرر کرتے ہیں۔ دینی مجالس، مدارس کے جلسوں یا ختم بخاری وغیرہ کے لئے دن مقرر کرتے ہیں۔ یہ صرف سہولت کے لئے ہے البتہ سوئم یا چہلم کی یہ صورت مناسب نہیں ہے کہ امراء آ کر دعوت طعام سے لطف اندوز ہو کر چلے جائیں اور فقراء کو سرے سے نظر انداز کر دیا جائے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ صرف فقراء و مساکین کو ایصالِ ثواب کی نیت سے دیا جائے۔

مفاد عامہ کے لئے مختص اور ہر قسم کی تعمیرات کیلئے

ممنوع جگہ پر مسجد بنانا

سوال: گلشن اقبال کراچی میں ایک پارٹمنٹس کے مالک نے ایک جگہ پر مسجد تعمیر کرنے

کی اجازت دی جو مفاد عامہ کے لئے کے ڈی اے کی جانب سے مختص ہے، یہ 60 فٹ
 وڑی جگہ ہے جس کے نیچے پانی کی مین پائپ لائن گزر رہی ہے اور اس جگہ کے دونوں
 جانب عرضاً 15 فٹ ایک جانب اور 15 فٹ دوسری جانب یعنی کل 90 فٹ کی چوڑائی
 میں ہر قسم کی تعمیرات ممنوع ہے۔ کے ڈی اے نے بلڈر کو پابند کیا تھا کہ وہ باؤنڈری وال
 میں پر قبضے یا تعمیرات کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تعمیر کرے کہ کوئی اس پر ناجائز تعمیرات اور
 تجاوزات نہ کر سکے۔ لیکن بلڈر کی اجازت سے اس پر باقاعدہ مسجد تعمیر کر لی گئی۔ جب
 ملاقات کے کچھ مکینوں نے متوجہ کیا کہ یہ تعمیر نہ صرف بلا اجازت بلکہ خلاف قانون اور
 خلاف شرع ہے تو مسجد سے وابستہ بعض مذہبی جذباتی لوگوں نے مسجد کے شرعی و قانونی
 پہلوؤں پر متوجہ کرنے والے مکینوں کو شوٹ کرنے کی دھمکی دی۔ دریافت طلب امر یہ ہے
 کہ از روئے شرع و فقہ حنفی کیا:-

(۱) مفاد عامہ کے لئے مختص اور ہر قسم کی تعمیرات کے لئے ممنوع جگہ پر مسجد بنانا جائز ہے
 جب کہ مجاز ادارے سے اس کی نہ اجازت لی گئی ہے، نہ اسے باقاعدہ قانونی شکل دی گئی
 ہے اور نہ ہی ارادے کے افسران اعلیٰ ایسی اجازت دے سکتے ہیں کیونکہ اس کے نیچے مین
 پائپ لائن پانی کی جارہی ہے؟

(۲) کیا یہ تعمیر کردہ شرعاً مسجد ہے اور اس میں نماز پڑھنے والوں کو مسجد میں نماز پڑھنے کا
 ثواب ملے گا؟

(۳) کیا ایسی مسجد بنانے والا عند اللہ اجر کا مستحق ہوگا جب کہ قریب ہی شرعی اور قانونی مسجد
 موجود ہے؟

(۴) مسجد ضرار قرآن میں کسے کہا گیا ہے، کیا ایسی مساجد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے؟

(۵) خالص شرعی مسئلے پر متوجہ کرنے والوں کو جو شخص شوٹ کرنے کی علانیہ دھمکی دے اس کا
 کیا حکم ہے اور اس کی رپورٹ کرنی چاہیے؟

(۶) کیا ایسی تعمیر بلا اجازت و خلاف قانون غضب کے حکم میں نہیں ہے؟

نوٹ: چار صفحات پر مشتمل (مع نقشہ سائٹ پلان و اسٹیج) تفصیلی سوالات کو لفظ بہ لفظ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، یہ خلاصہ اور نچوڑ درج کر دیا گیا ہے۔

(محمد اظہر احمد، محمد ظفر احمد، سید حضور حسین رضوی، گلشن اقبال، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب هو الموفق للصواب

(۱) بر تقدیر صدق سائل صورت مسئلہ میں مسجد ایک ایسی جگہ پر بنائی گئی ہے جو حکومت ملک ہے اور مفاد عامہ میں عملاً زیر استعمال ہے یعنی اس کے نیچے سے پانی کی پائپ لائن گزر رہی ہے، جس میں رد و بدل، توسیع اور مرمت کا حق مستقبل میں بھی متعلقہ حکومتی ادارہ حاصل ہے اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ آئے دن ایسے توسیعی کام ہوتے رہتے ہیں اور مستفتی کے بیان کے مطابق بلڈریا الائی کو زمین کے اس حصے پر باؤنڈری وال کی تعمیر کی ذمہ دار ملکیتی مقاصد کے لئے نہیں بلکہ تجاوزات سے تحفظ کے لئے دی گئی ہے، ایسی صورت میں وہ جگہ بلڈری کی ملکیت نہیں ہے اور نہ غیر مملوکہ زمین پر اس کی جانب سے وقف برائے مسجد اطلاق درست ہو سکتا ہے۔ اور شرعی مسجد کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ غیر حق متعلق نہ ہو، چنانچہ فتاویٰ ردالمحتار جلد 1 صفحہ 255 میں ہے۔

”وفی الواقعات بنی مسجد علی سؤر المدینة لا ینبغی

ان یصلی فیہ لانہ حق العامة فلم یخلص اللہ تعالیٰ

کالمبنی فی ارض مخصوبہ“

یعنی ”الواقعات میں ہے کہ فصیل شہر پر ایک مسجد بنائی گئی ہو تو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ عوام الناس کا حق ہے، تو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی جگہ کو خاص کر دینا جو وقف مسجد کی شرط ہے وہ اس میں نہیں پائی گئی، یہ تو اس مسجد کی مانند ہے جو غضب شدہ زمین پر بنائی گئی ہو۔“ تو جس طرح فصیل شہر کے ساتھ عوام الناس کا حق متعلق ہے بالکل اسی طرح زمین کے اس حصے کے ساتھ بھی ہے جس کے نیچے سے پانی کی پائپ لائن

گزر رہی ہے اور بادی النظر میں ادارے کے مجاز افسران اس جگہ کو بطور مسجد باقاعدہ قانونی شکل یا منظوری دینے کے مجاز بھی نہیں ہیں تا وقتیکہ مفاد عامہ سے وابستہ پانی کی پائپ لائن کو کسی دوسری جگہ منتقل نہ کر دیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے:

”مسجد بنی علی سؤر المدينة قالوا لا یصلی فیہ، لان السؤر حق العامة“۔

جب مجاز اتھارٹی نے استفتاء کے مطابق اس جگہ ہر قسم کی تعمیر کو منع کیا ہوا ہے اور اس کے علی الرغم یہاں مسجد بنائی گئی ہے تو یہ شرعی اور فقہی مسجد نہیں ہے اور اس پر مسجد کے احکام لاگو نہیں ہوں گے جو لوگ علم کے باوجود اس میں نماز پڑھیں گے ان سے فرض تو ساقط ہو جائے گا لیکن ارض مغصوبہ میں تصرف کرنے کے گناہ گار ہوں گے اور ان کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب بہر حال نہیں ہوگا۔

(۲) قرآن مجید نے ”مسجد ضرار“ کی مذمت کرتے ہوئے سورہ توبہ آیات نمبر 107 میں اس کے چار مقاصد شرعی بیان فرمائے ہیں، یعنی (۱) کفر (۲) مسلمانوں کو ضرر پہنچانا (۳) مومنوں میں تفریق پیدا کرنا (۴) مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں کی آماجگاہ بنانا۔ لہذا اگر کوئی مسجد محض رضائے الہی کے لئے نہیں بلکہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے یا کسی مسجد کو ویران کرنے کے لئے بنائی جائے تو شرعاً مذموم بات ہے ایسا کرنے والا اجر سے محروم رہے گا۔

(۳) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ایک مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کی جان، اس کا مال اور اس کی آبرو۔ کسی مسلمان کو قتل کی دھمکی دینا حرام ہے، اگر کوئی خون ناحق کو حلال سمجھ کر کہتا ہے تو یہ کفر ہے، اور اگر حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے کہتا ہے تو فسق ہے اور اس سے فی الفور اسے توبہ کرنی چاہیے۔ اگر ظاہر حال سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ ایسا شخص خدا نخواستہ کوئی عملی اقدام بھی کر سکتا ہے تو اپنے تحفظ کے لئے قانونی اقدامات کرنا ہر شخص کا حق ہے۔ کسی کو جان سے مارنے کی دھمکی دینے کو، سائل کا مذہبی جوش و

جذبے سے تعبیر کرنا غلط ہے، یہ تو دین اور مذہب کے منافی جذبہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو حدود شرع کی حرمت کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اور جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے (یعنی صدائے احتجاج بلند کرے) اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو کم از کم اسے دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

(۵) صحیح مسلم کتاب المساجد کی حدیث نمبر 1075 میں رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کا واقعہ مذکور ہے کہ جب آپ بنی نجار کی بستی میں تشریف لائے اور آپ ﷺ نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا تو بنی نجار کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا کہ ”اپنا یہ باغ مجھے فروخت کر دو۔“ انہوں نے رضائے الہی کیلئے بلا معاوضہ زمین دینے کی پیشکش کی۔ اکمال اکمال المعلم جلد 2 صفحہ 228 پر ہے: واقدی نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عفراء کے دو بیٹوں سے یہ زمین دس دینار کے عوض خریدی تھی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی طرف سے قیمت ادا کر دی تھی، یہ زمین درحقیقت سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی تھی، اس لئے حضور ﷺ نے بلا معاوضہ لینا پسند نہ فرمایا۔ تو مسجد بنانے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل مبارک یہ تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ایک مسجد کی رقم یا مال دوسری مسجد پر خرچ کرنا

سوال: میں ایک مسجد کا جنرل سیکرٹری تھا۔ کمیٹی تبدیل ہو گئی، نئی انتظامیہ خائن لوگوں پر مشتمل ہے۔ میری تحویل میں مسجد کی کچھ رقم ہے لیکن اگر میں رقم انتظامیہ کے ان افراد کو دے دوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ رقم میں خیانت کریں گے، کیا میں یہ رقم کسی اور مسجد میں صرف کر سکتا ہوں؟

(ابن سعید، کراچی)

جواب: کسی مسجد کی رقم یا سامان کا دوسری مسجد میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ کو اندیشہ ہے کہ انتظامیہ کے لوگ اس میں خیانت کریں گے تو خود اس رقم کو مسجد کی کسی

ضرورت پر دیانتداری سے صرف کر دیں۔

مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا چندہ لگانا

سوال: کیا مسجد کی تعمیر میں غیر مسلم کا چندہ لگانا جائز ہے، اگر کسی ادارے میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی ہوں اور ان سے تعمیر مسجد کے لئے چندہ ماہانہ لیا جاتا ہو تو کیا بلا امتیاز اس رقم کا استعمال تعمیر مسجد میں جائز ہے؟
(عبداللہ، کیماری، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”مشرکوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کریں، حالانکہ وہ خود اپنی ذات پر کفر کے گواہ ہیں، وہ ایسے (بد نصیب) لوگ ہیں کہ ان کے اعمال رائیگاں چلے گئے ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اللہ کی مسجدیں تو صرف وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور وہ نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے اور اللہ کے سوا کسی سے خائف نہ ہوئے۔ پس امید ہے کہ وہ لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے۔“

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِهِمْ خُلْدٌ ۖ وَإِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ (التوبہ)

اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی روشنی میں مسجد کی تعمیر و مرمت، تزئین و آرائش اور مصارف میں غیر مسلم کا مال لگانا جائز نہیں ہے، تعمیر مسجد فنڈ میں غیر مسلموں سے رضا کارانہ چندہ لینا یا جبری کٹوتی کرنا، جائز نہیں ہے اور ایسی حاصل شدہ رقم کا مسجد پر لگانا جائز ہے لہذا یہ رقم انہیں واپس کر دینی چاہیے۔ اس پر جملہ مفسرین و فقہاء امت کا اجماع ہے۔

مساجد و مدارس میں تعلیم القرآن کے لئے زکوٰۃ و فطرے کا استعمال
سوال: آج کل کراچی کی بعض مساجد میں اہل محلہ کے بچوں کے لئے تعلیم القرآن کے
 مدارس و مکاتب قائم ہیں، جہاں بچوں کو ناظرہ قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے یا بعض جگہ حفظ کا
 بھی انتظام ہے، مساجد کے منتظمین ان مدارس و مکاتب کے نام پر اہل محلہ سے زکوٰۃ و
 فطرے کی رقوم جمع کرتے ہیں اور اس سے مدرسین کو تنخواہیں ادا کرتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل
 جائز ہے؟ (عبدالرحمن، اورنگی ٹاؤن۔ کراچی)

جواب: زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ صوم، کفارہ قسم، کفارہ صوم، نذر وغیرہ یہ سب صدقات واجبہ
 کہلاتے ہیں۔ قرآن نے زکوٰۃ کا حکم تو بار بار دیا ہے، لیکن زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل بیان نہیں
 کیے۔ یہ تمام تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں لیکن زکوٰۃ کے جس شعبے کو قرآن نے
 تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، وہ شعبہ مصارف زکوٰۃ ہے، یعنی ان افراد، طبقات اور
 مدت کا بیان جن پر زکوٰۃ و فطرہ کی رقوم صرف کی جاسکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَ
 الْعَبْدِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي
 الرِّقَابِ وَالْغُرْمَيْنِ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
 وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَ
 اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ“ (التوبہ)

”صدقات (اموال زکوٰۃ و صدقات
 واجبہ) صرف فقیروں اور مسکینوں کے
 لئے ہیں اور جو انہیں وصول کرنے پر
 مقرر کیے گئے ہیں اور جن کے دلوں کو
 اسلام سے مانوس کرنا مقصود ہے اور
 (غلامی سے) گردنیں آزاد کرانے میں
 اور جو بار قرض تلے دے ہوئے ہیں اور
 جو (کل وقتی) اللہ کی راہ میں (مصروف
 عمل ہیں اور مسافروں کے لئے (یہ
 صدقات) اللہ کی طرف سے مقرر کیے
 ہوئے ہیں اور اللہ بہت جاننے والا بڑی

حکمت والا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں مصارفِ زکوٰۃ اور تمام صدقاتِ واجبہ کے لئے قرآن نے آٹھ مداتِ واضح طور پر مقرر فرمادی ہیں۔ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے (آپ کے دستِ اقدس پر) بیعت کی، زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث بیان کی اور اسی موقع پر یہ واقعہ نقل کیا کہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ عنایت فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کا بیان نہ کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ ہی کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) مقرر کر دیے ہیں، اگر تم ان آٹھ مدات میں سے کسی ایک کے تحت حق دار بنتے ہو تو بتاؤ میں (مالِ زکوٰۃ میں سے) تم کو دے دوں گا۔“

(سنن ابی داؤد) اور تمام صدقاتِ واجبہ کے مصارف متعین ہیں اور کسی کو ان میں رد و بدل کا اختیار نہیں ہے۔ مدارسِ تعلیم القرآن اور مکاتبِ تعلیم القرآن میں مقامی لوگوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہ خود زکوٰۃ اور فطرہ دینے والے ہیں، ان کی تعلیم پر زکوٰۃ و فطرہ کی رقم صرف کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے بچوں کو ٹیوشن پڑھوا کر اس کی اجرت زکوٰۃ اور فطرے سے ادا کی جائے، یہ ناجائز ہے اور اس طرح انسان زکوٰۃ، فطرہ اور فدیے کی ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ مساجد، محلے کی کمیٹیاں یا بعض دینی رفاہی تنظیمات جو ان مقاصد کے لئے زکوٰۃ و فطرہ وصول کرتی ہیں، ان کا یہ عمل قطعاً ناجائز ہے اور اس کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں گے۔

مسجد فنڈ سے چراغاں

سوال: کیا مسجد کے چندے کی جمع شدہ رقم سے میلاد النبی ﷺ یا دیگر ایام مقدسہ پر مسجد میں چراغاں کرنے، جھنڈیاں لگانے پر خرچ کرنا جائز ہے؟ (محمد شہزاد قریشی، نیوکراچی)

جواب: اگر چندہ خاص برائے تعمیر دیا گیا ہو تو متولی یا انتظامیہ پر لازم ہے کہ اسے صرف

تعمیر پر خرچ کرے البتہ جو چندہ مسجد کے مصارف عمومی و مصارف جاریہ کے لئے دیا جاتا ہے جس میں مسجد کے ملازمین کے مشاہرے، مسجد کی مرمت و دیکھ بھال کے مصارف اور نمازیوں کو سہولتوں کی فراہمی مثلاً گیزرو کولر وغیرہ کی فراہمی شامل ہے، اسی طرح آج کل ان مصارف میں ایام مقدسہ کا چراغاں وغیرہ بھی شامل ہے اور چندہ دینے والے اسے دیکھتے ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے لہذا یہ جائز ہے۔

مسجد میں محراب نہیں ہے

سوال: محلے کی ایک مسجد ہے جس میں محراب نہیں ہے اور اس میں جماعت بھی گراؤنڈ فلور کے بجائے پہلی منزل پر ہوتی ہے، لوگوں کو دور سے پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ مسجد ہے، کیا محراب کے بغیر مسجد کا وجود مناسب ہے؟۔ (آغا عبدالوحید خان، گلشن حدید۔ کراچی)

جواب: کسی مسجد کے شرعاً مسجد ہونے کے لئے محراب کا ہونا ضروری نہیں ہے، عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین میں مساجد میں محراب نہیں تھے، مساجد میں محراب کا سلسلہ عہد بنی امیہ میں شروع ہوا ہے، محراب اور مینار کا یہی فائدہ ہے کہ دور سے مسجد کی نشاندہی ہو جاتی ہے اور محراب کے ذریعے وسط مسجد کا تعین ہو جاتا ہے جس سے صفوں کو بنانے اور سیدھا رکھنے میں آسانی ہوتی ہے، تاہم محراب کے بغیر بھی مسجد، مسجد ہی رہے گی اور یہ اس کا کوئی شرعی نقص نہیں ہے، اگر پہلی منزل پر جماعت ہوتی ہے تو یہ بھی جائز ہے، تاہم شرعاً یہ ضروری ہے کہ فرش زمین سے لے کر ماوراء تک وہ مسجد ہی رہے، مسجد کے منافی کسی مصرف میں استعمال نہ کی جائے۔

مسجد میں گیس لیمپ اور ڈیٹول سے غسل

سوال: مسجد میں بدبو کی وجہ سے پیاز، لہسن اور بدبودار چیز کھا کر آنا منع ہے، جب کہ بعض مساجد میں گیس لیمپ جلائے جاتے ہیں اور گیس سے بدبو نکلتی ہے، کیا ڈیٹول سے نہانا جائز ہے؟۔ (محمد شہزاد قریشی، نیو کراچی)

جواب: پیاز، لہسن یا بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت ہے کہ اس سے دوسرے

نمازیوں اور فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے اور یہ چیزیں کچی کھا کر آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جب کہ گیس لیمپ اور سرد علاقوں میں ہیٹر ضرورت کے تحت جلانے جاتے ہیں، ڈیٹول سے غسل کرنا جائز ہے، معمولی سی اسپرٹ انجکشن لگانے کے لئے بھی لگائی جاتی ہے تاکہ زخم نہ بنے، جراثیم مرجائیں اور انفیکشن نہ ہو۔

مصلے کو موڑنا

سوال: کہا جاتا ہے کہ آدمی نماز پڑھتے ہوئے درمیان میں اٹھ کر پانی پینے کے لئے یا کسی کام سے جائے تو ”جائے نماز“ کو تھوڑا موڑ دے ورنہ شیطان اس پر تھوک دیتا ہے۔
(نائلہ، کراچی)

جواب: یہ قول باطل ہے، شریعت میں اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ ”جائے نماز“ بچھا ہوا چھوڑ سکتے ہیں البتہ اگر احتیاطاً لپیٹ کر رکھا جائے کہ اس پر کسی کے ناپاک قدم نہ پڑیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسجد میں سوال کا جواب دینا

سوال: لوگ مسجد میں آتے ہیں تو سلام کرتے ہیں، مسجد میں پہلے سے موجود لوگ نماز، تلاوت یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں، کیا ان سب پر سلام کا جواب دینا ضروری ہے؟
(قاری محمد صدیق، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے، تلاوت کر رہا ہے، ذکر، تسبیح یا درود پڑھنے میں مشغول ہے، دینی کتب کے مطالعے میں مشغول ہے، خطبہ دے رہا ہے، وعظ و تقریر میں مشغول ہے، کھانا کھا رہا ہے تو اسے سلام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کسی نے سلام کیا تو ان پر جواب دینا واجب نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی شخص غسل خانے میں ہے تو اسے سلام نہیں کرنا چاہیے۔ جو لوگ خلاف شرع لہو و لعب، گانے بجانے، کبوتر اڑانے یا کسی علانیہ فسق میں مشغول ہوں تو انہیں بھی سلام نہ کیا جائے کیونکہ سلام تکریم کی علامت ہے اور یہ لوگ شرعاً تکریم و احترام کے مستحق نہیں ہیں۔

غیر مسلموں کا مسجد بنانا

سوال: ایک اخبار میں ایک مولانا صاحب نے ہندو کا مسجد کی تعمیر کے لئے زمین وقف کرنا جائز قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ہندو کے نزدیک مسجد بنانا کارِ ثواب ہے تو اس کا مسجد کے لئے جگہ وقف کرنا صحیح ہے اور اس میں نماز پڑھنا بھی صحیح ہے، چونکہ وہ ایک دفعہ مسجد بن چکی ہے، اس لئے اگر اس کی دوبارہ تعمیر کی بھی ضرورت ہو تو صحیح ہے، کیا یہ جواب شرعاً درست ہے؟۔

(نور نبی، شاہ پور چاکر، سندھ)

جواب: یہ جواب شرعاً درست نہیں ہے، نہ غیر مسلموں کا مسجد تعمیر کرنا جائز ہے اور نہ ہی مسجد کی تعمیر کے لئے مسلمانوں کا غیر مسلموں سے چندہ لینا جائز ہے۔

مختصر ادلائل حسب ذیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”مشرکوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد تعمیر کریں درآں حالیکہ وہ اپنے کفر پر قائم ہوں، ان کے اعمال اکارت ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ کی مساجد تو صرف وہ لوگ تعمیر کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے ہیں۔“

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ ۗ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِهِمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (التوبہ)

اس آیت کے تحت علامہ ابو بکر خصاص اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں: ”اس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ کفار کو مسجد میں داخل ہونے، مساجد کو بنانے، اس کے مصالح کا انتظام کرنے اور اس کا نگران بننے سے روک دیا جائے، کیونکہ لفظ ان دونوں باتوں کو شامل ہے (یعنی تعمیر کرنا اور آباد کرنا)۔“ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں: ”کافر کے لئے مسجد کی تعمیر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مسجد عبادت کی جگہ ہے، پس مسجد

کا معظم ہونا واجب ہے اور کافر مسجد کی توہین کرتا ہے اور اس کی تعظیم نہیں کرتا۔ علامہ علی بن محمد خازن تفسیر خازن میں لکھتے ہیں: ”اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب کر دیا ہے کہ وہ کفار کو مساجد کی تعمیر سے روکیں، کیونکہ مسجدیں تو صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کے لئے تعمیر کی جاتی ہیں، تو جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہو، اس کے لئے مساجد اللہ کی تعمیر جائز نہیں ہے۔“ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: ”مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کفار کو مساجد کی تعمیر سے منع کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مساجد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے بنائی جاتی ہیں، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا منکر ہو اس کو مساجد بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں لکھتے ہیں۔

”جب ذمی (اسلامی مملکت کے غیر مسلم شہری) کسی ایسی چیز کے بارے میں وصیت کریں جو صرف ہمارے نزدیک عبادت ہے اور ان کے نزدیک عبادت نہیں ہے، مثلاً وہ حج کی وصیت کرے یا مسلمانوں کے لئے مسجد بنانے کی یا مسلمانوں کی مساجد میں چراغ روشن کرنے کی تو یہ وصیت بالاجماع باطل ہے۔“ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ”اگر کوئی ذمی اپنے گھر کو مسلمانوں کی مسجد کی طرح مسجد بنادے اور انہیں اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دے اور پھر وہ مر جائے تو وہ گھر اس کے ورثاء کو وراثت میں مل جائے گا (یعنی مسجد نہیں بنے گا) یہ تمام فقہاء کا قول ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی تنقیح الفتاویٰ الحامدہ میں لکھتے ہیں: ”اہل ذمہ کا وقف کرنا جائز نہیں ہے، سوائے ان امور کے جو ان کے اور ہمارے دونوں (مذاہب) کے نزدیک عبادت ہو حتیٰ کہ اگر ذمی اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنادے تو وہ جائز نہیں ہے۔“ ان دلائل کی روشنی میں مساجد کی تعمیر، توسیع اور ضروریات کے لئے غیر مسلموں سے مالی اعانت لینا جائز نہیں ہے، یہودی اور عیسائی تو کافر ہیں، ہندو مشرک ہیں، وہ ہندوستان میں بابر کی مسجد کو شہید کر چکے ہیں، ان کی مذہبی کتب اور عقائد میں یہ کہیں بھی درج نہیں ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کے لئے مسجد بنانا کارِ ثواب اور رضاء الہی کا باعث ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمان باری تعالیٰ

ہے کہ: ”وہ اپنی جانوں پر کفر کے گواہ ہیں“۔ لہذا یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ ہندو تعمیر مسجد کو عبادت الہی اور تقرب الہی کا ذریعہ یا کارثواب سمجھ سکتا ہے۔ مسجد کا تو قیام ہی توحید کے اعلان اور کفر و شرک کے بطلان کے لئے ہوتا ہے۔ ہر روز دعاء قنوت میں ہم اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ”اے اللہ! جو تیرا جفا کار اور تیرا دشمن ہے، ہم اس سے قطع تعلق کا اعلان کرتے ہیں“۔

استخارہ کیا ہے؟

سوال: استخارہ کیا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟ کب تک کرتے ہیں؟ اس کا نتیجہ کیسے معلوم ہوگا؟۔
(فاطمہ بنت عبد اللہ، اقبال، کراچی)

جواب: صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تمام امور میں استخارہ کی تعلیم فرماتے تھے، (اس کا طریقہ وہ یوں بتاتے کہ) جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعا مانگو: ”اے اللہ! میں تیرے علم سے خیر کی رہنمائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت کاملہ سے قوت (فکر و عمل) مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قادر ہے اور میں بے بس ہوں، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میرے معاش، میرے انجام کار اور میرے فوری اور دیر پا فائدے کے اعتبار سے میرے لئے بہتر ہے تو اسے میرے لئے مقدر فرما دے اور اسے میرے لئے آسان فرما دے اور پھر اس میں میرے لئے برکت فرما، اور اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، معاش، انجام کار اور میرے فوری اور دیر پا فائدے کے اعتبار سے میرے لئے برا ہے تو تو (اپنی قدرت سے) اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور اس کے بدلے میں خیر جہاں بھی ہے، اسے میرے لئے مقدر فرما اور پھر میرے دل کو اس پر رضا مند فرما دے“۔

طبرانی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک استخارہ کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا دل کسی ایک بات پر مطمئن ہو جائے۔

استخارہ کے لفظی معنی ہیں؟ ”خیر طلب کرنا“ یعنی ایسا مباح کام جس کے بارے میں انسان کو تردد ہو کہ کروں یا نہ کروں، اس میں مجھے کامیابی ہوگی یا ناکامی، اس کے نتائج میرے لئے مفید ہوں گے یا نقصان دہ۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ دو رکعت نفل پڑھ کر یہ دعاء پڑھے اور اول و آخر درود شریف اور سورہ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد با وضو قبلہ رو لیٹ جائے۔ بعض علماء نے اپنے تجربات کی روشنی میں لکھا ہے کہ اگر خواب میں سفیدی یا سبزی نظر آئے تو اسے مثبت اشارہ سمجھے اور سیاہی یا سرخی نظر آئے تو اسے منفی اشارہ سمجھے۔ لیکن خواب دیکھنا یا خواب میں کچھ نظر آنا، یہ استخارہ کے لئے ضروری نہیں بلکہ اصل چیز ہے معاملے کے کسی ایک رخ کی جانب ذہن کا مائل ہو جانا اور اطمینان قلب۔ جب تک کسی ایک جانب دل کا جھکاؤ نہ ہو اور دل کسی ایک جانب جم نہ جائے یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ جب ایک مرتبہ اطمینان قلب ہو جائے تو پھر اللہ پر توکل کر کے اس کام کو کر دیں۔ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کی تائید، رحمت اور مدد شامل حال ہوگی۔

استخارہ سے فیصلہ

سوال: ایک لڑکی جس کا نکاح پانچ ماہ قبل ہو چکا ہے۔ اس کی رخصتی اور نکاح کو برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ استخارہ پر چھوڑا گیا۔ لڑکی نے استخارہ کیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ حدنگاہ ہریالی ہی ہریالی ہے۔ ایک بزرگ جو سبز لباس پہنے ہیں، ان کے ہاتھ میں سفید تسبیح ہے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور آسمان چھونے کو کہتے ہیں اور کہتے ہیں تمہارا مرتبہ اور مقام یہ ہے۔ رہنمائی فرمائیے؟۔ (نام نامعلوم)

جواب: ”استخارہ“ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے ہوتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے رہنمائی حاصل کی جائے اب جب کہ نکاح ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے اس کی کامیابی کی دعا مانگنی چاہیے حتی الامکان اسے نباہنے کی کوشش کرنی چاہیے، بلا سبب اور بلا جواز نکاح کو ختم کرنا یا خلع و طلاق لینا اچھی بات نہیں تاہم بظاہر آپ کی علامات اچھی ہیں۔ استخارے کی جو بھی تعبیر آئے وہ کوئی قطعی امر نہیں ہوتا۔ استخارے پر عمل نہ کرنے کا

کوئی کفارہ نہیں ہے، استخارہ ان لوگوں کو مفید ہوتا ہے جو ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست نہ ہوں، کمال ایمان یہ ہے کہ انسان اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دے اس کی رضا کو مقدم جانے اور ہر پیش آمدہ معاملے میں اس سے سلامتی، عافیت اور امان کا طلب گار رہے۔

مسجد میں سوال کرنے اور سائل کو دینے کا شرعی حکم

سوال: اکثر جگہ مساجد میں لکھا ہوتا ہے کہ ”مسجد میں سوال کرنا منع ہے“ لہذا بتائیے کہ از روئے شرع مسجد میں سوال کرنے کا حکم کیا ہے اور آیا سائل کو مسجد کے اندر دینا منع ہے یا جائز ہے، ازراہ کرم دلائل کی روشنی میں جواب تحریر کیجئے؟۔ (سید ذاکر شاہ بنگرام، ہزارہ)

جواب: شرعاً اصولی طور پر سوال کرنا ایک انتہائی پسندیدہ امر ہے، لہذا اس کی اجازت صرف ناگزیر حالات میں دی گئی ہے اور ضرورت شدیدہ کے بغیر سوال کرنے یا اسے پیشے کے طور پر اختیار کرنے پر احادیث مبارکہ میں بڑی وعید آئی ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ

النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مِزْعَةٌ لَحْمٍ“

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا، جو شخص لوگوں سے ہمیشہ سوال کرتا رہتا ہے، وہ قیامت کے دن اس

حال میں اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہوگا۔“

(صحیح مسلم صفحہ 33 جلد 1)

(۲) ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ سَأَلَ النَّاسَ

أَمْوَالَهُمْ تَكْثُرًا فَإِنَّمَا سَأَلَ جَبْرًا فَلَيْسَتْ قِلٌّ أَوْ لَيْسَتْ كَثِيرٌ“

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

جو شخص لوگوں سے (ضرورت شدیدہ سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) محض مال و دولت کی کثرت کی ہوس میں مبتلا ہو کر ان کے اموال کا سوا کرتا ہے، تو (ایسی صورت حال میں درحقیقت) وہ جہنم کا انکارہ مانگتا ہے، (اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ) کم پر قناعت کرے یا زیادہ کی خواہش کرے۔

(صحیح مسلم صفحہ 333 جلد 1)

(۳) ”وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِي بِهِ مَالَهُ كَانَ خَمُوشًا فِي وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرِصْفًا يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلِّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ“

”جو شخص (افلاس کی بناء پر نہیں بلکہ) محض مال میں اضافے کے لئے لوگوں سے سوال کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر زخم اور گھاؤ کی شکل میں ظاہر ہوگا اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہ وہاں کھائے گا، اب (پیشہ ور مانگنے والوں پر منحصر ہے) جس کا جی چاہے کم سوال کرے یا چاہے تو زیادہ کرے۔“ (جامع ترمذی)

ان احادیث کی روشنی میں علامہ علاؤ الدین ہسکفی لکھتے ہیں: جس کے پاس ایک دن کی خوراک ہو، خواہ وہ اس کے پاس عملاً موجود ہو یا اس طور پر کہ وہ اس کے کمانے کی استعداد اور مواقع رکھتا ہے تو وہ شخص ایک صحت مند کمانے والے شخص کے حکم میں ہے۔ ایسے شخص کے حال سے واقفیت رکھنے کے باوجود اسے دینے والا گنہگار ہوگا کیونکہ یہ حرام کام میں اعانت ہے، ہاں البتہ کوئی شخص طلب علم یا جہاد میں مشغول ہے (یعنی وہ اپنے معاش کے لئے فارغ نہیں ہے) اور ضرورت مند بھی ہے تو اسے خوراک اور لباس کے لئے دینا جائز ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ شامی صفحہ 94، 95، جلد 2)

رہا یہ سوال کہ شرعاً کن حالات میں سوال کرنا جائز ہے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”إِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيِّ وَلَا لِذِي مِرَّةٍ سِوَى إِلَّا لِذِي

فَقْرٍ مُّذْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُّفْطِعٍ“

”بلاشبہ سوال کرنا نہ تو مالدار شخص کے لئے جائز ہے اور نہ ہی تندرست و توانا شخص کے لئے، ہاں، ایسے مفلس و نادار شخص کے لئے ضرورہً جائز ہے، جسے افلاس نے زمین پر دے مارا ہو یا وہ قرض و تاوان کے کسی بھاری بوجھ تلے دب گیا ہو۔“ (جامع ترمذی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۗ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۗ فَكُنْ رَاقِبَةً ۗ أَوْ

إِطْعَمٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۗ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۗ أَوْ مَسْكِينًا

ذَا مَتْرَبَةٍ ۗ (البلد)

”تو کیوں نہ داخل ہو وہ دشوار گزار گھاٹی میں، اور آپ کیا جانیں کہ (وہ گھاٹی کیا ہے؟) (بار قرض یا غلامی سے) کسی کی گردن چھڑانا، یا (شدید) بھوک کے دن کھانا کھلانا، (خصوصاً ایسے) یتیم کو جو قرابت دار (بھی) ہو، یا خاک بسر (بھوک کے مارے) مسکین کو۔“

اب آتے ہیں زیر بحث مسئلے کی طرف کہ مسجد میں سوال کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ تو ہم اس پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ لَا كُفْرَانَ ۗ (المائدہ)

”تمہارا دوست صرف اللہ ہے، اور اس کا رسول ہے اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں بھی (ہوں تو) زکوٰۃ (صدقہ) دیتے ہیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں اس کا شان نزول بیان کرتے ہوئے علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی نے تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی

شافعی نے تفسیر کبیر میں، علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، حافظ عماد الدین ابن کثیر جنبلی نے تفسیر ابن کثیر میں۔ علامہ احمد شہاب الدین جفاجی حنفی نے عنایت القاضی میں اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی نے تفسیر روح المعانی میں اپنی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک روز صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، ایک شخص نے مسجد میں سوال کیا، اس کو کسی نے نہ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے حالت رکوع میں ہاتھ کے اشارے سے اپنے دائیں ہاتھ کی چھنگلی کی انگوٹھی اس کو دے دی۔

حضرت عبد اللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تم میں سے کسی شخص نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ حضرت ابوبکر نے

عرض کیا: میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک سائل سوال کر رہا تھا، میں نے

عبدالرحمن کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا دیکھا تو میں نے اس سے وہ ٹکڑا لے

کر اس سائل کو دے دیا۔“ (سنن ابی داؤد صفحہ 235 جلد 1)

اب اہم فقہاء احناف اور مستند کتب فتاویٰ سے چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔

علامہ ابراہیم حلبی حنفی لکھتے ہیں:

”وَعَلِمَ مِمَّا تَقَدَّمَ حُرْمَةُ السُّؤَالِ فِي الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ

كَشِدَانِ الضَّلَاةِ وَالْبَيْعِ وَنَحْوِهِ وَكَرَاهَةِ الْإِعْطَاءِ لِأَنَّهُ

يَحِيلُ السُّؤَالَ وَقِيلَ لَا إِذَا لَمْ يَتَخَطَّ النَّاسَ وَلَمْ يَمُرَّ بَيْنَ

يَدَيْ مُصَلٍّ وَالْأَوَّلِ أَحْوَطُ“

”گزشتہ عبارت سے یہ معلوم ہو گیا کہ مسجد میں سوال کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ گم

شدہ چیز تلاش کرنے اور خرید و فروخت کے لئے آواز لگانے کی مثل ہے، اور

ایسے سائل کو دینا اس لئے مکروہ ہے کہ یہ (مسجد میں) سوال کرنے پر ابھارنا

ہے، ایک قول یہ ہے کہ مسجد میں سوال کرنا مکروہ نہیں ہے، بہ شرطیکہ مانگنے والا

لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور نمازیوں کے آگے نہ گزرے، لیکن پہلا قول

زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔
علامہ علاؤ الدین ہسکفی لکھتے ہیں:

”يُكْرَهُ إِعْطَاءُ السَّائِلِ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا إِذَا لَمْ يَتَخَطَّ
رِقَابَ النَّاسِ فِي الْمُخْتَارِ كَمَا فِي الْإِخْتِيَارِ وَمَتْنِ مَوَاهِبِ
الرَّحْمَنِ لِأَنَّ عَلِيًّا تَصَدَّقَ بِخَاتِمَةٍ فِي الصَّلَاةِ فَمَدَحَهُ اللَّهُ
بِقَوْلِهِ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ“

”مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے، ہاں اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو پھر قول مختار کے مطابق وہ مکروہ نہیں ہے، اسی طرح ”اختیار“ اور ”مواہب الرحمن“ میں مذکور ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کی حالت میں انگٹھی صدقہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل کی ”جو لوگ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

(در مختار حاشیہ ردالمختار جلد 5 صفحہ 368)

علامہ ابن عابدین شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اختیار“ میں یہ مذکور ہے کہ اگر سائل نمازیوں کے سامنے سے گزرتا ہے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے تو اس کو دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ لوگوں کو ایذا دینے پر معاونت ہے حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ اس طرح ایک پیسہ دینے کا کفارہ ستر پیسے بھی نہیں ہو سکتے، علامہ طحاوی نے کہا ہے کہ یہ کراہت نمازیوں کی گردنیں پھلانگنے کی وجہ سے ہے جس کو ایذا لازم ہے اور جب وہاں گزرنے کے لئے جگہ کشادہ ہو تو پھر کوئی کراہت نہیں ہے، جیسا کہ اس عبارت کے مفہوم مخالف سے معلوم ہوتا ہے۔“

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی فتاویٰ امجدیہ جلد اول صفحہ نمبر 252 پر لکھتے ہیں:

”مسجد میں سوال کرنے کے متعلق علماء حنفیہ کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ مطلقاً ناجائز، دوسرا یہ کہ چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے اور یہ شرطیں نہ ہوں تو ناجائز

جائز، شرط اول یہ کہ مصلیٰ کے آگے سے نہ گزرے، دوم یہ کہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے، سوم یہ کہ الحاج کے ساتھ سوال نہ ہو (یعنی از حد گڑگڑا کر سوال نہ کرے) چہارم یہ کہ ضرورت کے لئے سوال کرتا ہو، قول دوم کو برازیہ وغیرہ میں اختیار فرمایا اور صاحب درمختار نے بھی کتاب الخطر میں تنہا اسی قول کا ذکر کیا۔

علامہ علاؤ الدین ہسکفی فتاویٰ درمختار میں لکھتے ہیں:

”جس شخص کے پاس ایک دن کی خوراک ہو، خواہ وہ خوراک بالفعل موجود ہو یا اس میں اس کو کما کر حاصل کرنے کی استعداد ہو یعنی یہ کہ وہ تندرست اور کمانے والا ہو، اس کے لئے خوراک کا سوال کرنا جائز نہیں ہے اور اس کو دینے والا اس کے حال کو جانتا ہو تو وہ گنہگار ہوگا کیونکہ وہ ایک حرام کی مدد کر رہا ہے، اور اگر وہ ضرورت مند ہو اور کپڑوں کا سوال کرے یا جہاد یا طلب علم میں مشغول ہونے کی وجہ سے خوراک کا سوال کرے اور وہ ضرورت مند بھی ہو تو یہ سوال جائز ہے اور اس کو دینا بھی جائز ہے (درمختار بر حاشیہ فتاویٰ شامی جلد 2 صفحہ 94، 95)

خلاصہ کلام یہ کہ اگر سائل ضرورت مند ہے، ضرورت وقتی کے لئے بھی اس کے پاس نہیں، وہ کمانے کے قابل بھی نہیں، وقار اور عزت نفس کو قائم رکھتے ہوئے سوال کرتا ہے، نمازیوں کے آگے سے نہیں گزرتا، نمازیوں کی گردنیں نہیں پھلانگتا، گڑگڑا کر اپنی عزت نفس کو مجروح نہیں کرتا، زور زور سے بول کر نمازیوں کی نماز، دعا اور تلاوت و ذکر میں مغل نہیں ہوتا یعنی انہیں ایذا نہیں پہنچتا، تو اسے مسجد میں دینا جائز ہے۔

چنانچہ علامہ امجد علی لکھتے ہیں: ”خلاصہ یہ کہ سائل میں اگر وہ شرائط نہ پائی جائیں تو سوال بھی جائز نہیں اور دینا بھی ناجائز۔“

مسجد کے فنڈ سے امام مسجد کے بیٹے کو وظیفہ دینا؟

سوال: ہماری مسجد کے امام و خطیب تقریباً 50 سال تک مسجد میں امامت و خطابت کرتے

رہے اب انتقال ہو گیا ہے۔ امام صاحب مرحوم کے چار پانچ بیٹے ہیں جو دنیاوی تعلیم وغیرہ پڑھے ہوئے ہیں اور کلین شیو ہیں اور برسر روزگار اور ملازمت وغیرہ کرتے ہیں پوچھنا یہ ہے کہ مسجد کمیٹی امام مرحوم کے صرف ایک بیٹے کو ماہانہ ہزار روپیہ دیتی ہے اور رمضان المبارک میں پانچ چھ ہزار روپیہ دیتی ہے مسجد کمیٹی کے کچھ ممبران اور نمازی حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ مسجد فنڈ سے امام مرحوم کے بیٹے کو بلا وجہ رقم دینا شریعت کے خلاف ہے اور ناجائز ہے۔ ہماری اس مسئلہ میں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں راہنمائی فرمائیے؟۔

جواب: آپ کی مسجد کے متوفی امام و خطیب کے بیٹے چونکہ مسجد کی کسی خدمت سے وابستہ نہیں ہیں، جس کا معاوضہ انہیں مسجد فنڈ سے دیا جائے، اس لئے مسجد فنڈ سے انہیں ماہانہ یا سالانہ رقم یا وظیفہ دینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر مسجد کی انتظامیہ کے افراد یا اہل محلہ اپنے مرحوم امام و خطیب کی طویل خدمات کی قدر دانی یا ان سے حسن عقیدت کی بناء پر ان کی اولاد کے ساتھ تبرع اور احسان کے طور پر مالی مدد کرنا چاہتے ہوں تو وہ اس کے لئے الگ سے فنڈ قائم کریں اور خود بھی حصہ ڈالیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیں، جو رقم اس فنڈ میں جمع ہو جائے، وہ امام صاحب مرحوم کی اولاد کو دے دیں۔

﴿ كتاب الصوم ﴾

کیا روزے کی زبانی نیت ضروری ہے؟

سوال: (۱) اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں روزے کی نیت سے سحری کے لئے اٹھتا ہے، سحری کرتا ہے، باقاعدہ روزہ رکھتا ہے، لیکن زبانی روزے کی نیت نہیں کرتا، کیا اس کا روزہ ہو جائے گا؟

(۲) دل سے روزے کی نیت کی ہے، سحری کے لئے نہیں اٹھتا یا ارادہ تو تھا لیکن سویا ہوا رہ جاتا ہے، لیکن صبح اٹھ کر باقاعدہ روزہ رکھتا ہے، روزے سے رہتا ہے، البتہ لفظاً زبانی نیت نہیں کرتا، کیا اس طرح روزہ ادا ہو جائے گا؟۔ (ضیاء الرحمن، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: نیت دل کے ارادے کا نام ہے اور یہ قلب و ذہن کا عمل ہے، اس لئے عہد رسالت ﷺ میں ان عبادات کے لئے لفظاً نیت کے کلمات مذکور نہیں ہیں، اور ان نفوس قدسیہ کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ ہر وقت اور ہر عبادت میں حضوری قلب، توجہ الی اللہ اور اخلاص و للہیت کی کیفیت سے سرشار رہتے تھے۔ وہ جسم و روح، قلب اور قالب کی یکسوئی، جمعیت اور عزیمت کے ساتھ دوران عبادت بلکہ ہر حال میں ذات باری تعالیٰ کی جانب متوجہ رہتے تھے، اس لئے ان کو لفظاً نیت کی چنداں ضرورت ہی نہیں تھی، بلکہ اسی بنا پر بعض متقدمین نے لفظاً نیت کو بدعت کہا، لیکن متاخرین فقہا کرام اور جمہور علماء امت نے جب یہ دیکھا کہ اب لوگوں میں ”حضوری قلب“ اور ”استحضار نیت“ کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی تو انہوں نے لفظاً نیت کو مستحسن و مستحب قرار دیا تا کہ عبادت گزار کا ذہن اگر کسی اور جانب متوجہ ہے یا بٹا ہوا ہے تو کلمات نیت ادا کرنے سے اصل مقصود یعنی عبادت کی جانب متوجہ ہو جائے۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد گزارش ہے کہ مذکورہ بالا پہلی دو صورتوں میں جب کہ اس شخص کی نیت روزے کی ہے اور عملاً روزہ رکھ رہا ہے، تو لفظاً نیت کے کلمات ادا نہ کرنے کے باوجود روزہ صحیح طور پر ادا ہو جائے گا اور اجر میں کوئی کمی واقعی نہیں ہوگی، اور پہلی صورت میں تو اس کا سحری کے لئے اٹھنا اور سحری کرنا یہ بین طور پر اس کی نیت صوم پر دلالت کرتا ہے، ہاں البتہ اگر کوئی شخص نیت صوم و نیت عبادت کے بغیر بھوکا پیاسا رہے تو یہ روزہ

نہیں ہوگا بلکہ فاقہ کشی ہوگی۔

روزہ اور غسل واجب

سوال: غسل واجب تھا، لیکن تاخیر سے اٹھنے کے باعث وقت کی اتنی گنجائش نہیں کہ غسل کر کے سحری کریں، تو کیا حالت جنابت میں سحری کرنا اور روزے کا شروع ہو جانا جائز ہے؟
(غلام یاسین، کورنگی، کراچی)

جواب: اگر ایسی صورت حال درپیش ہو تو ہاتھ دھو کر کلی کر کے سحری کر لیں اور سحری ختم ہونے کے بعد سہولت کے مطابق غسل کر لیں، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، اسی طرح دن میں سوتے میں غسل واجب ہو جائے تو یہ روزے کے منافی نہیں ہے۔ البتہ غسل جنابت میں اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ ایک فرض نماز کا وقت نکل جائے۔

سائرین، ٹی وی کے اعلان یا اذان پر سحری کا اختتام

سوال: سحری کا وقت ختم ہونے کا علم گھڑی، سائرین، ٹی وی، ریڈیو کے اعلان یا اذان پر روزہ بند کرنا چاہیے؟

جواب: سحری کا وقت ختم ہونے کا علم گھڑی، سائرین، ٹی وی، ریڈیو کے اعلان یا اذان جس ذریعے سے بھی ہو جائے فوراً کھانا پینا بند کر دینا چاہیے کیونکہ یہ تمام ذرائع ظن غالب کا سبب ہیں۔ ان میں سے جس ذریعے سے بھی معلوم ہو جائے، کھانا پینا فوراً بند کر دینا چاہیے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک سائرین بج رہا ہے یا جب تک اذان جاری رہے ہم کھاپی سکتے ہیں یہ درست نہیں ہے، یہ تمام علامات اختتام سحری ہیں اس لئے سائرین یا اذان شروع ہوتے ہی کھانا پینا بند کر دینا چاہیے کیونکہ اذان ختم ہونے میں بعض اوقات تین چار منٹ لگ جاتے ہیں، اختتام اذان تک کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو جائے گا، احتیاط کرنی چاہیے۔

شوال المکرم کے چھ روزے

سوال: شوال المکرم کے چھ روزوں کی، جنہیں عرف عام میں شش عید کے روزے کہا

تا ہے، شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ روزے عید الفطر کے متصل رکھنا ضروری ہیں یا وقفے سے اور تسلسل کے بغیر بھی رکھے جاسکتے ہیں؟۔ (کامران قریشی، گلستان جوہر، کراچی)

جواب: صحیح مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے عمر بھر روزہ رکھا“۔ یعنی اس کے صلے اور انعام کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اسے دائمی روزے کا اجر عطا ہوگا۔ اس حدیث مبارک کی رو سے عید الفطر کے بعد شوال المکرم کے چھ روزے رکھنا مستحب ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے فتح القدر کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ چھ روزے عید الفطر کے بعد متصل اور مسلسل نہ رکھے جاسکیں تو متفرق طور پر رکھنا بھی باعث اجر ہے۔

روزے میں جھوٹ، غیبت اور چغلی کا حکم

سوال: روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص جھوٹ بولے، غیبت کرے یا کسی کی چغلی کھائے تو کیا اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا؟

(محمد ناصر، چشتی نارتھ، کراچی)

جواب: جھوٹ، غیبت، چغلی وغیرہ ویسے بھی قبیح گناہ ہیں اور قرآن مجید میں ان گناہوں کی شدید مذمت بھی فرمائی گئی ہے اور ان پر عذاب کی وعید بھی سنائی گئی ہے۔ روزے کی حالت میں ان گناہوں کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، ان معاصی کے ارتکاب سے اگرچہ روزہ فقہی طور پر فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو بے پایاں اجر رکھا ہے، اس سے انسان محروم ہو جاتا ہے، چنانچہ احادیث مبارکہ میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے کہ:

(۱) ”جو شخص (روزہ رکھنے کے باوجود) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہے“۔ (صحیح بخاری)

(۲) ”جب تم میں سے کوئی روزے دار ہو تو نہ بیہودہ باتیں کرے اور نہ ہی چیخے چلائے، اگر کوئی اس کے ساتھ گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑے پر اتر آئے تو کہہ دے (بھائی مجھے معاف

کرو) میرا روزہ ہے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) ”بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا۔“ (الغرض حقیقی اور کامل روزہ وہی ہے جس میں انسان تمام فواحش، منکرات اور برائیوں سے بچے)

روزے کی حالت میں خون دینا، آنکھ کان میں دوا ڈالنا وغیرہ

سوال: روزے کی حالت میں خون دینا، گلوکوز چڑھانا، آنکھ کان میں دوا ڈالنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ (عائشہ اقبال و شازیہ ڈینیئل منظور کالونی، کراچی)

جواب: روزے کی حالت میں روزے دار کو خون یا گلوکوز چڑھانا، انس یا پٹھوں میں انجکشن لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ میں اس پر ایک مفصل مضمون لکھ چکا ہوں جو اسی کتاب میں ”مفسدات صوم“ کے عنوان سے شامل ہے۔ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا جب کہ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ دلائل میرے مذکورہ بالا مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔

نوٹ: (یہ مضمون صفحہ 192 پر موجود ہے)

روزے کی حالت میں خواتین کا میک اپ کرنا

سوال: روزے کی حالت میں خواتین کا میک اپ کرنا، لپ اسٹک لگانا، ہیر کٹنگ کرانا کیا ہے؟ (عائشہ اقبال و شازیہ ڈینیئل منظور کالونی، کراچی)

جواب: روزے کی حالت میں خواتین کا میک اپ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ غیر محرم مردوں کے سامنے بے پردگی اور نمود و نمائش مقصود نہ ہو، لپ اسٹک لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس کے اجزاء ترکیبی میں کوئی ناپاک چیز شامل نہ ہو اور اگر لپ اسٹک واٹر پروف ہے اور اس کے لگے رہنے کی وجہ سے ہونٹوں کی جلد وضو کے دوران پانی سے تر نہیں ہوتی تو وضو ادا نہیں ہوگا، اور ایسے نا تمام وضو سے نماز صحیح ادا نہیں ہوگی اور جو چیز کسی شرعی فرض کی صحت ادا میں مانع بن جائے وہ جائز نہیں ہے۔ ہیر کٹنگ اگر معمولی مقدار میں ہو مثلاً لمبائی میں بالوں کو برابر رکھنا

تو اس حد تک جائز اور اگر اتنی اتنی مقدار میں ہو جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہو تو ناجائز ہے۔ حدیث پاک میں عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں کو لعنت کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔

روزے میں مسواک کا حکم

سوال: کیا روزے کی حالت میں مسواک کرنا جائز ہے؟ اسی طرح سے ٹوتھ پیسٹ یا ٹوتھ پاؤڈر سے دانتوں کو برش کرنے کا شرعاً حکم کیا ہے؟

(سید ذاکر شاہ، سعید آباد، بلدیہ ٹاؤن، کراچی)

جواب: روزے کی حالت میں مسواک کرنا جائز ہے بلکہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنا سنت اور باعث جزا ہے، برش کا حکم بھی مسواک ہی کی طرح ہے، البتہ اس بات کی احتیاط کریں کہ پاؤڈر یا پیسٹ کے ذرات حلق میں نہ جائیں۔

روزے میں خون دینے کا حکم

سوال: کیا روزے کی حالت میں کسی ضرورت مند مریض کو خون دینا جائز ہے؟

(عنایت اللہ، فرنٹیئر کالونی)

جواب: روزے کی حالت میں ضرورت مند مریض کو خون دینا جائز ہے، اسی طرح بلڈ ٹیسٹ کے لئے بھی خون نکالنا جائز ہے۔ البتہ اتنا زیادہ خون نہ نکالا جائے کہ روزے کی استطاعت باقی نہ رہے۔

روزے میں VICKS لگانے کا حکم

سوال: بعض اوقات نزلہ، زکام ہوتا ہے تو ناک میں Vicks لگاتے ہیں، کیا اس سے

(کامران، گلشن اقبال)

روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب: Vicks ایک قسم کا کیمیکل ہوتا ہے اسے جب ناک کے نتھنوں کے اندر لگاتے ہیں تو کیمیکل کے اجزاء حلق کے راستے اندر جاتے ہیں لہذا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

البتہ ایسی Vicks جو سردرد کی صورت میں پیشانی پر لگائے جاتے ہیں یا کسی اور عضو میں درد ہو تو اس پر لگائے جاتے ہیں اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیونکہ بدن کے مساموں کے ذریعے، پانی، تیل یا کوئی اور چیز اندر جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

روزے میں آنکھ، ناک، کان میں دوا کا استعمال -

سوال: حالت روزہ میں آنکھ، کان یا ناک میں دوا ڈال سکتے ہیں؟

(محمد عدیل الدین، کراچی)

جواب: عام طور پر موجودہ دور کے اہل فتاویٰ کی رائے یہ ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی منفذ (Route) نہیں ہے اور ناک اور کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ناک کا مسئلہ تو بالکل واضح ہے، قدیم فقہاء کی رائے یہ تھی کہ چونکہ کان اور معدے کے درمیان منفذ (Route) ہے اس لئے کان میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن جدید طبی تحقیق اور علم تشریح الاعضاء (اناٹومی) کی رو سے یہ رائے درست نہیں ہے، جدید تحقیق یہ ہے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان منفذ (Route) ہے اور کان اور حلق کے درمیان منفذ (Route) نہیں ہے لہذا آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور کان میں دوا ڈالنے سے نہیں ٹوٹے گا۔

”مفسدات صوم و جدید مسائل“

مسلم فقہی اصولوں اور جدید طبی تحقیقات کی روشنی میں بعض مسائل پر نظر ثانی کی ضرورت:

قرآن و سنت اسلامی شریعت کی اساس اور فقہی احکام کے استنباط و استخراج کی بنیاد ہے۔ قرآن و سنت کی نصوص صریحہ قطعیہ ناقابل تنسیخ، غیر متبدل اور نافذ العمل رہیں گی۔ ہمارے ائمہ مذاہب، ائمہ مجتہدین اور فقہاء کرام نے ایسے اصول وضع کیے ہیں جن کی روشنی میں ہر دور میں پیش آنے والے شرعی مسائل کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے، کیونکہ قرآن و سنت کی قیامت سرچشمہ ہدایت اور مآخذ قانون رہیں گے۔

جدید طبی اور سائنسی تحقیقات کا دروازہ کھلا ہے اور کھلا رہے گا، مسلمہ فقہی اصول یہ ہے کہ جدید طبی اور سائنسی تحقیقات کی بابت ان شعبوں کے ماہرین کی آراء بطور سند اور حجت تسلیم کی جاتی رہیں گی، البتہ ان مسلمہ طبی اور سائنسی آراء کی روشنی میں ان کے بارے میں فقہی اصولوں کے تحت شرعی احکام کا اطلاق و انطباق فقہاء عصر کا کام ہے۔

علم تشریح الاعضاء (Anatomy) میں حیرت انگیز ترقی دور جدید کا کارنامہ ہے۔ آج تقریباً ہر انسانی عضو کی ہیئت اور ساخت کے بارے میں ”عین الیقین“ کی حد تک معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ جب کہ چند صدیاں قبل ان کے بارے میں محض ظن غالب کی بنیاد پر رائے قائم کر کے مسائل وضع کیے گئے تھے۔ مثلاً ایک مختلف فیہ مسئلہ فقہ حنفی کی تمام مستند و معتبر کتب فتاویٰ میں درج ہے کہ آیا ”مثانہ پیشاب“ میں جو پیشاب جمع ہوتا ہے، یہ مسامات کے ذریعہ رس کر آتا ہے یا مٹانے اور پیٹ کے درمیان کوئی سوراخ یا قدرتی نالی ہے؟ امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے یہ تھی کہ کوئی نالی نہیں ہے۔ امام ابو یوسف کی رائے تھی کہ نالی ہے۔ امام محمد اس مسئلے میں متذبذب تھے، اسی ظن و تخمین کی بنیاد پر ان ائمہ عظام نے مسائل وضع فرمائے۔ اس مسئلے پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جلیل القدر فقیہ علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدر نے فرمایا کہ یہ بنیادی طور پر فقہ کا نہیں بلکہ طب کا مسئلہ ہے، اگر اس عضو کی تشریح پر ان ائمہ کا اتفاق ہوتا تو ان کا فقہی مسئلہ وضع کرنے میں بھی کوئی اختلاف واقع نہ ہوتا۔

اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث میں فساد صوم کا جو اصل الاصول رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ: ”روزہ (بدن میں) کسی چیز کے داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے، خارج ہونے سے نہیں ٹوٹتا“۔ ہمارے قدیم فقہاء کی ایک رائے یہ تھی کہ دماغ اور معدے کے درمیان نالی (Passage) ہے، لہذا اگر کوئی چیز خارج سے دماغ میں پہنچ گئی تو اس راستے سے معدے میں از خود پہنچ جائے گی۔ پس ثابت ہوا کہ دماغ میں کسی سوراخ یا گہرے زخم کے ذریعے دوا یا غذا پہنچنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا،

اب تازہ ترین طبی تحقیق یہ ہے کہ دماغ اور معدے کے درمیان کوئی روٹ یا نالی نہیں ہے، لہذا اس قطعی طبی تحقیق کی روشنی میں علماء کو یہ فتویٰ دینا چاہیے کہ دماغ میں کوئی دوا یا غذا پہنچنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

معدے تک کوئی دوا یا غذا پہنچنے کے منافذ طبیعہ (Physical Passage or Route) منہ، ناک، دبر اور قبل ہیں۔ ہمارے قدیم فقہاء کی رائے یہ تھی کہ کان کے راستے سے معدے تک نالی ہے، جس کی وجہ سے کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور ہمارے موجودہ دور کے فقہاء بھی یہی فتویٰ دیتے چلے آ رہے ہیں، لیکن تازہ ترین طبی تحقیق یہ ہے کہ کان اور معدے کے درمیان کوئی منفذ (Route) نہیں ہے، لہذا ہمارے اہل فتویٰ کو اس مسئلے پر نظر ثانی کر کے یہ فتویٰ دینا چاہیے کہ کان میں دوا یا تیل ٹپکانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اگر کسی کے کان کا پردہ پھٹا ہوا (Damage) ہے تو پھر کان میں دوا یا تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح ہمارے قدیم فقہاء کا خیال تھا کہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے، لہذا اب تک ہمارے علماء کرام یہی فتویٰ دیتے چلے آ رہے ہیں کہ آنکھ میں سرمہ لگانے اور دوا ٹپکانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن تازہ ترین طبی تحقیق یہ ہے کہ آنکھ اور حلق کے درمیان راستہ ہے۔ آنکھ کے ڈھیلے کے پیچھے غدودوں سے قدرت کے خود کار نظام کے تحت نمکین پانی رستار ہوتا ہے جو دافع عفونت (Antiseptic) اور جراثیم کش (Antibiotic) ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خلاقیت کا کرشمہ ہے کہ یہ نمکین پانی آنکھ کی تطہیر کرتا ہے، مختلف عوارض سے اس کا تحفظ کرتا ہے اور آنکھ کے گوشے میں دو باریک نالیوں کے ذریعے حلق میں چلا جاتا ہے، جب کہ ہمارے قدیم فقہاء کا خیال یہ تھا کہ حلق میں جو دوا یا سرمے کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے یہ مساموں کے ذریعے حلق میں اترتے ہیں، لہذا جب روٹ یا نالی موجود ہے، اس کا سائز یا قطر (Diameter) موضوع بحث نہیں ہے تو اب ہمارے علماء کو یہ فتویٰ دینا چاہیے کہ آنکھ میں دوا ٹپکانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس اصول کے تحت

سرمہ لگانے سے بھی ٹوٹا۔ لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے اور وہ شارع مجاز ہیں۔ لہذا خلاف قیاس استحسانا سرمے کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔

دمہ (Inthmus) کے مریض کے پھیپھڑوں کی نالیاں سکڑ جاتی ہیں اور انہیں سانس لینے میں شدید دشواری پیش آتی ہے ایسی صورتحال میں وہ (Inhaler) استعمال کرتے ہیں جس کے ذریعے ناک اور حلق کے راستے گیس اور مائع باریک بوندوں کی شکل میں دوا کے اجزاء مریض کے پھیپھڑوں میں پہنچتے ہیں اور نالیاں کھل جاتی ہیں اور مریض آسانی سے سانس لینے لگتا ہے۔ لہذا Inhaler کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اگر دمہ کا مریض اس اسٹیج پر ہے کہ Inhaler کے استعمال کے بغیر مریض کا دن گزارنا مشکل ہے تو وہ معذور ہے اور روزے کے بدلے میں فدیہ دے۔

ہمارے قدیم فقہاء کرام نے مفسدات صوم کی تین صورتیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ صورتاً اور معنی دونوں طرح وہ مفسد پایا جائے، جیسے مباشرت، دوسرے یہ کہ صرف معنی مفسد پایا جائے صورتاً نہ ہو، جیسے استمنا بالید، تیسرے یہ کہ محض صورتاً پایا جائے معنی یعنی مقصود کے اعتبار سے نہ ہو، جیسے بوس و کنار سے انزال ہو جائے۔ پہلی صورت میں کفارہ ہے اور چھٹی دو صورتوں میں صرف قضا لازم ہے۔ اسی طرح ٹھوس یا مائع خوراک میں یہ تینوں صورتیں صادق آتی ہیں۔ اول یہ کہ صورتاً اور معنی دونوں طرح وجہ فساد پائی جائے۔ جیسے انسان معمول کے مطابق روزے کی حالت میں ٹھوس یا مائع غذا منہ کے ذریعے کھائے یا پیئے، دوم یہ کہ محض صورتاً وجہ فساد پائی جائے جیسے کوئی شخص کاغذ چبا کر حلق سے اتار لے اور سوم یہ کہ صرف معنی یعنی مقصدیت کے اعتبار سے مفسد پایا جائے۔ جیسے پٹھوں (Muscular) میں یارگوں (Veins) میں انجکشن لگایا جائے۔ پہلی صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور آخری دو صورتوں میں قضا لازم آئے گی۔ انجکشن کے مفسد صوم ہونے کے بارے میں ہمارے دور حاضر کے علماء مختلف رائے ہیں، جو اس نظریے پر سختی سے کاربند ہیں کہ منفذ

معتاد (Usual Route) کے ذریعے (یعنی منہ، ناک وغیرہ) اگر معدے میں کوئی چیز پہنچے گی تو روزہ ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں، وہ بدستور یہی رائے رکھتے ہیں کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ انجکشن سے براہ راست معدے تک کوئی چیز نہیں پہنچتی۔ لیکن جو علماء وجہ فساد یا ذریعہ فساد کی معنویت اور مقصدیت کو پیش نظر رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نس یا پٹھے میں انجکشن لگانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ عام طریقے سے غذا معدے میں پہنچنے کے بعد تحلیل (Dissolve) ہوتی ہے اور اس کے صالح اجزاء گلوکوز، حیاتین (Vitamins) لحمیات (Proteins) اور معدنیات (کیلشیم، فاسفورس، آئرن وغیرہ) کی شکل میں خون میں شامل ہو کر انسان کی رگوں، پٹھوں اور دیگر اعضاء میں پہنچ کر انہیں قوت و طاقت اور قوام (Sustenance) عطا کرتے ہیں، جو مقصد بالواسطہ اور طویل جسمانی عمل ہضم (Digestion) اور ترسیل خون کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ بالکل وہی مقصد انجکشن کے ذریعے براہ راست حاصل ہو جاتا ہے، لہذا اہل فتویٰ علماء کرام سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس مسئلے میں از سر نو غور فرمائیں اور انجکشن کو معنی مفسد صوم قرار دیں۔ ماہرین فقہ علماء کرام جدید ماہرین طب سے رابطہ کر کے ہماری پیش کردہ ان طبی و سائنسی معلومات اور ان سے اخذ کردہ فقہی نتائج پر بہتر طور پر رائے قائم کر سکیں گے۔ علم و اجتہاد اور تفقہ کا دروزہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ بند ہوگا۔ ایسی جدید طبی و سائنسی تحقیقات جو علم الیقین اور عین الیقین کی حد تک طے شدہ ہیں، انہیں تسلیم کر کے ان پر مسلمہ فقہی اصولوں کے اطلاق و انطباق (Application) کے سلسلے میں بالخصوص ایسے مسائل میں غور و فکر ہمارا دینی فریضہ ہے جو ہمارے قدیم فقہاء کرام نے محض ظن و تخمین (Estimation) کی بنیاد پر طے فرمائے تھے۔ انجکشن کے مفسد صوم ہونے کی تفصیلی بحث مع ادلہ شرح صحیح مسلم جلد اول و جلد ثالث (مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی) میں مطالعہ کی جاسکتی ہے۔ حدیث و فقہ کے تفصیلی حوالہ جات سے ہم نے دانستہ احتراز کیا ہے کیونکہ اخبار کے صفحات اور مزاج اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

بچے کی ولادت کے کتنے دن بعد روزہ رکھا جائے

سوال: میری بیوی کے بیٹا ہوا اور جلد وفات پا گیا۔ اگر اس کا خون پندرہ یا بیس دن میں بند ہو جائے گا تو کیا وہ رمضان کا روزہ رکھ سکتی ہے اور شوہر کی اس سے قربت ہو سکتی ہے؟
(عبداللہ خان، کراچی)

جواب: بچے کی پیدائش کے بعد زچہ کو جو خون جاری ہوتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں اس کی زیادہ سے زیادہ ممکنہ مدت چالیس دن ہے، خواہ بچہ پیدا ہوتے ہی مر گیا ہو یا زندہ ہو، یعنی اگر بچے کی پیدائش کے چالیس دن گزرنے کے بعد بھی خون جاری رہے تو یہ نفاس کا خون نہیں ہے بلکہ یہ نسوانی بیماری ہے۔ لہذا زچہ کو ایسی صورت میں چالیسواں دن پورا ہونے کے بعد غسل کر کے پاک ہو جانا چاہیے۔ وہ روزے بھی رکھے اور نماز بھی پڑھے، ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرے، خون بہنے میں وقفہ نہ بھی ہو تو نماز اور روزہ ادا ہو جائیں گے۔ لیکن نفاس کی کم از کم مدت کوئی مقرر نہیں ہے، یہ مختلف اشخاص کی جسمانی صلاحیت، عادت، مزاج اور صحت پر موقوف ہے۔ لہذا جب زچہ کا خون، جو بچے کی پیدائش کے بعد جاری ہوتا ہے، بند ہو جائے، خواہ پانچ دن بعد ہو، دس دن بعد ہو یا بیس دن بعد ہو، اسی دن سے نفاس کی مدت ختم ہو جائے گی اور ایسی خاتون کو غسل کر کے پاک ہو جانا چاہیے اور نماز روزے کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔ چالیس دن کی مدت پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح پاک ہونے کے بعد اس سے شوہر کی قربت بھی جائز ہے۔

قضا روزے

سوال: گزشتہ سال کے قضا روزے اگلے رمضان المبارک کے آغاز سے قبل ہی ادا کرنے ضروری ہیں یا بعد میں بھی ادا کیے جاسکتے ہیں ان کی نیت کس طرح کی جاسکتی ہے اور قضا نمازوں کے لئے بھی شرعی طور پر کیا حکم ہے؟ (ثوبیہ نازش و عائشہ اقبال، ناظم آباد، کراچی)

جواب: رمضان المبارک کے قضا روزے، رمضان کے بعد اولین فرصت میں ادا کرنے چاہئیں کسی کے پاس یہ گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اگلے سال رمضان تک لازمی طور پر زندہ

رہے گا۔ تاہم اگر کسی نے بد قسمتی سے گزشتہ رمضان المبارک کے قضا روزے آئندہ رمضان تک ادا نہیں کیے تو اس کے بعد ادا کرے۔ قضا نمازیں بھی اولین فرصت میں ادا کرے۔

ایام مخصوص میں چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا اور نماز کی معافی

سوال: میں ایک ڈاکٹر ہوں اور ایک مسئلے کے لئے عرصے سے پریشان ہوں، ایام مخصوص میں عورت کی جو نمازیں رہ جاتی ہیں وہ معاف ہیں اور اس پر ان کی قضا لازم نہیں ہے جب کہ ان ایام میں اس کے جو روزے چھوٹ جاتے ہیں، اس پر ان کی قضا لازم ہے۔ دونوں کے احکام میں تفاوت کیوں ہے جب کہ دونوں بدنی عبادات ہیں؟

جواب: صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ حضرت معاذہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ”کیا وجہ ہے کہ خالص عورت ایام مخصوص میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرتی ہے مگر ان دنوں کی چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں کرتی؟“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”کیا تو حرور یہ ہے“ (معاذہ کہتی ہیں کہ) میں نے جو اباً عرض کیا ”میں حرور یہ نہیں ہوں۔ میں تو محض مسئلہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ”حضور انور ﷺ کے زمانے میں جب ہمیں یہ ایام آتے تو ہمیں روزوں کی قضا کا حکم تو دیا جاتا تھا اور نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔“

صحیح مسلم ہی کی ایک اور حدیث میں ہے۔ حضور ﷺ نے فاطمہ بنت حبیش سے فرمایا ”تب تمہیں حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دو اور جب ایام ختم ہو جائیں تو غسل کر کے (پاک ہو جاؤ اور) نماز شروع کر دو۔“

حدیث میں ”حرور یہ“ کا تذکرہ ہے، اس سے مراد خوراج ہیں، کیونکہ کوفہ کے قریب ایک مقام ”حروراء“ تھا جہاں پہلی بار جمع ہو کر خوراج نے اپنی تنظیم قائم کی تھی۔ یہ اسلام کی جمعیت سے خروج کرنے والا ایک انتہا پسند گروہ تھا اور یہ اپنے دور کے ”انارکسٹ“ تھے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معاذہ سے پوچھا تم اس طرح کا سوال کر رہی ہو، کہیں تم خارجی تو نہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ پوری امت کا اس بات پر اجتماع ہے کہ عورت

پر ایام مخصوص میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں ہے۔ عہد رسالت میں اور عہد صحابہ میں بھی یہی سب کا عقیدہ و عمل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ مستند قول اس سلسلے میں اور کس کا ہو سکتا ہے؟ صرف عہد خلافت علی رضی اللہ عنہ میں خارجیوں کا ایک اقلیتی انتہا پسند گروہ پیدا ہوا جس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ ایام مخصوص کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی بھی قضا ہے مگر یہ باطل فرقہ ختم ہو گیا اور ان کے نظریات پر آج کوئی بھی کار بند نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ نمازوں کی قضا نہیں ہے اور روزوں کی قضا ہے تو

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ::

”اس نے تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی۔“

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

(الحج: 78)

اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

”اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے،

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمْ

وہ تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔“

الْعُسْرَ (البقرہ: 185)

فرمان رسول ہے ”دین کو آسان کر کے پیش کرو اور اس میں لوگوں کے لئے دشواریاں نہ پیدا کرو۔“ تو اس میں حکمت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ روزے سال میں صرف ایک ماہ رمضان کے فرض ہیں لہذا روزوں کی قضا کو حائض پر لازم کر دیا گیا، اور نماز تو مستقل اور دائمی فریضہ ہے لہذا حائض پر اس کی قضا لازم کرنے میں اس کے لئے دشواری ہوتی، اس لئے عورتوں کے لئے رعایت رکھی گئی ہے۔ بندگی غیر مشروط اطاعت کا نام ہے۔ احکام شریعت کی حکمت تک ہمارے ذہن کی رسائی ہو جائے تو یہ ہماری سعادت ہے اور کبھی ہم حکمت کو نہ سمجھ پائیں تو یہ ہمارے ذہن نارسا کی کوتاہی ہوتی ہے۔

تین روزہ، پانچ روزہ یا دس روزہ تراویح

سوال: کیا تاجر حضرات تین روزہ، پانچ روزہ یا دس روزہ تراویح ادا کر سکتے ہیں؟ شرعی طور پر کیا پورے رمضان المبارک کے مہینے میں تراویح ادا کرنا ضروری ہے، شرعی حکم بیان

کیجئے؟ (ثوبیہ نازش، عائشہ اقبال مسلم لیگ کوارٹرز، ناظم آباد، کراچی)

جواب: تین دن سے کم یعنی ایک یا دو دن میں قرآن ختم کرنا مکروہ ہے۔ کم از کم تین دن یا اس سے زیادہ دنوں میں مثلاً پانچ، سات، دس دن وغیرہ میں قرآن مجید ختم کر سکتے ہیں، بشرطیکہ قرآن مجید صحیح پڑھا جائے، الفاظ کی ادائیگی صحیح ہو اور سننے والے کی سمجھ میں آئے۔ اگر تین روزہ یا پانچ روزہ تراویح کا اہتمام اس لئے کیا جاتا ہے کہ رمضان المبارک میں ایک سے زیادہ قرآن مجید نماز تراویح میں پڑھنے اور سننے کی سعادت حاصل ہو جائے تو یہ خیر کا باعث ہے، بڑی سعادت کی بات ہے۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ تین، پانچ، سات یا دس راتوں میں قرآن مجید ختم کر کے بقیہ ایام رمضان میں تراویح نہیں پڑھیں گے تو یہ اجر سے محرومی کا باعث ہے، خواہ دکانداری، تجارت اور کاروبار کے لئے ایسا کریں یا محض جسم و جان کی راحت کے لئے یہ گناہ ہے، کیونکہ تراویح کی نماز سنت مؤکدہ ہے اور پورے رمضان کے لئے ہے، مردوں اور عورتوں سب کے لئے تراویح پڑھنا سنت ہے جو لوگ عذر شرعی یعنی انتہائی ضعیفی یا بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتے ہوں یا نہ رکھ رہے ہوں، وہ بھی تراویح پڑھیں، نماز تراویح روزوں کے تابع نہیں ہے بلکہ مستقل عبادت ہے۔

سوال: آج کل کراچی میں پانچ روزہ، چھ روزہ یا دس روزہ تراویح اور ختم قرآن کا رواج بہت عام ہو گیا ہے، کیا یہ طریقہ کار شرعاً درست ہے؟ (محمد ناصر خان چشتی، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: پورے رمضان المبارک کے ماہ مقدس میں نماز تراویح باجماعت پڑھنا سنت ہے۔ پانچ روزہ، چھ روزہ یا دس روزہ تراویح کا جہاں انتظام ہوتا ہے، اگر اس کے شرکاء کی نیت یہ ہو کہ اس ختم قرآن کے بعد، بقیہ رمضان المبارک میں نماز تراویح نہیں پڑھیں گے یا باجماعت نہیں پڑھیں گے تو ان کا یہ طریقہ کار غلط ہے اور یہ فکر درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح قرآن مجید کے سماع کی سنت تو پوری ہو جائے گی، لیکن رمضان المبارک کے باقی ایام کے لئے تراویح کی سنت کا تارک ہوگا۔ ہاں البتہ اگر اس کے بعد بقیہ ایام میں یہ لوگ باقاعدگی سے کسی مسجد میں تراویح باجماعت پڑھتے ہیں تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ

تین، پانچ، چھ یا دس ایام میں قرآن مجید صحیح پڑھا جاتا ہو۔

رمضان المبارک کے عشرہ اخیر میں شبینوں کا اہتمام

سوال: رمضان المبارک کے عشرہ اخیر میں عام طور پر سہ روزہ، پنج روزہ یا ہفت روزہ شبینے پڑھے جاتے ہیں، یہ شبینے باجماعت نوافل کی شکل میں پڑھے جاتے ہیں، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟
(محمد وقاص جعفر، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: اصولی طور پر نوافل کی جماعت کے لئے ”تداعی“ یعنی باقاعدہ اعلان کر کے اور ترغیب دے کر بلانا منع ہے، کیونکہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کسی خاص نفلی عبادت کو لوگ فرض و واجب کے برابر اہمیت دیں یا فرض و واجب کا درجہ دیں اور صرف شارع ہی اس کا مجاز ہے، اس لئے احتیاط کی بناء پر اس سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن شبینوں کے بارے میں فرض، واجب یا سنت کا تاثر کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا سب اسے نفلی عبادت سمجھتے ہیں باجماعت، ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، آخری عشرہ رمضان المبارک میں ”قیام اللیل“ کی سعادت بھی مل جاتی ہے اور ”شب قدر“ کی برکات کو پانے کے شوق کی بھی تسکین ہوتی ہے۔

عورتوں کا اجتماعی اعتکاف

سوال: عورتوں کا اجتماعی اعتکاف کیسا ہے جب کہ تمام عورتیں کسی دوسرے مقام پر یا کسی دوسری عورت کے گھر میں جب کہ وہ خود بھی معتکفہ ہے؟ اعتکاف کی جگہ شرعی پردہ کا اہتمام بھی ہے، اعتکاف کی جگہ محفوظ بھی ہے اور اعتکاف کی جگہ تمام سہولتیں موجود ہیں؟

(کلیم بھائی، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: اعتکاف اپنی حقیقت اور روح کے اعتبار سے عزلت نشینی اور خلوت گزینی کی عبادت ہے کہ بندہ مومن سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی ذات سے لو لگائے اور اسی کے ذکر و فکر میں مگن رہے، اگر صحیح تربیت کا اہتمام نہ ہو تو اجتماعیت سے اس کی روح مجروح ہوتی ہے، تاہم خواتین کسی ایک مکان میں اعتکاف کر سکتی ہیں، بشرطیکہ (۱) وہاں شرعی حجاب کا اہتمام ہو (۲) غیر محرم مردوں کا گزرنہ ہو (۳) وہ شادی شدہ ہونے کی صورت میں اپنے

شوہروں سے، ورنہ اپنے والدین سے اجازت لے کر بیٹھیں (۴) اور اعتکاف کے دیگر مسائل اور قیود شرعیہ کی پابندی کریں۔

مسجد الحرام میں اعتکاف کے مسائل

سوال: میرا عمرے پر جانے کا ارادہ ہے اور میری یہ بھی تمنا ہے کہ میں مسجد الحرام میں رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں اعتکاف بیٹھوں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ (۱) وہاں ہوٹل پر جا کر سحر و افطار کر سکتے ہیں جب کہ کھانا لا کر دینے والا کوئی نہ ہو (۲) وہاں معتکف کے لئے جگہ مخصوص نہیں ہوتی کیا جگہ تبدیل کر سکتے ہیں (۳) کیا ایام اعتکاف میں بکثرت طواف کر سکتے ہیں (۴) معتکف کے لئے حرم میں وہی پابندیاں ہیں جو یہاں ہیں؟
(جاوید اختر، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب: سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اعتکاف حرم کعبہ میں کیا جائے، مسجد نبوی میں یا اپنے محلہ کی مسجد میں، مسائل و احکام شرعی سب جگہ یکساں ہیں۔ شرعاً پوری مسجد معتکف (جائے اعتکاف) ہوتی ہے، لہذا آپ کو اجازت ہے کہ پوری مسجد میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں، ضرورت کے وقت لیٹ جائیں، جہاں چاہیں نماز پڑھیں اور جہاں چاہیں تلاوت و اذکار کریں، کسی خاص جگہ کی پابندی نہیں ہے۔ چونکہ بیت اللہ اور مطاف (جائے طواف) بھی ”مسجد الحرام“ میں شامل ہیں اور طواف عبادت ہے، اسی لئے آپ ایام اعتکاف میں جس قدر طواف کر سکیں کریں، اس سے بڑی سعادت اور عبادت کیا ہوگی۔ جہاں تک سحر و افطار کے کھانے کا مسئلہ ہے تو ہم نے سنا ہے کہ وہاں افطار کا انتظام بہت ہوتا ہے اگر خدا نخواستہ ایسا کوئی انتظام نہیں ہو سکے تو پھر آپ جائیں اور ہوٹل سے پارسل کھانا خرید کر لے آئیں اور حرم پاک میں واپس آ کر وہیں بیٹھ کر کھائیں۔ ضرورت سے زیادہ حرم پاک سے باہر نہ ٹھہریں اور نہ کسی سے کلام کریں، غسل واجب کے لئے اور قضاء حاجت کے لئے آپ جائیں، غسل مسنون کے لئے نہ جائیں۔

”رویت ہلال“ چاند کے چھوٹا بڑا ہونے کا مسئلہ

سوال: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی 29 شعبان کو اعلان کرتی ہے کہ رمضان کا چاند نظر نہیں آیا، پرسوں رمضان کا پہلا روزہ ہوگا، اگلے دن شام کو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند نسبتاً بڑا نظر آتا ہے اور کافی دیر تک مطلع پر رہتا ہے، لوگ یہ دیکھ کر شبہے میں پڑ جاتے ہیں کہ یہ شاید دوسرے دن کا چاند ہے اور لگتا ہے کہ رویت ہلال کمیٹی کا اعلان درست نہیں تھا، ایک روزہ ضائع ہو گیا، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (امیر احمد شاہ، ہزارہ)

جواب: صحیح مسلم میں حدیث ہے ابو البختری کہتے ہیں کہ ہم سفر عمرہ میں تھے، جب ہم وادی نخلہ میں پہنچے تو ہم نے ایک دوسرے سے کہا کہ دیکھو یہ (رمضان کا) چاند ہے اور بعض نے خیال ظاہر کیا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے اور بعض نے کہا کہ یہ دوسری رات کا چاند ہے، ہماری عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ملاقات ہوئی تو ہم نے ان سے چاند کے بارے میں اختلاف رائے کا ذکر کیا، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم نے چاند کس رات کو دیکھا تھا؟ ہم لوگوں نے کہا کہ فلاں رات کو دیکھا تھا، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے (تمہارے) دیکھنے کے لئے اسے بڑھا دیا ہے، وہ حقیقت میں اسی رات کا چاند ہے، جس رات تم لوگوں نے اسے دیکھا تھا“۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کی رو سے طلوع ماہ رمضان یا شوال وغیرہ کے لئے چاند کی رویت کا اعتبار ہے۔ چاند کے چھوٹے بڑے ہونے (یعنی سائز) کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی اس امر کا اعتبار ہے کہ چاند مطلع پر کتنی دیر رہا۔ ہمارے لئے تو فرمان رسول اللہ ﷺ ہی آخری اور قطعی حجت ہے، ارشاد رسول اللہ ﷺ سننے کے بعد بھی تردد کا اظہار کرنا، شکوک میں مبتلا ہونا، یہ مومن کی شان نہیں ہے۔ لیکن کوئی شخص خالص سائنسی اور فنی بنیاد پر، یعنی علم موسمیات و فلکیات کی رو سے بھی اس مسئلے کو جاننا چاہیے تو سائنس سے بھی حدیث پاک کی تائید ہوتی ہے۔ ماہرین فلکیات بتاتے ہیں کہ بعض اوقات 29 تاریخ کو چاند کا ظہور و نمود تو مطلع پر ہو جاتا ہے، لیکن اس کا درجہ اور وقت اس قدر کم ہوتا ہے کہ اس

کی رویت ممکن نہیں ہوتی اور تیس دن پورے ہونے کے بعد جب چاند طلوع ہوتا ہے تو چونکہ اس کی عمر بھی زیادہ ہوتی ہے (یعنی 40 گھنٹے یا زائد) بلند درجے پر بھی ہوتا ہے، سائز بھی بڑا ہو جاتا ہے اور مطلع پر زیادہ دیر تک نظر بھی آتا ہے، لہذا جو لوگ پوری دینی و سائنسی معلومات نہیں رکھتے، وہ خواہ مخواہ شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

یوم شک کا روزہ

سوال: ”یوم شک“ کے روزے سے کیا مراد ہے، اس سے کیوں منع کیا گیا ہے؟

(فرحان، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ اگر 29 شعبان کو رمضان المبارک کا چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن روزہ رکھ لیتے ہیں کہ اگر رمضان بالفرض شروع ہو چکا ہو تو رمضان کا فرض روزہ ہو جائے گا، ورنہ نفلی روزے کا ثواب تو مل ہی جائے گا، یعنی خود روزہ رکھنے والا روزے کی حیثیت کے بارے میں متردد ہوتا ہے، اسے ”یوم شک“ کا روزہ کہتے ہیں، اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس نے ”یوم شک“ کا روزہ رکھا اس نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) فرضی عبادت قطعی اور یقینی نیت کے ساتھ ادا کی جانی چاہیے اور رسول اللہ ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ (رمضان کا) چاند دیکھ کر روزے رکھو اور (شوال کا) چاند دیکھ کر روزہ چھوڑ دو، اگر (29 شعبان یا 29 رمضان کو) مطلع ابر آلود ہو (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس دن کا مہینہ پورا کر لو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

کیا مسلسل تیس دن کے کئی قمری مہینے ہو سکتے ہیں؟

سوال: کیا مسلسل تین چار اسلامی مہینے تیس تیس دن کے ہو سکتے ہیں یا مسلسل کئی اسلامی مہینے تیس دن کے ہو سکتے ہیں یا از روئے قرآن و سنت ایسا نہیں ہو سکتا؟

(قاری محمد صدیق، خطیب مسجد خلفاء راشدین، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: پہلے تو یہ غلط فہمی دور فرمائیے کہ قمری مہینہ اسلامی ہے اور شمسی مہینہ انگریزی یا غیر

اسلامی ہے، شمس و قمر دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اس لئے دونوں اسلامی ہیں۔ قمری مہینے کے ساتھ ہمارے روزوں اور زکوٰۃ کی عبادت کا تعلق ہے اور شمسی نظام کے حساب سے نمازوں کے اوقات، سحر اور افطار اور طلوع و غروب کے اوقات متعلق ہیں۔ قرآن و سنت میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے کہ زیادہ سے زیادہ کتنے قمری مہینے مسلسل 30 دن کے ہو سکتے ہیں اور کتنے مسلسل 29 دن کے ہو سکتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ رضویہ جلد 12 صفحہ 30 پر بحوالہ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیرازی لکھا ہے کہ ”زیادہ سے زیادہ مسلسل چار قمری مہینے 30 دن کے ہو سکتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مسلسل تین مہینے ممکنہ طور پر 29 کے ہو سکتے ہیں“۔ حال ہی میں ایک ماہر فلکیات نے لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ پانچ مہینے ہو سکتے ہیں۔

عید کے دو مہینے ناقص نہ ہونے کا مطلب

سوال: صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ عید کے دو مہینے یعنی رمضان و ذوالحجہ ناقص نہیں ہوتے، اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ دونوں کسی ایک سال میں 29 دن کے نہیں ہوتے؟ (سید ذاکر شاہ، سعید آباد بلدیہ ٹاؤن، کراچی)

جواب: اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازراہ کرم ان دونوں مبارک مہینوں میں عبادت گزاروں کے اجر میں کمی نہیں فرماتا بلکہ اپنے فضل و کرم سے پورا اجر عطا فرماتا ہے۔ باقی قرآن و حدیث میں قمری مہینوں کے ایام کی تعداد کے اعتبار سے کوئی تصریح یا تعین نہیں ہے کہ دو یا تین مہینے مسلسل 30 دن کے نہیں ہو سکتے یا اگر رمضان 30 دن کا ہوگا تو ذوالحجہ 29 دن کا ہوگا؟ ان دونوں میں سے کوئی ایک ضرور 30 دن کا ہوگا یا یہ کہ جس دن عید الفطر ہوگی، اسی دن عاشورہ محرم ہوگا وغیرہ۔ یہ سب لوگوں کے خود ساختہ قیاسات، مفروضات اور تخمینے ہیں۔ ہاں البتہ حدیث پاک میں سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک واضح ارشاد موجود ہے اور وہ یہ کہ ”قمری مہینہ 29 دن سے کم کا نہیں ہو سکا اور 30 دن سے زیادہ کا نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی شخص کے تجربے اور مشاہدے میں ایک چیز دو چار

مرتبہ کسی ایک انداز میں واقع ہو جائے تو یہ محض اتفاق ہو سکتا ہے، کسی اصول شرعی کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

پاکستان میں رمضان شروع کر کے سعودی عرب میں عید منانا

سوال: میں نے رمضان المبارک کا آغاز پاکستان میں کیا ہے اور پاکستان کی رویت کے مطابق روزہ رکھنا شروع کیا ہے، اب میرا عمرے پر جانے کا پروگرام ہے اور میں عید الفطر تک مدینہ منورہ میں قیام کروں گا۔ اب بتائیے کہ میں عید وہاں کے حساب سے مناؤں یا پاکستان کے حساب سے اپنے روزے مکمل کروں، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ میرے اٹھائیس روزے مکمل ہوئے ہوں اور وہاں عید ہو جائے، میرے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

(عید محمد فریدی، لیاقت آباد، کراچی)

جواب: یہ ایسے سب لوگوں کا مسئلہ ہے جو پاکستان میں رمضان المبارک کا آغاز کر کے عمرے کے لئے یا ملازمت کے لئے سعودی عرب جاتے ہیں یا سعودی عرب میں رمضان المبارک کے کچھ ایام گزار کر عید الفطر منانے پاکستان آتے ہیں، اگر وہ پاکستان میں اہل وطن کے ساتھ عید منائیں تو بعض اوقات ان کے روزے 31 ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بلاشبہ گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے اور اس کو حل کرنے کے لئے فقہی بصیرت درکار ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں علماء میں دو آراء ہوں۔ پاکستان سے سعودی عرب جانے والے کے 29 روزے پورے ہو جائیں یا سعودی عرب سے پاکستان آنے والے کے 30 روزے پورے ہو جائیں اور پھر مقامی لوگوں کے ساتھ عید کر لیں تو لوگوں کو زیادہ تردد نہیں ہوتا، کیونکہ ہر جگہ رمضان المبارک (یا قمری مہینہ) 29 دن کا ہوتا ہے اور کبھی 30 دن کا۔ زیادہ تردد تب ہوتا ہے کہ جب پاکستان سے سعودی عرب جانے والے کے صرف 28 روزے ہوتے ہوں اور عید ہو جائے یا سعودی عرب سے پاکستان آنے والے کے 30 روزے پورے ہو چکے ہوں اور اگلے دن عید نہ ہو بلکہ روزہ ہو، اس طرح روزہ رکھنے کی صورت میں اس کے 31 روزے ہو جائیں گے جب کہ حساب و کتاب کی رو سے قمری مہینہ

زیادہ سے زیادہ 30 دن کا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ
 ”پس تم میں سے جو ماہ رمضان کو پائے تو
 (البقرہ: 185) اس پر لازم ہے کہ اس کا روزہ رکھے۔“

لہذا اس امر ربانی کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ سعودی عرب سے پاکستان آنے والے نے یہاں رمضان پالیا ہے ابھی ہلال شوال طلوع نہیں ہوا، تو وہ روزہ رکھے، خواہ اس کے روزے 31 ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ دوسری جانب ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے: ”جس دن لوگ روزہ رکھیں اس دن روزہ ہے اور جس دن لوگ عید کریں اس دن عید ہے“ (جامع ترمذی صفحہ 124) لہذا اس حدیث مبارک کی روشنی میں پاکستان سے سعودی عرب جانے والا جب دیکھے کہ مقامی لوگ عید منارہے ہیں تو وہ بھی منائے، خواہ اس کے روزوں کی تعداد صرف 28 ہوئی ہے یہ صورت ایسی ہی ہے جیسے بعض بلاد مغرب مثلاً ناروے، ڈنمارک وغیرہ میں سال کے بعض ایام میں عشاء کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا، مغرب کا وقت ختم ہوتے ہی فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لہذا ان پر جن ایام میں عشاء کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا تو وہ اس نماز کے لئے عند اللہ جوابدہ بھی نہیں ہیں۔ ان کے لئے دن میں چار نمازیں ہی رہ جائیں گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے گونگے شخص پر نماز میں قرأت کا فرض ساقط ہو جاتا ہے، جس کا کوئی ہاتھ یا پاؤں کٹا ہوا ہے اس پر وضو میں اس ہاتھ یا پاؤں کے دھونے کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ تاہم جو لوگ احتیاط پر عمل کرنا چاہیں، وہ سعودی عرب میں اپنے اٹھائیسویں روزے کے بعد عید منائے جانے کی صورت میں ایک دن کی بعد میں قضا کر لیں۔

عیدی دینا

سوال: عیدین کے موقع پر عیدی دینا کیسا ہے؟ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

(ناصر خان چشتی، ڈیرہ اسماعیل خان)

جواب: عیدین کے موقع پر عیدی دینا نہ شرعاً ضروری ہے نہ ہی اس کی بابت نفی یا اثباتاً کوئی حکم ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عمل مبارک بھی بطور خاص اس موقع کے لئے

ثابت نہیں ہے۔ لیکن چھوٹوں پر شفقت کی حضور ﷺ نے ترغیب فرمائی ہے اور ترک رحم و شفقت پر وعید فرمائی ہے، لہذا اگر دینی و روحانی مسرت کے اس موقع پر اپنے چھوٹوں پر شفقت کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم یا کوئی چیز بطور ہدیہ دے دیں تو یہ مستحسن امر ہے۔ اسی طرح چھوٹے بڑے کی تمیز کے بغیر عمومی طور پر رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”آپس میں ایک دوسرے کو تحفہ ہدیہ دیا کرو تا کہ تمہارے درمیان الفت و محبت کے جذبات پروان چڑھیں“ لہذا ایک دوسرے کو ہدایا اور تحائف دینا عید کے موقع پر ہو یا عام ایام میں اجر و ثواب اور خیر و برکت کا باعث ہے اور یہ خصلت باہمی محبت میں اضافے کا باعث ہے۔ لیکن خاص عید کے موقع پر اسے کوئی خصوصی شرعی حیثیت دینا یا ایسا تصور کرنا درست نہیں ہے۔

کیا جمعہ کے دن کا نفلی روزہ رکھنا مکروہ ہے؟

سوال: میرا یہ معمول ہے کہ میں جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھتا ہوں، بعض حضرات اس سے منع کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے، ازراہ کرم اس مسئلے کی وضاحت کیجئے؟

جواب: صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کاروزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: رب کعبہ کی قسم ہاں، (رقم الحدیث: 2577) دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعے کے دن کاروزہ نہ رکھے سوائے اس کے کہ اس سے پہلے ایک دن کا یا اس کے بعد ایک دن کاروزہ اس کے ساتھ رکھے، (رقم الحدیث: 2579) اس سے اگلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صرف جمعہ کے دن کو (نفلی) روزے کے لئے مخصوص کرنے کی ممانعت فرمائی، ہاں اگر کسی شخص کا مخصوص تواریخ کو روزہ رکھنے کا معمول ہے (جیسے ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے اور اس تاریخ کو اتفاق سے جمعہ کا دن آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے) ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں بعض ائمہ نے حدیث میں مذکور استثنائی صورت کے علاوہ محض جمعہ کے دن بطور خاص نفلی روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ شاید

اس کی حکمت یہ ہو کہ (۱) مسلمانوں میں بھی کہیں یہود کی روش نہ سرایت کر جائے کہ جمعہ کے دن کی تو غیر معمولی تعظیم کریں اور باقی دنوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے یکسر غافل ہو جائیں، اسی لئے اگر کوئی جمعہ کے ساتھ جمعرات یا ہفتہ کا دن ملا کر روزہ رکھتا ہے تو یہ کراہت سے مستثنیٰ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ کے دن کا نفلی روزہ بلا کراہت جائز ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے: ”امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ کے تین دن (13, 14, 15) اور جمعہ کو روزہ رکھتے تھے اور بہت کم یہ روزہ چھوڑتے تھے۔“

﴿كتاب الزكوة﴾

سونے چاندی پر زکوٰۃ

سوال: کیا ذاتی استعمال کے سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے؟
(ضیاء الرحمن، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: سونا چاندی از روئے شریعت خلقتی طور پر مال ہیں لہذا یہ کسی بھی ہیئت میں ہوں ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ مثلاً برتن، سامان آرائش، مالیاتی سکے، سونے یا چاندی کی ڈلی، استعمال کے زیورات وغیرہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کیا تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟“ اس نے عرض کیا ”نہیں“ حضور ﷺ نے فرمایا ”تو کیا تم اس بات پر خوش ہو گی کہ اللہ تعالیٰ (زکوٰۃ نہ دینے کی بناء پر) ان کنگنوں کے عوض قیامت کے دن تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟“ (یہ وعید عذاب) سنتے ہی اس نے وہ کنگن اتار کر رسول اللہ ﷺ کو دے دیئے اور عرض کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دے دیئے ہیں یعنی یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے ”اوضاح“ (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ”یا رسول اللہ! کیا یہ بھی اس کنز میں شامل ہے (جس پر سورہ توبہ آیت 34, 35 میں عذاب جہنم کی وعید آئی ہے)؟“ حضور ﷺ نے فرمایا ”جو سونے کے زیورات اتنی مقدار کو پہنچ جائیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے اور پھر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو ان پر کنز کا اطلاق نہیں ہوتا“۔ (سنن ابی داؤد، موطا امام مالک) ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ واجب ہے کیونکہ دونوں خواتین نے سونے کے زیورات پہن رکھے تھے۔

اگر کسی زیور میں سونا اور چاندی مخلوط ہوں تو غالب چیز کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر غالب حصہ سونے کا ہے تو اسے سونا قرار دے کر زکوٰۃ عائد کی جائے گی اور اگر غالب حصہ چاندی کا ہے تو چاندی کی شرح سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اور اگر کسی چیز پر محض سونے چاندی کی ملمع کاری ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ہیرے، زمرد، یاقوت اور دوسرے قیمتی پتھر اگر ذاتی استعمال میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ تجارت کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔

زیورات کی ملکیت، زکوٰۃ

سوال: شادی کے موقع پر دولہا والوں کی طرف سے دلہن کو زیورات دیئے جاتے ہیں وہ کس کی ملکیت ہوتے ہیں؟ اکثر یہ مسئلہ ناراضگی کا سبب بنتا ہے اور ان کی زکوٰۃ کس کے ذمے ہے؟ (محمد علی، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

جواب: ہمارے معاشرے میں شادی کے موقع پر دولہا والے دلہن کو زیورات وغیرہ دیتے ہیں اسے عرف عام میں ”بری“ کہتے ہیں۔ حالات خوشگوار ہیں تو یہ سوال ہی نہ بٹھ نہیں آتا کہ ان کا اصل مالک کون ہے؟ خدا نخواستہ ازدواجی زندگی میں بگاڑ پیدا جائے تو پھر لوگ علماء سے پوچھنے آتے ہیں اور فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر کتابی مسئلہ نہیں ہے اس کا مدار اس علاقے یا برادری کی روایات پر ہے کہ آیا وہ اپنی بیوی یا بہو کو زیورات ہبہ کر کے مالک بنا دیتے ہیں یا اسے عاریتاً محض استعمال کے لئے دیتے ہیں، اس پر ہی فیصلہ ہوگا۔ اور اگر دیتے وقت تو ہبہ کی نیت ہو اور بلکہ میں اختلاف رونما ہونے پر نیت میں فتور آجائے تو یہ فکری خیانت ہے اور مومن کی شان نہ منافی ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ نکاح کے وقت طے کر دیا جائے اور نکاح نامہ میں اس اندراج کر دیا جائے تاکہ بعد میں ناراضگی پیدا نہ ہو اور ویسے بھی شرعاً و قانوناً ملکیت مطالب نہیں رہتی جب ملکیت کا مسئلہ طے ہوگا تو یہ مسئلہ از خود طے ہو جائے گا کہ ایسے زیورات زکوٰۃ عند اللہ کس کے ذمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسئولیت کے خوف سے وہ زکوٰۃ کرے گا۔

زکوٰۃ فنڈ سے قرض حسنہ دینا

سوال: ”راجپوتانہ ویلفیئر ایسوسی ایشن“ قریشی و شیخ برادری کی ایک سماجی فلاحی تنظیم ہے، جس میں برادری کے لوگوں سے زکوٰۃ، فطر، صدقات اور چرم قربانی کی مد میں رقم جمع کی جاتی ہے اور برادری کے مستحق افراد میں حسب ضرورت تقسیم کی جاتی ہے۔ کیا زکوٰۃ فنڈ سے تعمیر مکان یا کاروبار کے لئے ”قرض حسنہ“ دیا جاسکتا ہے، جسے بعد میں بالاقساط وصول کیا جاتا ہے؟
(عبدالقادر شیخ، چیئر مین زکوٰۃ کمیٹی)

جواب: ”ایسوسی ایشن“ زکوٰۃ و فطرہ دینے والوں کی وکیل ہے جب تک وہ زکوٰۃ کی رقم مستحقین کو مالکانہ بنیاد پر نہیں دیں گے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور ایسوسی ایشن کے اراکین اس کے لئے عند اللہ جوابدہ ہوں گے۔ محض ”قرض حسنہ“ کے طور پر رقم اور بعد میں بالاقساط وصول کرنے سے زکوٰۃ یا صدقات کی ادائیگی نہیں ہوئی اور اس سلسلے میں لوگوں کا دباؤ ڈالنا غلط ہے۔ البتہ اگر برادری کے اہل ثروت زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی اور صدقات کے علاوہ ایک ”قرض حسنہ“ فنڈ قائم کر لیں اور اس کا کھاتہ صدقات کی رقوم سے الگ رکھا جائے تو یہ بلاشبہ ایک ”صدقہ جاریہ“ اور کار خیر ہوگا۔

زکوٰۃ فنڈ کی سودی اسکیموں میں انویسٹمنٹ؟

سوال: ایک برادری کا فلاحی ارادہ ہے۔ وہ لوگ برادری کی زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی جمع کر کے اس رقم کا کل یا کچھ حصہ انویسٹمنٹ کی سودی اسکیموں (مثلاً نیشنل سیونگز سرٹیفکیٹ وغیرہ) میں لگاتے ہیں اور ان رقوم سے حاصل شدہ سود یا منافع کو مستحقین میں تقسیم کرتے ہیں، کیا یہ شرعاً درست ہے؟
(محمد تقی خان لودھی، نیو کراچی)

جواب: زکوٰۃ، صدقات کی رقوم کا سودی اسکیموں میں لگانا اور ان پر سود لینا حرام ہے اور اس طرح مستحقین کی اعانت کوئی نیکی نہیں ہے۔ اس طرح تو ہر مالدار شخص اپنی ذاتی حیثیت میں بھی یہ کرنے لگے گا تا کہ زکوٰۃ کی رقم سودی اسکیم میں انویسٹ کر دے اور اس کا سود بانٹتا پھرے۔ زکوٰۃ سود تو کجا، اگر محض شخصی نام پر یا تنظیم کے نام پر، بلا سودی کرنٹ اکاؤنٹ میں

جمع رکھی ہے تب بھی ادا نہیں ہوگی تا وقتیکہ مستحقین کو پہنچانہ دی جائے۔ سوائے اس صورت کے کہ کوئی زکوٰۃ لینے والا مستحق ہی نہ مل رہا ہو۔ الغرض تنظیم کے ارکان کا یہ عمل کلی طور پر خلاف شرح ہے۔

بینک اور زکوٰۃ کی کٹوتی

سوال: ہر سال بینک اپنی مرضی سے ہمارے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے، ہم اکثر اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں کہ زکوٰۃ فنڈ میں خورد برد ہو گیا، زکوٰۃ فنڈ سے فلاں وزیر نے بنگلہ بنا لیا فلاں نے گاڑیاں خرید لیں، کبھی لکھا ہوتا ہے کہ مستحق لوگوں تک زکوٰۃ نہیں پہنچ رہی اور کبھی یہ خبر سننے کو ملتی ہے کہ فلاں علاقے کے زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین بد عنوانی میں ملوث پائے گئے، یہ بھی سنا تھا کہ زکوٰۃ دینی مدرسوں کو نہیں دی جا رہی۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں بینک سے زکوٰۃ کٹو ادینا صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی جب کہ زکوٰۃ فنڈ صحیح طور پر مستحق لوگوں تک نہ پہنچ رہا ہو؟ (عظمیٰ یاسمین، بلاک ٹی نار تھ ناظم آباد، کراچی)

جواب: جیسا کہ آپ نے خود تفصیلات درج فرمائی ہیں کہ نہ تو زکوٰۃ کی کٹوتی کے وقت شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھا جاتا ہے نہ اصل زر اور سود میں تفریق کی جاتی ہے اور نہ ہی صرف زکوٰۃ میں شرعی حدود کی مکمل پاسداری کا اہتمام کیا جاتا ہے بلکہ حکومت کے زیر تحویل زکوٰۃ میں خورد برد کی داستانیں اخبارات کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ اس لئے ہم سرکاری نظام وصولی و تقسیم زکوٰۃ پر مکمل اعتماد کا اظہار کرنے میں محتاط ہیں۔ اب چونکہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے اپنے ایک فیصلے کی روشنی میں اہل تشیع کی طرح اہلسنت کو بھی یہ حق دے دیا ہے کہ وہ سرکاری مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ کی کٹوتی سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دے سکتے ہیں، لہذا شرعی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ اپنی زکوٰۃ کی خود تشخیص کریں، پوری زکوٰۃ شریعت کے مطابق نکال کر مصارف شرعیہ پر صرف کریں اور عند اللہ بری الزمہ ہوں، البتہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو لازمی کٹوتی سے بھی مستثنیٰ قرار دے دیں اور پھر زکوٰۃ ادا بھی نہ کریں تو یہ عدالتی فیصلے کا غیر شرعی استعمال ہوگا اور منشاء شریعت کو باطل کرنے کے مترادف ہوگا۔ اللہ

تعالیٰ اس فریب نفس سے ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔

پیشہ ور بھکاریوں کا مسئلہ

سوال: آج کل مسجدوں میں بس اسٹاپ پر، بس کے اندر، دروازہ کھٹکھٹا کر، سر راہ راستہ روک کر لوگ بھیک مانگتے ہیں، عورتیں، لڑکیاں، بچے، جوان اور بوڑھے سب۔ کیا ان لوگوں کو صدقہ خیرات دینی چاہیے؟ (ابرار الحق، گولڈن ٹاؤن، ایئر پورٹ، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

” (صدقہ و خیرات کے مستحق) ایسے

نادار لوگ ہیں جو خود کو اللہ تعالیٰ کی راہ

میں (دینی کام کے لئے) وقف کیے

ہوئے ہیں جو زمین میں چل پھر کر

(روزی کمانے کی) مہلت نہیں پاتے

ناواقف (حال) شخص ان کے سوال نہ

کرنے کی وجہ سے انہیں غنی سمجھتا ہے۔

(اے مخاطب!) تم (کیفیت افلاس کو)

ان کی صورت سے پہچان لو گے، وہ

لوگوں سے گڑگڑا کر سوال نہیں کرتے۔“

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ

اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ

يَحْسِبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ

التَّعْفُفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيئِهِمْ لَا

يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِحْقَاقًا (البقرہ: 273)

اس ارشاد ربانی سے معلوم ہوا کہ صدقات و خیرات کے اصل مستحق وہ لوگ ہیں جو اللہ

تعالیٰ کی راہ میں وقف ہیں، انہیں معاشی تک و دو کی فرصت نہیں ہے وہ خود دار ہیں، عزت

نفس کا پاس رکھتے ہیں، باوجود شدید حاجت مند ہونے کے کسی کے آگے دست سوال دراز

نہیں کرتے، کسی کے دامن سے لپٹ کر یا گڑگڑا کر مانگتے نہیں، وہ اتنے خود دار ہیں کہ

ناواقف حال شخص انہیں خوشحال سمجھتا ہے ایسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی مدد کرنی چاہیے

انہیں خود چل کر تلاش کرنا چاہیے۔ جن لوگوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان لوگوں کی اکثریت

پیشہ ور بھکاریوں کی ہے ان کو خیرات دینا ان کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ جو ان بچیوں سے بھیک منگوانا انتہائی معیوب فعل ہے۔ یہ حکومت کا کام ہے کہ ان کا سروے کرے ان میں سے جو افراد واقعی معذور، لاوارث اور مفلوک الحال ہیں، ضعیف، مریض اور بے سہارا ہیں، روزی کمانے کے اہل نہیں ہیں ان کے لئے کفالت گھر قائم کرے۔ حکومت کے پاس زکوٰۃ کے اربوں روپے جمع ہیں اور جنہوں نے اپنی خودداری اور عزت نفس کو پامال کر کے بھیک کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ بھیک مانگتے ہیں پھر عیاشی کرتے ہیں ان میں بعض بری مجالس کے زیر اثر نشے کے عادی ہو جاتے ہیں یہ لوگ اخلاقی مجرم ہیں اور ان کا سدباب کرنے حکومت کی ذمہ داری ہے۔

بری اور جہیز کے سامان اور زیورات کی ملکیت کا مسئلہ

سوال: میری شادی ایک خاتون عشرت پروین سے ہوئی تھی۔ میری اہلیہ کو شادی کے موقع پر ان کے والدین نے جہیز کا سامان دیا، جس میں ٹی وی، وی سی آر، ٹیپ ریکارڈر الماری وغیرہ شامل ہے۔ اس کے علاوہ زیور کا سیٹ بھی تھا، اور ایک سیٹ زیور بری میں، نے دیا تھا۔ میری اہلیہ بیمار تھی، ان کے والدین نے وعدہ کیا تھا کہ وہ علاج کا خرچہ برداشت کرتے رہیں گے، لیکن انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا۔ اہلیہ شدید بیمار ہو گئی، ساتھ ہی میرا کاروبار بھی ختم ہو گیا اور میں غربت کا شکار ہو گیا۔ میں نے بامر مجبوری بیوی کا مذکور بالا سامان بیچ کر ان کے علاج پر لگا دیا، آخر کار وہ وفات پا گئیں، اہلیہ کے والدین نے ان کی حیات میں جہیز کا زیور کا سیٹ اور ہماری طرف سے دیا ہوا بری کا سیٹ حفاظت کے بہانے لاکر میں رکھوا دیا اور اب وہ ہمارا بری کا سیٹ بھی واپس کرنے پر آمادہ نہیں ہیں بلکہ جہیز کے سامان کا، جو اہلیہ کے علاج کی خاطر بیچ دیا گیا تھا، مطالبہ کر رہے ہیں، لہذا بتائیے کہ از روئے شریعت مسئلے کا حل کیا ہے؟

(اسلم پرویز فہمی، حیدرآباد)

نوٹ: (سوال کا خلاصہ درج کیا گیا ہے، طویل سوالات کی ان سطور میں گنجائش نہیں ہے)

جواب: امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ”جہیز ہمارے بلاد کے عرف عا

شائع سے خاص ملک زوجہ ہوتا ہے، جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہوئی تو کل لے گئی اور مرگئی تو اس کے ورثاء پر تقسیم ہوگا، ردالمحتار میں ہے: (ترجمہ) ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مر جائے تو جہیز اس کے وارثوں کا ہوگا، (باب النفقہ جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 653 بحوالہ فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن جلد نمبر 12 صفحہ نمبر 203) لہذا آپ کی اہلیہ کا سارا سامان جہیز ٹی وی، وی سی آر، ٹیپ ریکارڈر، الماری وغیرہ بشمول زیورات کے آپ کی اہلیہ ہی کی ملکیت ہے اور اب ان کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں شامل ہوگا اور ان کے تمام شرعی وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ آپ نے اپنی اہلیہ کا جو سامان بیچ کر ان کے علاج پر لگا دیا ہے، اگر ان کی اجازت سے ایسا کیا ہے تو درست ہے اور اگر ان کی اطلاع، اجازت یا رضامندی کے بغیر ایسا کیا ہے تو وہ ساری رقم آپ کے ذمے قرض ہے اور ان کے ترکہ کا حصہ ہے، جیسے کہ اگر آپ نے ان کی زندگی میں ان کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی آپ کے ذمہ قرض ہے اور ان کے ترکہ میں شامل ہے۔ اب رہا بری کے سامان اور زیورات کا مسئلہ جو آپ نے شادی کے موقع پر اپنی اہلیہ کو دیا تھا تو اس کے بارے میں امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں: ”دلہن کا گہنا جوڑا جو بری میں جاتا ہے اگر نصاباً عرفا اس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہو جیسے شکر، میوہ، عطر، پھل وغیرہ میں مطلقاً ہوتی ہے تو وہ بھی قبضہ منکوحہ ملک منکوحہ ہوگا، ہمارے یہاں شرفا کا عرف ظاہر یہی ہے، ولہذا بعد رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب و موجب مطعونی جانتے ہیں، اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا، جب دلہن آگئی چھین لیا، یعنی یہ ان کی رسم معہود کے خلاف ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن جلد نمبر 12 صفحہ نمبر 208)

امام احمد رضا قادری کی اس تصریح کے مطابق ہمارے اس خطے میں شرفا کے یہاں عرف یہی ہے کہ بری کا زیور اور سامان دلہن کی ملکیت ہوتا ہے، اس کو ہبہ کہا جاتا ہے اور ہبہ سے رجوع اگرچہ شرعاً مباح اور موثر ہے لیکن یہ انتہائی قبیح اور مکروہ فعل ہے۔ چنانچہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص صدقہ کر کے رجوع کرتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کتاتے کرے، پھر اپنی تے میں رجوع کر کے اسے کھالے، (صحیح مسلم، رقم الحدیث 4058) فتاویٰ درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر میاں بیوی نکاح کے بعد ایک دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کریں تو اس میں تو رجوع جائز ہی نہیں ہے۔ اور موت کے ساتھ ہبہ بہر صورت مکمل ہو جاتا ہے۔ لہذا میری رائے میں آپ کی بیوی کا دین مہر، اگر اب تک آپ کے ذمے ہے اور آپ نے ادا نہیں کیا، آپ کے ذمہ قرض ہے، بیوی کے ترکے کا حصہ ہے اور دونوں طرف کا زیور بھی اب بیوی کا ترکہ ہے، اگر آپ کی فوت شدہ بیوی کی اولاد نہیں ہے تو کل ترکے میں سے آپ کا حصہ نصف ہے، بقیہ ترکہ دیگر ورثاء کا ہے۔ البتہ اگر شادی کے وقت وضاحت کر دی گئی ہو کہ بری کے زیورات دولہا کی ملکیت ہوں گے اور دلہن محض عاریتاً انہیں استعمال کرے گی تو پھر بری کا زیور آپ کا ہے اور دلہن کے والدین کو چاہیے کہ آپ کو واپس کر دیں۔ اگر کسی برادری کے عرف یا رسم میں یہ بالکل طے ہے کہ بری کے زیورات اور سامان دولہا کی ملکیت ہوں گے تو پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ بعد میں نیت میں فتور کا آجانا خیانت ہے، اگر دلہن کے والدین نے اپنی بیٹی کے علاج کے مصارف برداشت کرنے کا وعدہ کیا تھا تو انہیں وعدہ وفا کرنا چاہیے، وعدہ شکنی پر گنہگار ہوں گے۔ لیکن ویسے علاج معالجہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔

﴿ كتاب الحج ﴾

”حج فرض“ ادا نہیں کیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: کوئی شخص تندرست ہے، مال دار ہے، حج پر جانے میں کوئی مانع اور رکاوٹ بھی نہیں ہے، اگر وہ خود حج پر نہ جائے اور کسی کو اپنی طرف سے نائب بنا کر حج بدل کے لئے بھیج دے تو کیا اس طرح وہ فرض سے سبکدوش ہو جائے گا؟ (سید عمیر برنی، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب: جب کوئی شخص صاحب ایمان، عاقل و بالغ ہو، جسمانی طور پر سفر حج کے قابل ہو، حج کی مالی استطاعت بھی رکھتا ہو اور کوئی رکاوٹ بھی اسے درپیش نہ ہو تو اس پر بذات خود حج ادا کرنا لازم ہے، اسے ”حجۃ الاسلام“ کہتے ہیں اور کسی مہلک مرض، جسمانی معذوری (جیسے نابینا ہونا، لنگڑا ہونا یا ایسے امراض میں مبتلا ہونا جن میں ماہر ڈاکٹر کی رائے میں سفر اس کے لئے جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے) میں مبتلا نہ ہو تو کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے حج بدل کرانے سے اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔ ہاں البتہ اگر وہ اپنی بد قسمتی اور کوتاہی کی بناء پر زندگی بھر اس سعادت سے محروم رہا تو اس پر لازم ہے کہ اپنی وفات سے پہلے اپنے حج بدل کے لئے کسی کو مقرر کر لے یا اس کی وصیت ضرور کرے، اگر اس نے اپنا حج بدل کرانے کی وصیت کی تو یہ مصارف اس کے ترکے سے ادا کرنے ہوں گے، بشرطیکہ ایک تہائی یا کم ترکہ اس کے لئے کافی ہو اور اگر خدا نخواستہ ایک تہائی ترکہ کافی نہیں ہے تو بقیہ رقم کی فراہمی اس کے وارثوں کی رضامندی پر منحصر ہے۔

غیر شادی شدہ بالغ بیٹی گھر پر بیٹھی ہو اور حج پر جانا

سوال: اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے، لیکن وہ حج پر نہیں جاتے اور کہتے ہیں جو ان بیٹی گھر پر بیٹھی ہوئی ہے۔ ذمے داری سر پر ہے، ایسے میں حج کیسے ادا ہو گا؟ یعنی وہ بیٹی کے غیر شادی شدہ ہونے کو بھی حج میں شرعی رکاوٹ سمجھتے ہیں؟

(پروفیسر صلاح الدین ظہیر، کورنگی، کراچی)

جواب: یہ تصور غلط ہے۔ بیٹی کا غیر شادی شدہ ہونا حج کی فرضیت یا ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کہیں بھی باہم تصادم یا ٹکراؤ نہیں ہے، بلکہ

زیادہ بہتر یہ ہے کہ حج پر جائیں وہاں مقامات مقدسہ اور متبرک اوقات میں اپنی بیٹی کے بہتر اور مناسب رشتے کے لئے دعا کریں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے کمال امید رکھیں کہ وہ ان کا مقدر سنوار دے گا۔ البتہ اگر عذر نہ ہے کہ حج پر جانے کی صورت میں بیٹی یا بیٹیوں اور بیوی کی نگہداشت اور حفاظت کے لئے کوئی محرم مرد رشتہ دار نہیں ہے تو اس عذر کے ازالے تک حج موخر کر سکتا ہے۔ محرم سے مراد قریبی رشتہ دار ہے جس سے از روئے شرع نکاح دائمی طور پر حرام ہے، جیسے باپ، بیٹا، بھائی، چچا، ماموں، بھتیجا، بھانجا یا اس طرح کے (رضاعی دودھ شریک) رشتے۔

عورت، احرام اور ایام

سوال: عورت حج کا احرام باندھنا چاہتی ہے لیکن وہ ایام سے ہے یا عین میقات پر اسے ماہواری شروع ہوگئی تو وہ احرام باندھ سکتی ہے یا نہیں؟ (جمیلہ بیگم، اورنگی ٹاؤن)

جواب: حیض یا نفاس والی عورت احرام باندھ سکتی ہے، اسے چاہیے کہ حیض یا نفاس ہی کی حالت میں غسل کر کے احرام باندھ لے۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک اس کا احرام کے لئے غسل کرنا مستحب ہے، البتہ غیر مقلدین اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

عورتوں کا بغیر محرم کے سفر حج

سوال: کیا عورت بغیر محرم کے حج یا عمرے پر جا سکتی ہے؟ محرم سے کون لوگ مراد ہیں، کیا چند عورتیں ایک ساتھ مل کر جا سکتی ہیں؟ (نور بنی، شہداد پور، سندھ)

جواب: محرم کسی عورت کے ان مرد رشتے داروں کو کہتے ہیں جن کے ساتھ اس کا نکاح دائمی طور پر حرام ہے، جیسے باپ، بیٹا، چچا، ماموں، بھانجا وغیرہ۔ حرمت نکاح کا سبب نسبی قرابت بھی ہے، رشتہ رضاعت (یعنی دودھ کے رشتے سے) اور رشتہ مصاہرت (یعنی سسرالی رشتے سے) بھی۔

شرعاً کسی بھی عورت کا شوہر یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کی مسافت کے لئے سفر کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ یہ سفر حج و عمرہ کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے۔ تین دن کی

مسافت سے مراد وہ فاصلہ ہے جو بندہ اوسط رفتار سے پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر طے کرے، جس میں رات کا آرام، نمازوں کی اپنے اوقات پر ادائیگی اور دوپہر کا مناسب وقفہ بھی شامل ہے۔ فقہاء کرام نے اس کا تخمینہ اٹھارہ فرسخ یا 54 میل شرعی یا 61 میل 640 گز یا 98.73 کلومیٹر لگایا ہے۔ خواہ سفر ہوائی جہاز، ریل گاڑی یا کار وغیرہ کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو، یہی مسافت شرعاً معتبر ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ تین راتوں کی مسافت کا سفر محرم کے بغیر کرے۔ مرد کے لئے فرضیت حج کی جو شرائط ہیں (یعنی اسلام، حریت، عاقل و بالغ ہونا، زاد راہ، سفر کے خطرات سے محفوظ ہونا، سفر پر جسمانی قدرت وغیرہ) عورت کے لئے ایک شرط زائد ہے اور وہ ہے سفر کے لئے شوہر یا محرم کی رفاقت، لہذا اگر اسے محرم کی رفاقت میسر نہیں ہے تو شرعاً اس پر حج فرض نہیں ہے اور وہ اس عذر کی بناء پر حج نہ کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو ابدہ نہیں ہوگی۔ اگر کسی عورت کے ساتھ شوہر یا محرم نہیں ہے تو محض چند عورتوں کی رفاقت کی وجہ سے اس کا سفر حج پر جانا جائز نہیں ہے۔ شریعت نے عورت کے سفر کے لئے جو محرم کا ساتھ ہونا لازمی قرار دیا ہے تو یہ حکم حکمت سے خالی نہیں ہے، اللہ کرے ہر ایک کا سفر ہر اعتبار سے خوشگوار اور خیر و عافیت سے ہو۔ لیکن سفر میں بیماری، دشواری اور مشکلات اور حوادث کا پیش آنا۔ خارج از مکان نہیں ہے۔ سفر حج میں بعض اوقات دشواریاں پیش آ جاتی ہیں، عورت اپنے آپ کو محرم کے ساتھ ہی محفوظ تصور کر سکتی ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ اگر عورت نے محرم کے بغیر حج کر لیا تو ادا تو ہو جائے گا لیکن اس کا یہ عمل (بغیر محرم کے سفر) مکروہ تحریمی ہے، بہنوئی محرم نہیں ہے۔

دوران حج عورتوں کو ایام مخصوصہ شروع ہو جانا

سوال: حج کے دوران عورت کے ایام شروع ہو جائیں تو کیا کرے؟

(بنت زبیر، کورنگی کراچی)

جواب: حج کے دوران عورت کے ایام شروع ہو جائیں تو سارے مناسک حج، مثلاً وقوف منی، وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ، قربانی، رمی جمرات وغیرہ حسب معمول ادا کرے صرف طواف نہیں کر سکتی، کیونکہ طواف میں طہارت شرط ہے۔ لہذا جب ایام سے پاک ہو جائے تو طواف زیارت کرے اور اس کا حج مکمل ہو جائے گا۔ اگر احرام سے پہلے ہی حالت حیض میں ہے۔ تب بھی اسی حالت میں غسل کر کے نیت کرے اور اپنے محرم یا شوہر کے ساتھ سارے مناسک حج ادا کرے۔

دوران حج ایام مخصوصہ

سوال: ایام حج شروع ہوتے ہی عورت ایام سے تھی، یا دوران حج اس کے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے تو وہ کیا کرے؟ (ابن حکیم خان، بگلش کالونی)

جواب: محرم عورت ایام مخصوصہ میں اپنے حج کو جاری رکھے اور تمام ارکان حج ادا کرے البتہ طواف وسعی نہیں کر سکتی، اور ناپاکی کی حالت میں وہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتی۔ بخاری شریف میں حدیث ہے۔

”ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سفر حج کے دوران ہم مقام سرف (جو مکہ المکرمہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے) میں تھے کہ میرے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے، اس عالم میں رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میں اس صدمے کی بنا پر رو رہی تھی (کہ مبادا میں حج سے محروم نہ رہ جاؤں) رسول اللہ ﷺ نے میری کیفیت کو جان کر بیان فرمایا کہ ”تمہارے ایام مخصوصہ شروع ہو گئے ہیں؟“ میں نے عرض کی ”جی ہاں!“ آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی بیٹیوں کے لئے مقدر فرمایا ہوا ہے، تم دیگر حجاج کی طرح تمام ارکان حج ادا کرتی چلی جاؤ، البتہ پاک ہونے سے پہلے بیت اللہ کا طواف نہ کرنا“۔

جب عورت کے ایام مخصوصہ ختم ہو جائیں اور وہ غسل کر کے پاک ہو جائے تو پھر طواف زیارت کرے (اسے طواف افاضہ بھی کہتے ہیں) جو حج کا رکن ہے، اس کے بغیر وہ احرام

سے باہر نہیں آسکتی۔ البتہ اگر طواف زیارت (جو کہ حج کا رکن ہے) کے ادا کرنے کے بعد عورت کے ایام شروع ہو جائیں اور وہ ”طواف صدر“ (جسے طواف وداع بھی کہتے ہیں) ادا نہ کر سکے تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں کیونکہ اس عذر کی بنا پر طواف صدر کا وجوب اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس بنا پر اس پر کوئی دم بھی نہیں ہوگا۔

عمرہ حج میں مانع حیض دوائیوں کا استعمال

سوال: خواتین حج یا عمرے پر جاتی ہیں، کیا وہ مانع حیض دوائیوں کا استعمال کر سکتی ہیں تاکہ مناسک حج و عمرہ اور حرمین طیبین میں عبادات بھرپور طریقے سے ادا کر سکیں، عبادت کا تسلسل قائم رہے، کیونکہ وہاں قیام کی مدت حکومت کی طرف سے متعین ہوتی ہے؟

(ہومیوڈاکٹر عاقل اظہر عثمانی، پرنسپل داتا گنج بخش ہومیوپیٹھک میڈیکل کالج، کراچی)

جواب: خواتین چاہیں تو ایام حج و عمرہ میں ”مانع حیض“ دوائیوں کا استعمال کر سکتی ہیں۔ بشرطیکہ طبی اور جسمانی لحاظ سے ان کے لئے مضر صحت نہ ہوں، اور کسی بڑے جسمانی عارضے کا سبب نہ بنیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“ (البقرہ: 195) اگر بے ضرر مانع حیض دواؤں سے ایام نہ آئیں اور ان خواتین کو حرمین طیبین میں زیادہ سے زیادہ عبادت کا موقع ملے تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔ تاہم اگر کسی خاتون کو دوران حج و عمرہ ایام شروع بھی ہو جائیں تو اس کے مسائل ایکسپریس کی گزشتہ اشاعت میں تحریر کر چکا ہوں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے کرم پر یقین کامل ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اجر میں کمی نہیں فرمائے گا، کیونکہ یہ ایک ایسا نفسیاتی عارضہ ہے جس میں خواتین کی کسی ذاتی کوتاہی فکر و عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اللہ تعالیٰ کسی (نفس انسانی) کو اس کی
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
(البقرہ: 286) وسعت و طاقت سے زیادہ (کسی عمل)
کی تکلیف نہیں دیتا۔“

حج بدل کے لئے کسے بھیجا جائے

سوال: کیا حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا فریضہ حج پہلے سے ادا کر لیا ہے یا کسی ایسے شخص کو بھیج سکتے ہیں جس نے اپنا فرض حج نہ کیا ہو؟

(منور احمد ملیسر، کراچی)

جواب: بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا فریضہ حج پہلے ہی ادا کر لیا ہو اور ترجیحی طور پر ایسے شخص کا انتخاب کرنا چاہیے جو دین دار ہو اور مسائل و مناسک حج سے اچھی طرح واقف ہو۔

سوال: اگر کسی کو حج بدل کرانا ہو تو کیا وہ ایسے شخص کا انتخاب کر سکتا ہے، جس شخص نے اپنا فریضہ حج ادا نہیں کیا؟ کیا اسے بھیجا سکتا ہے؟ (ضیاء الرحمن، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: ترجیحی طور پر حج بدل کے لئے کسی نیک، صالح اور متقی شخص کا انتخاب کرنا چاہیے، اور ان میں سے بھی کسی صاحب علم کو ترجیح دینی چاہیے جو مسائل حج اور مسائل دین سے کما حقہ واقف ہوتا کہ عبادت بشری استطاعت کی حد تک کامل و تمام ادا ہو۔ جس نے اپنا فریضہ حج ادا کیا ہوا ہے، حج بدل کے لئے اس کو ترجیح دینی چاہیے، جس نے اپنا فریضہ حج پہلے سے ادا نہیں کیا ہے، اگر اسے بھیج دیا تو ادا ہو جائے گا، لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے، البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مرد کی طرف سے مرد ہی حج بدل ادا کرے اور عورت کی طرف سے عورت، اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔

حج بدل کا شرعی حکم

سوال: ”حج بدل“ کا شرعی حکم کیا ہے؟ کن حالات میں اس کی اجازت ہے اور کس کو بھیجنا چاہیے؟ (نجیب الدین شیخ، نار تھ ناظم آباد، کراچی)

جواب: عبادات کی تین قسمیں ہیں (۱) خالص بدنی عبادتیں، جیسے نماز اور روزہ، ان میں نیابت یا قائم مقامی جائز نہیں ہے، ہر مکلف (عقل و بالغ) کو بذات خود ادا کرنی لازمی ہیں۔ (۲) خالص مالی عبادت، جیسے زکوٰۃ، فطرہ، قربانی، نذر وغیرہ، ان میں نیابت بالاتفاق جائز

ہے، جیسے کوئی مالدار شخص اپنی زکوٰۃ یا فطرہ ادا کرنے کے لئے کسی کو اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہے۔ (۳) مرکب عبادت، یعنی ایسی عبادت جس کی دو حیثیتیں ہیں، مالی بھی اور بدنی بھی جیسے عبادت حج، اس میں اگر مکلف خود ادا کرنے کی جسمانی قدرت رکھتا ہے تو اسے خود ادا کرنا لازمی ہے ورنہ کسی کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے لیکن یہ شرط فرض حج کے لئے ہے۔ کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کرنا چاہیے یا کسی سے کرانا چاہے تو کسی شرط یا استثناء کے بغیر کر سکتا ہے۔ خواہ جس کی طرف سے کیا جا رہا ہے یا کرایا جا رہا ہے، وہ زندہ ہے یا وفات پا چکا ہے، اس نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو، وہ خود جسمانی طور پر قدرت رکھتا ہو یا مریض یا معذور ہو، کوئی شخص اپنے زندہ یا مرحوم والدین یا عزیز واقارب کی طرف سے خود بھی حج کر سکتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی کر سکتا ہے، الغرض فرض کے مقابلے میں نفلی عبادت میں زیادہ وسعت اور سہولت ہوتی ہے۔ اسی طرح ان عبادات کا ایصال ثواب بھی کر سکتا ہے۔

حج بدل کی وصیت پوری کرنا

سوال: میں اپنے مرحوم والدین کے لئے حج بدل کرانا چاہتا ہوں جب کہ انہوں نے اس کی وصیت کی تھی، کیا ان کی طرف سے یہ حج بدل ادا ہو جائے گا؟ (محمد انور، لائڈھی، کراچی)

جواب: ایصال ثواب کے لئے جو حج بدل یا عمرہ کیا جائے، یہ نفلی عبادت ہے، والدین زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں، انہوں نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ان کے ایصال ثواب کے لئے آپ خود بھی حج اور عمرہ کر سکتے ہیں اور کسی اور کو بھی چاہیں تو بھیج سکتے ہیں، جس کے ایصال ثواب کے لئے حج و عمرہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ازراہ کرم اسے بھی اجر عطا فرمائے گا۔ کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا، انشاء اللہ العزیز اور جو بھیجنے والا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر پائے گا۔

مرحومین کا حج بدل

سوال: اکثر حضرات اپنے مرحوم عزیزوں کے ایصال ثواب کے لئے دوسرے افراد کو حج بدل کے طور پر حج کے لئے بھجواتے ہیں۔ اگر کسی مرحوم شخص مرد یا عورت نے اپنی زندگی میں

خود ہی حج کا فریضہ ادا کر لیا ہو تو کیا اس کے نام سے بھی حج بدل کیا جاسکتا ہے؟

(سید صفدر علی، کراچی)

جواب: حج بدل کی دو قسمیں ہیں ایک فرض، دوسرا نفلی۔

(۱) حج بدل فرض تو وہ ہے کہ کوئی شخص مالی اعتبار سے صاحب استطاعت ہے، اس پر حج فرض ہے لیکن وہ کسی مرض، معذوری یا ضعیف العمری کی وجہ سے سفر حج اور مناسک حج ادا کرنے کی جسمانی قدرت نہیں رکھتا، اس پر لازم ہے کہ اپنی جانب سے حج بدل ادا کرنے کے لئے اپنے وطن اقامت سے کسی کو اپنا حج بدل ادا کرنے کے لئے بھیجے اور اس کے تمام مصارف سفر ادا کرے، ترجیحاً کسی نیک اور دین دار شخص کا انتخاب کرے اور اگر اس نے اپنا حج پہلے سے ادا کر لیا ہے تو ایسا شخص زیادہ بہتر ہے۔

(۲) صاحب استطاعت کے لئے کوئی عذر تھا یا نہیں لیکن بد قسمتی سے اس نے نہ تو زندگی میں خود حج کیا اور نہ ہی کسی کو اپنی جانب سے حج بدل پر بھیجا اور اب ظاہری علامات کے اعتبار سے اس کی موت سر پر ہے، تو وہ اپنی طرف سے حج بدل کرنے کے لئے اپنے کسی وارث یا کسی دوسرے معتمد شخص کو وصیت کرے۔ تمام مصارف حج، اگر وہ اس عرصے میں انتقال کر گیا، تو بطور وصیت اس کے ترکے سے ادا کیے جائیں گے۔

(۳) نفلی حج بدل یا عمرہ کوئی صاحب خیر باقاعدہ بتا کر یا بلا اجازت و اطلاع بھی اپنے کسی بزرگ، والدین، شیخ طریقت، اساتذہ، اقرباء و احباء یا رسول اللہ ﷺ کے نام سے بھی ایصال ثواب کے لئے کر سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں نیت کرتے وقت اس شخص یا ہستی کا نام لے گا جس کی طرف سے حج بدل یا عمرہ کر رہا ہے۔

قربانی کا وجوب

سوال: میں غریب بھی ہوں اور قرض دار بھی، قربانی کر سکتا ہوں؟

(حافظ نور الامین، کراچی)

جواب: آپ کے لئے بہتر تو یہ ہے کہ پہلے قرض سے سبکدوش ہوں، کیونکہ آپ کے

لئے دوسرے کا قرض ادا کرنا واجب ہے جب کہ قربانی نفلی ہوگی تاہم قربانی کر دی تو ادا ہو جائے گی اور ثواب ملے گا۔

خصی جانور کی قربانی

سوال: خصی جانور کی قربانی کرنا کیسا ہے؟ کیا کسی جانور کا خصی ہونا عیب میں شمار ہوگا جب کہ عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں ہے؟

(محمد سہیل، عائشہ بیکری، سیکٹر A-11 نارتھ، کراچی)

جواب: خصی جانور کی قربانی جائز ہے، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں ”حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن دوسرے رنگ کے سینگوں والے خصی مینڈھے ذبح کیے۔“ (سنن ابی داؤد جلد 2، صفحہ 3) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نر جانور کا خصی ہونا، قربانی کے معاملے میں عیب نہیں ہے۔ بلکہ فقہانے اسے افضل قرار دیا ہے کیونکہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مویشیوں کے تاجروں کے نزدیک یہ عیب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص اپنے ریوڑ میں افزائش نسل کے لئے نر جانور خریدنا چاہتا ہے تو آندو کو ہی لازماً لے گا۔

عقیقے کا گوشت

سوال: کیا عقیقہ کا گوشت بچے کے والدین کھا سکتے ہیں؟

(محمد یاسین، پی آئی بی کالونی، کراچی)

جواب: عقیقے کے گوشت کا وہی حکم ہے جو قرانی کے گوشت کا ہے، اسے بچے کے والدین، دادا، دادی، نانا، نانی سب لوگ کھا سکتے ہیں۔

دوران حج شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت کیا کرے؟

سوال: ایک خاتون اپنے شوہر کے ساتھ سفر حج پر ہے، دوران سفر اس کے شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ کیا کرے، حج مکمل کرے یا حج کو نا تمام چھوڑ کر واپس وطن لوٹ آئے یا وہیں

پر عدت گزارے۔ (احمد عبداللہ، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: حج کے لئے گھر سے روانہ ہوتے وقت عورت کے ساتھ شوہر یا کسی محرم رشتے دار کا رفیق ہونا ضروری ہے، شرعاً محرم اس قریبی مرد رشتے دار کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو اگر اسے شوہر یا محرم کی رفاقت میسر نہیں ہے تو مالی استطاعت کے باوجود اس پر حج فرض نہیں ہے۔ صورت مسئولہ میں چونکہ گھر سے حج کے لئے روانہ ہوتے وقت اس کو شوہر کی رفاقت حاصل تھی، لہذا اس کا سفر حج شرعاً درست ہے۔ اب اگر حج سے پہلے یا دوران حج قضاء الہی سے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ حج پورا کرے، اگر کوئی اور محرم موجود ہے تو اس کے ساتھ، ورنہ شرعی حجاب کے اہتمام کے ساتھ وہ ایسی عورتوں کے گروپ کے ساتھ ساتھ رہے، جن کے محارم اگرچہ موجود ہیں لیکن وہ خدا ترس اور دین دار ہیں۔ حریم طیبین میں مقررہ مدت سے زائد اقامت ویسے بھی خلاف قانون ہے اور مومن کے لئے عزت نفس کا تحفظ بھی مقاصد شریعت میں ہے، لہذا جب حسب پروگرام واپس گھر پہنچ جائے تو گھر پر عدت پوری کرے۔

قربانی کے فضائل و مسائل

قربانی سے مراد ہر وہ عمل ہے، جسے اللہ تعالیٰ کی رضا، حصول اجر و ثواب اور اس کی بارگاہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انجام دیا جائے۔ بطور خاص جانور کی قربانی کو عربی میں ”اضحیہ“ کہتے ہیں، اس کی جمع ”اضاحی“ ہے۔ قربانی کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے، جتنی انسانی تاریخ۔ لیکن امت مسلمہ ہر سال جو قربانی کرتی ہے، یہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یادگار ہے، چنانچہ: ”زید بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ (ایک موقع پر) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس میں ہمارے لئے کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: قربانی کے جانور کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اون کا کیا حکم ہے؟ آپ

ﷺ نے فرمایا: قربانی کے جانور کی اون کے ہر روئیں کے بدلے میں ایک نیکی ہے۔“

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ)

ایام قربانی میں قربانی ایسی نیکی ہے جس کا کوئی اور بدل نہیں ہے، چنانچہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایام قربانی (10 تا 12 ذی الحجہ) میں انسان کا کوئی بھی عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، اور قیامت کے روز قربانی کا یہ جانور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا، اور بلاشبہ قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مرتبہ قبولیت کو پالیتا ہے، تو اے مومنو! خوش دلی سے قربان کیا کرو، (مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ) حضور انور ﷺ نے اپنی قربانی کے مواقع پر امت کو بھی یاد فرمایا، چنانچہ: ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کالے رنگ کا سینگوں والا مینڈھا قربانی کے لئے منگوا یا، آپ نے فرمایا: عائشہ! چھری لاؤ! پھر فرمایا: اسے پتھر پر رگڑ کر تیز کر دو، میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، پھر آپ نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑ کر پہلو کے بل لٹایا اور فرمایا: اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو اسے محمد ﷺ، آل محمد ﷺ اور امت محمد ﷺ کی جانب سے قبول فرما، پھر آپ نے اسے ذبح کر دیا“ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم) ایک ہی قربانی میں پوری امت کو شریک کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، کسی اور کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایصال ثواب کے لئے قربانی کرنا یہ حضور کے نزدیک بھی پسندیدہ امر ہے، چنانچہ: حضرت حنش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علی نے دو مینڈھوں کی قربانی کی، میں نے عرض کیا کہ یہ آپ نے کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی جانب سے قربانی کروں تو میں اس لئے ایسا کرتا ہوں (مشکوٰۃ بحوالہ سنن ابی داؤد جامع ترمذی وغیرہ)۔“

☆ قربانی ہر صاحب نصاب بالغ مرد اور عورت پر واجب ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے کم از کم نصاب پر پورا قمری سال گزرنا شرط ہے، جب کہ قربانی اور فطرے کے وجوب کے لئے محض نصاب کا مالک ہونا کافی ہے، سال گزرنا شرط نہیں ہے۔

☆ قربانی کے لئے اونٹ پانچ سال، گائے، بیل اور بھینس دو سال، دنبہ، بکرا، بکری ایک سال کے ہونے چاہیں، اس سے کم عمر کے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ البتہ بھیڑ اور دنبہ اتنے فریبہ ہوں کہ دیکھنے میں ایک سال کے نظر آئیں تو ان کی قربانی جائز ہے۔

☆ قربانی کے جانوروں کی عمر پورا ہونے کی ظاہری علامت ثنی (دودانت کا) ہونا ہے، لہذا کھیرا جانور یعنی جس کے سامنے کے دودانت ابھی نہیں گرے یا دودھ کے دانت گرنے کے بعد نئے دانت نہیں نکلے اسے قربانی کے لئے نہیں خریدنا چاہیے۔ البتہ اگر جانور گھر کا پلا ہوا ہے اور اس کی عمر ایک سال پوری ہو گئی ہے تو اس کی قربانی شرعاً جائز ہے۔ خواہ سامنے کے دودانت ابھی نہ گرے ہوں۔ عام کاروباری لوگوں پر اعتماد بالکل نہیں کرنا چاہیے بلکہ دو دانت باقاعدہ دیکھ کر خریدنا چاہیے۔

☆ قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ سے سلامت ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں فقہا کرام نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت کو بالکل زائل کر دے یا جمال کو بالکل ضائع کر دے، اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور جو عیب اس سے کم تر درجے کا ہو، اس کی وجہ سے قربانی ممنوع نہیں ہوتی۔

☆ جو جانور اندھا، کانایا لنگڑا ہو یا بہت بیمار اور لاغر ہو یا جس کا کوئی کان، دم یا چکلی تہائی سے زیادہ کٹے ہوئے ہوں یا پیدائشی کان نہ ہوں یا ناک کٹی ہو یا دانت نہ ہوں یا بکری کا ایک تھن یا گائے بھینس کے دو تھن خشک ہوں، ان سب جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

☆ جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ اوپر سے ٹوٹا ہوا ہے، کان، چکلی یا دم ایک تہائی یا اس سے کم کٹے ہوئے ہیں تو ایسے جانوروں کی قربانی جائز ہے۔

☆ صاحب نصاب نے عیب دار جانور خریدا، یا خریدتے وقت بے عیب تھا بعد میں عیب دار

ہو گیا تو ان دونوں صورتوں میں اس کے لئے ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں، دوسرا بے عیب جانور خریدے اور اگر خدا نخواستہ ایسا شخص صاحب نصاب نہیں ہے تو دونوں صورتوں میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔

☆ خصی جانور کی قربانی آٹھ کے بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے، اگر گائے کے ساتویں حصے کی قیمت بکری سے زیادہ ہو تو وہ افضل ہے اور اگر قیمتیں برابر ہوں تو بکری کی قربانی افضل ہے، کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔

☆ بکرا، بکری، بھیڑ، دنبے کی قربانی صرف ایک فرد کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ اونٹ، گائے وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، شرط یہ ہے کہ سب کی نیت تقرب یعنی عبادت اور حصول اجر و ثواب کی ہو۔ سات سے کم افراد بھی ایک گائے کی قربانی میں برابر کے حصے دار ہو سکتے ہیں۔ مثلاً چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو حتیٰ کہ ایک آدمی بھی پوری گائے کی قربانی کر سکتا ہے، سات حصے داروں کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

☆ سات افراد نے مل کر قربانی کا جانور خریدا، بعد ازاں قربانی سے پہلے ایک حصے دار کا انتقال ہو گیا۔ اگر مرحوم کے سب ورثاء باہمی رضامندی سے یا کوئی ایک وارث یا چند اپنے حصے وراثت میں سے اجازت دے دیں تو استحساناً اس کی قربانی ہو جائے گی۔

☆ فوت شدہ والدین اور قرابت داروں کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ اپنی واجب قربانی ادا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ توفیق دے تو رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے لئے ایصالِ ثواب کی نیت سے قربانی کرنا افضل ہے، کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا اور حضور انور ﷺ کی نسبت سے اس کی قبولیت کا بھی یقین ہے۔

شریعت کی رو سے ہر عاقل و بالغ اللہ کی بارگاہ میں اپنے عمل کے لئے جو ابدہ ہے۔ لہذا ایک مشترکہ خاندان میں اگر ایک سے زیادہ افراد صاحب نصاب ہیں تو سب پر فرداً فرداً قربانی واجب ہے، محض ایک قربانی سب کے لئے کافی نہیں ہوگی بلکہ تعین کے بغیر ادا ہی نہیں ہوگی۔

☆ قربانی کی گائے میں عقیقہ کا حصہ ڈال سکتے ہیں، بہتر یہ ہے کہ لڑکے کے لئے دو حصے ہوں اور لڑکی کے لئے ایک حصہ، اگر دو حصے کی استطاعت نہ ہو تو لڑکے کے لئے ایک حصہ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

☆ افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کیے جائیں، ایک حصہ ذاتی استعمال کے لئے، ایک حصہ اعزاء و اقرباء اور احباب کے لئے اور ایک حصہ فقراء اور ناداروں پر صرف کیا جائے۔ سارا گوشت رضا الہی کے لئے مستحقین کو دے دینا عزیمت اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے اور اگر خود زیادہ ضرورت مند ہے تو کل یا اکثر گوشت ذاتی استعمال میں لانے کی رخصت و اجازت ہے، لیکن یہ روح قربانی کے منافی ہے۔

نوٹ: شریعت کے مطابق ذبح کیے ہوئے حلال جانور کے مندرجہ ذیل اعضاء کھانے منع ہیں۔ دم مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون) ذکر، گائے، بکری کے پیشاب کی جگہ (فرج)، خصیتین (کپورے) مثانہ، دبر (جانور کے پاخانے کی جگہ) حرام مغز، اوجھڑی اور آنتیں۔ ان میں سے دم مسفوح حرام قطعی ہے اور باقی مکروہ تحریمی ہیں۔

☆ قربانی کا وقت 10 ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر 12 ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، گیارہویں اور بارہویں شب میں بھی قربانی ہو سکتی ہے مگر رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ ایسے شہر اور قصبات جہاں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔

☆ قربانی کے جانور نے ذبح سے پہلے بچہ دے دیا، یا ذبح کرنے کے بعد پیٹ سے زندہ بچہ نکلا، دونوں صورتوں میں یا اسے بھی قربان کر دیں، یا زندہ صدقہ کر دیں یا فروخت کر کے قیمت صدقہ کر دیں، اگر بچہ مردہ نکلے تو اسے پھینک دیں، قربانی ہو جائے گی۔

ذبح کا طریقہ

ذبح کرتے وقت جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رو لٹائیں اور خود ذبح کریں یا کسی سے ذبح کرائیں، چھری تیز ہو اور کم از کم تین رگیں کاٹنی چاہئیں۔

ذبح سے پہلے کی دعا

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا
وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا
مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اللَّهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَرُ پڑھ
کر چھری پھیر دیں۔

ذبح کے بعد کی دعا

”اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيلِكَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ وَخَبِيكَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

اگر دوسرے کی طرف سے ہو تو منی کی بجائے من فلان (اس شخص کا نام) لیں،
گائے ہے تو تمام شرکاء کے نام لیں۔

قربانی کی کھالیں

قربانی کے جانور کی کھال قصاب کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے کھال بیچ کر اس کی
قیمت صدقہ کر دینی چاہیے، کسی نادار شخص کو شخصی طور پر بھی دی جاسکتی ہے، لیکن دینی اداروں کو
دینا افضل ہے، کیونکہ یہ تبلیغ و اشاعت دین کے کام میں اعانت بھی ہے اور صدقہ جاریہ بھی۔

عقیقہ کی دعا: لڑکے کے لئے

اللَّهُمَّ هَذِهِ عَقِيْقَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ دَمَهَا بِدَمِهِ وَلَحْنُهَا
بِلَحْنِهِ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهِ وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهِ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهِ
اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لَهُ مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللّٰهِ، اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

لڑکی کے لئے

اللَّهُمَّ هَذِهِ عَقِيْقَةُ فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانٍ دَمَهَا بِدَمِهَا وَلَحْنُهَا

بَدَحِيهَا وَعَظْمُهَا بَعْظِيهَا وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهَا وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهَا
 اللَّهُمَّ اجْعَلْهَا فِدَاءً لَهَا مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُ أَكْبَرُ -

(نوٹ: فلاں فلاں کی جگہ لڑ کے یا لڑکی کا نام اور اس کے والد کا نام لیں)

”اے اللہ! یہ فلاں بن فلاں (یا فلا نہ بنت فلاں) کا عقیدہ ہے اس کی جان کو
 اس کی جان کے بدلے میں، اس کے گوشت کو اس کے گوشت کے بدلے
 میں، اس کی ہڈیوں کو اس کی ہڈیوں کے بدلے میں، اس کی جلد اس کی جلد کے
 بدلے میں، اس کے بال اس کے بالوں کے بدلے میں (صدقہ ہیں)، اے
 اللہ تو (ازراہ کرم) اس عقیدے کی برکت سے اس بچے کو نار جہنم سے محفوظ فرما
 (اور اسے ہر قسم کی آفات سے سلامتی عطا فرما)

تکبیرات تشریح

نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک ہر نماز باجماعت کے بعد ایک
 مرتبہ بلند آواز سے یہ تکبیر کہنا واجب ہے اور تین مرتبہ کہنا افضل ہے۔ عید گاہ آتے اور جاتے
 بھی با آواز بلند یہ تکبیر کہنا چاہیے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ
 الْحَمْدُ -

﴿ كِتَابُ النِّكَاحِ ﴾

خفیہ نکاح کا شرعی حکم

سوال: بعض اوقات لڑکا لڑکی خفیہ طور پر نکاح کر لیتے ہیں اس میں یا تو دونوں کے والدین کی رضا مندی شامل نہیں ہوتی یا لڑکی کے والدین کی رضا مندی شامل نہیں ہوتی بلکہ بعض صورتوں میں انہیں اطلاع تک نہیں ہوتی ایسے نکاح کا شرعی حکم کیا ہے ایک مولوی صاحب نے اخبار میں لکھا ہے کہ ایسا نکاح باطل ہے؟ (امیرالدین، حیدرآباد سندھ)

جواب: ”خفیہ نکاح“ سے کیا مراد ہے؟ اگر مراد یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی تنہائی میں ایجاب و قبول کر لیں تو ایسا نکاح فاسد ہے کیونکہ صحت نکاح کے لئے دو عاقل و بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی شرط ہے، یعنی یہ کہ وہ ایسے دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کریں خواہ بذات خود لڑکا اور لڑکی ایجاب و قبول کریں یا اپنے مجاز وکیل کے ذریعے۔ یہاں تک کہ علامہ علاؤ الدین ہسکفی نے فتاویٰ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر لڑکا اور لڑکی نے خلوت میں ایجاب و قبول کیا اور یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرتے ہیں تو نکاح جائز نہیں۔ اگر خفیہ نکاح سے مراد یہ ہے کہ کسی نے والدین کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر نکاح کر لیا ہے، نکاح کرنے والی لڑکی بالغہ ہے اور اس نے نکاح اپنے ہم منصب کے ساتھ یعنی کفو میں کیا ہے نکاح کا انعقاد مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں ہوا ہے۔ لڑکی نے برضا و رغبت براہ راست یا اپنے وکیل مجاز کی معرفت ایجاب و قبول کیا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ اخلاقاً ایسا نہیں ہونا چاہیے بہت سے امور اخلاقی اقدار کے خلاف ہونے کے باوجود قانونی اور شرعی طور پر نافذ ہو جاتے ہیں اور موثر ہوتے ہیں، لیکن جس معاشرے میں دفاتر اور اداروں میں مردوزن کا آزادانہ اختلاط ہو، تعلیمی اداروں میں مخلوط تعلیم ہو لڑکیوں کے گھروں سے باہر حجاب شرعی کے بغیر آزادانہ آمد و رفت ہو تو ایسے معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی توقع کیے جاسکتی ہے، فقط اس کی تمنا اور آرزو کی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر لڑکی نے اپنا نکاح برضا و رغبت کیا ہے مگر غیر کفو میں کیا ہے یعنی وہ رشتہ داری، حسن و جمال، منصب اور پیشے کے اعتبار سے اس کے خاندان کے

لئے باعث عار ہے تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی مختلف آراء ہیں، بعض کے نزدیک یہ نکاح جائز ہی نہیں ہے جب کہ ولی اس پر راضی نہ ہو وہ اسے فسخ کر سکتا ہے، بعض کے نزدیک ولی کو اس سلسلے میں عدالت کے ذریعے نکاح کو فسخ کرانے کا حق حاصل ہے، بعض کے نزدیک ہم کفو ہونے کے لئے اسلام ہی کافی ہے۔ تاہم موجودہ شہری معاشرے میں جہاں انسان مخلوط ہوں، دین داری اور تقویٰ کو چھوڑ کر دولت ہی معیار عزت قرار پائے وہاں یہ ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون کس کا ہم کفو ہے اور کون نہیں ہے، بلکہ یہ بحث ہی بے معنی ہو جاتی ہے اگر ہمیں ان نتائج سے بچنا ہے تو اپنی اولاد کی دینی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے۔

ٹیلی فون پر نکاح

سوال: میں نے اپنی کزن کے ساتھ تین گواہوں کی موجودگی میں فون پر نکاح کیا ہے جب کہ میں کراچی میں تھا اور لڑکی سرحد میں، کیا یہ نکاح ہو گیا؟ (نسیم اختر، لی مارکیٹ، کراچی)

جواب: شرعاً نکاح کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ مجلس نکاح میں دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول ہو، فریقین (یعنی لڑکا اور لڑکی) دونوں موجود ہوں اور براہ راست ایجاب و قبول کریں یا وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک موجود نہ ہو تو اپنے اپنے وکیل کے ذریعے ایجاب و قبول کر سکتے ہیں، حکومت کے مجوزہ نکاح نامے میں دونوں کے وکیل مع گواہوں کے کالم اور دستخطوں کی نشاندہی موجود ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ لڑکا محض نکاح میں موجود ہوتا ہے اور لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل مجاز ایجاب و قبول کرتا ہے جو باقاعدہ گواہوں کی موجودگی میں لڑکی سے نکاح کی اجازت لے کر آتا ہے، لہذا اگر لڑکے یا لڑکی نے جو محفل نکاح میں اصالتہ یا وکالتہ موجود نہیں ہے، محض ٹیلی فون پر ایجاب و قبول کیا تو یہ نکاح شرعاً نہیں ہو اور وہ بدستور ایک دوسرے کے اجنبی ہیں۔ ایسے نکاح کے جواز کی شرعی صورت یہ ہے کہ لڑکا یا لڑکی جو مجلس نکاح میں موجود نہیں، تحریری طور پر یا ٹیلی فون پر کسی کو اپنا وکیل بنا لے اور وہ وکیل اس کی جانب سے بالمشافہ ایجاب و قبول کرے تو یہ شرعاً جائز ہوگا۔ آپ کے نکاح میں چونکہ یہ شرط مفقود ہے لہذا آپ کا نکاح شرعاً نہیں ہوا

اور اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

سول میرج کی شرعی حیثیت

(شاہد، کراچی)

سوال: ”سول میرج“ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: لڑکی اپنا شناختی کارڈ، میڈیکل سرٹیفکیٹ یا کوئی بھی دستاویزی ثبوت پیش کر کے کسی مجاز عدالت کے سامنے اپنے آپ کو شناخت کرا کے اپنی بلوغت کا ثبوت پیش کر دے اور عدالت کو مطمئن کر دے کہ وہ اپنی آزادانہ مرضی سے بلا جبر کسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ عدالت اس کو مطمئن ہونے کے بعد اجازت دے دے اور وہ اپنے پسندیدہ شخص سے باقاعدہ نکاح کر لے تو اسے عرف عام اور قانون کی اصطلاح میں ”سول میرج“ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں والدین اور سرپرست کی مرضی اور اجازت شامل نہیں ہوتی۔ تاہم قانوناً یہ شادی منعقد ہو جاتی ہے۔ اس سے معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں بعض اوقات نوبت قتل تک جا پہنچتی ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے شادی کے لئے عاقلہ و بالغہ لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔ لہذا والدین کو چاہیے کہ وہ شادی کے لئے لڑکی کی آزادانہ مرضی ضرور معلوم کر لیں۔ لڑکی کو بھی چاہیے کہ وہ جذباتی فیصلہ نہ کرے کیونکہ جذباتی فیصلے بعض اوقات تباہ کن ثابت ہوتے ہیں اور ایسی شادیاں اکثر ناکام رہتی ہیں۔ لڑکی اگر ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو کے ساتھ شادی کر لے تو ولی کو عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہے، کفو سے مراد یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی حسب و نسب مال و دولت، دین داری اور صنعت و حرفت یعنی پیشہ کے لحاظ سے ہم پلہ ہوں۔ آج کل کے جدید شہری ماحول میں عہدہ و منصب اور تعلیم بھی اس معیار میں شامل ہے۔

محرم اور صفر میں نکاح

سوال: کیا محرم اور صفر میں نکاح کرنا منع ہے؟ (سید اکرم شاہ، لسبیلہ، کراچی)

جواب: محرم، صفر یا سال کے کسی بھی مہینے میں نکاح کرنا منع نہیں ہے۔

مایوں اور مہندی کی شرعی حیثیت

سوال: مایوں اور مہندی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (شہناز شاہد و شازیہ ڈینیل، کراچی)

جواب: مایوں اور مہندی کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے یہ معاشرتی رسوم ہیں لیکن اگر ان میں خلاف شرع باتیں شامل ہوں مثلاً بے پردگی، گانا بجانا، مرد و زن کا احتلاط وغیرہ تو ان محرمات کے سبب یہ حرام ہوں گی۔ شرعاً صرف نکاح ہے یعنی مجلس میں گواہوں کی موجودگی میں تاکہ اس کا اعلان ہو جائے اور شرعی حجاب کے ساتھ باوقار انداز میں رخصتی ہے اور شب زفاف کے بعد ولیمہ سنت ہے باقی سب خرافات ہیں۔

قرآن میں نکاح کا لکھنا

سوال: ایک شخص نے قرآن مجید کے اندر یہ لکھا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کراؤں گا، بعد میں اس نے کسی اور سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، کیا یہ نکاح ہو گیا؟ نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے؟ (محمد علی جلبانی، ٹنڈوالہ یار)

جواب: مذکورہ بالا صورت میں کسی شخص کا یہ کہنا یا لکھنا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح فلاں شخص سے کراؤں گا۔ یہ نکاح منعقد نہیں ہوا بلکہ یہ محض ارادہ نکاح ہے لہذا وہ اپنی بیٹی کا نکاح شریعت کے مطابق کسی سے بھی کرا سکتا ہے اور وہ نکاح جائز ہوگا اور اس کا پڑھانا بھی جائز ہے۔ البتہ کسی سے یہ کہا ہو کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے یا تمہارے بیٹے سے کراؤں گا تو بھی یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہاں اس طرح کا وعدہ کر کے خلاف ورزی کی ہو تو وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا۔ قرآن مجید ان کاموں کے لئے، قسمیں کھانے کے لئے نازل نہیں ہوا، یہ تو کتاب ہدایت ہے، تلاوت کرنے، سمجھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے لئے ہے۔

قادیانی مرد سے مسلمان عورت کا نکاح

سوال: کیا کسی قادیانی مرد (جس کے قادیانی ہونے پر تین یا اس سے زائد افراد گواہی دے چکے ہوں) کو حنفی مسلمان لڑکی کا رشتہ دینا جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو ایسی صورت میں

لڑکی کے والدین اور لڑکی کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا یہ سب دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے یا نہیں؟ اس رشتے کی حمایت کرنے والے افراد کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(اے آفتاب، لائڈھی، کراچی)

جواب: کوئی شخص پہلے مسلمان تھا اور پھر اسلام سے منحرف ہو کر قادیانی ہو گیا تو یہ مرتد ہے اور مرتد سے مسلمان کا نکاح باطل ہے، اگر کسی شخص کا باپ یا دادا مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا تھا بعد میں اس کے اولاد ہوئی جو اس باطل عقیدے پر قائم رہی تو یہ لوگ کافر ہیں اور کافر سے بھی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور مشرک مردوں کے ساتھ (مومن عورتوں کا) نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں“ (البقرہ: 221) اس آیت میں مشرک سے نکاح کی ممانعت کے حکم میں کافر، مجوسی اور بت پرست سب شامل ہیں۔ جو مسلمان والدین جان بوجھ کر حلال سمجھ کر اپنی بیٹی کا نکاح قادیانی کے ساتھ کریں تو اس سے کفر لازم آتا ہے انہیں چاہیے کہ فوراً توبہ کریں اور تجدید نکاح کریں۔

تجدید ایمان اور تجدید نکاح

سوال: تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا فتویٰ ایک مسلمان پر کب لگایا جائے گا؟

(چشتی دلبر چوہان، گلشن حدید، ضلع ملیر، کراچی)

جواب: زوجین میں سے جب کسی ایک سے کفر سرزد ہو جائے گا تو ان کا نکاح باطل ہو جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو جاتے ہیں، جس شخص (شوہر، بیوی) نے ارتکاب کفر کیا ہے، اس پر لازم ہے کہ کفر سے توبہ کرے، تجدید ایمان کرے اور دو گواہوں کی موجودگی میں تجدید نکاح کریں، لیکن یہ تجدید نکاح عورت کی رضامندی پر موقوف ہے، یک طرفہ طور پر نہیں ہو سکتا، باقاعدہ ایجاب و قبول ہوگا اور مہر بھی مقرر کیا جائے گا۔ اب رہا سوال کہ کن صورتوں میں کسی پر التزام کفر کیا جائے گا تو سارے کفریات کا احاطہ ممکن نہیں ہے تاہم چند اصولی باتیں سمجھ لیں۔ مثلاً سارے قرآن مجید یا کسی ایک آیت کا انکار کرنا، مطلقاً حدیث کا انکار کرنا، دین کے ان سب عقائد، ارکان اور اصول یا ان میں سے کسی ایک

کا انکار جو نصوص صریحہ قطعہ سے ثابت ہیں، تو ہیں رسالت اور مسلمہ شعائر دین کی توہین و تحقیر، شریعت کے حلال کو حرام قرار دینا اور حرام کو حلال قرار دینا، جیسے زنا، سرقہ، قتل اور شراب نوشی کو حرام جان کر کرنا گناہ کبیرہ، فسق و فجور اور ضلالت ہے اور ان گناہوں میں سے کسی ایک کو حلال سمجھ کر کرنا کفر ہے۔ باقی جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو اس کے بارے میں سیاق و سباق کو سامنے رکھ کر فتویٰ صادر کیا جاتا ہے۔

نامناسب حرکت

سوال: شوہر اگر غلطی سے اپنی بیوی کا دودھ چوس لے تو کیا اس سے نکاح پر اثر پڑے گا؟
(ش ب، جگہ نامعلوم)

جواب: انسانی جزو سے نفع اٹھانا حرام و ممنوع ہے۔ لہذا آپ کے شوہر کا یہ فعل شرعاً حرام ہے، تاہم اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ رضاعت یعنی دودھ کے رشتے سے جو حرمت نکاح ثابت ہوتی ہے، وہ ایام رضاعت (مدت شیر خواری) تک محدود ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت شرعاً دو سال کی عمر تک ہے اور بعض فقہاء سے احتیاط ڈھائی سال تک کا قول مروی ہے۔

مہر کی شرعی مقدار

سوال: مہر کی شرعی مقدار کیا ہے یا مہر شرعی کسے کہتے ہیں؟ (سید ذاکر شاہ، لائڈھی، کراچی)

جواب: مہر شرعی وہی ہے جس پر فریقین نکاح کا آپس میں اتفاق ہو جائے، شریعت نے اس کی کوئی انتہائی حد مقرر نہیں کی بلکہ اسے فریقین کی باہمی رضامندی پر چھوڑا ہے اور اس میں مختلف مالی حیثیتوں کے افراد کے لئے کم یا زیادہ کی گنجائش رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زیادہ مقدار میں مہر مقرر کرنے پر گرفت فرمانا چاہی تو ایک عورت نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ جس چیز کو شریعت نے کھلا چھوڑا ہے، آپ کو اس کی تحدید کا کیا حق ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کے موقف کو درست تسلیم کرتے ہوئے فرمایا ”عورت نے درست کہا، عمر کی بات غلط ہے“۔ بس شرط

یہ ہے کہ محض کسی کو دباؤ میں رکھنے کے لئے بھاری مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے جب کہ نظریہ یہ ہو کہ کس کو لینا ہے اور کس کو دینا ہے، کیونکہ یہ سوچ شریعت کی منشا اور روح کے خلاف ہے۔ ادا کرنے کی نیت بھی ہو اور ادا کرنا بھی چاہیے۔ البتہ حدیث پاک میں کم از کم مہر کی مقدار دس درہم (یعنی تقریباً 30.618 گرام چاندی یا اس کی قیمت) مقرر کی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ کا خطبہ نکاح

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت خدیجہ سے نکاح ہوا تو اس کا خطبہ کس نے پڑھا اور اس کے کلمات کیا تھے؟ (فاطمہ بنت عبد اللہ گلشن اقبال، کراچی)

جواب: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جب حضرت خدیجہ سے نکاح ہوا تو اس وقت آپ کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ کی عمر 40 سال تھی۔ تقریب نکاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وکالت کافریشہ آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے انجام دیا اور حضرت خدیجہ کی وکالت ان کے چچا عمرو بن اسد نے کی۔ تقریب نکاح میں قبیلہ مضر کے رؤساء اور مکہ کے امراء و اشراف جمع تھے۔ حضرت ابوطالب نے جو فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کا ترجمہ یہ ہے:

”سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم کی اولاد سے، حضرت اسماعیل کی کھیتی سے، معد کی نسل سے اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا۔ نیز ہمیں اپنے گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا، ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے، نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر کیا۔ حمد کے بعد، میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے، اس کا دنیا کے جس بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا، اس کا پلڑا بھاری ہوگا۔ اگر یہ مالدار نہیں تو کیا ہوا، مال تو ایک ڈھلنے والا سایہ ہے اور بدل جانے والی چیز ہے۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو، اس نے خدیجہ بنت خویلد کا رشتہ طلب کیا ہے اور ساڑھے بارہ اوقیہ سونا مہر مقرر کیا ہے اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہوگی۔“

﴿ كتاب الطلاق ﴾

طلاق کا احسن طریقہ

سوال: طلاق اگرچہ ایک انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے، لیکن بعض اوقات اس کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ طلاق دینے کا احسن طریقہ کیا ہے جس کے نتیجے میں پیچیدگیاں کم سے کم ہوں؟
(سیدنا صر علی قادری، گلشن اقبال)

جواب: اسلامی تعلیمات کا منشا اور مزاج یہی ہے کہ عورت، مرد کے مابین ”رشتہ مناکحت“ تا حیات قائم رہے، مگر بعض حالات میں طلاق اور خلع کا راستہ کھلا ہے۔ طلاق کی وہ صورت جسے فقہانے ”احسن“ قرار دیا ہے اور اسے ”طلاق سنی“ سے تعبیر کیا ہے درج ذیل ہے۔ (نوٹ: ”طلاق سنی“ کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ طلاق دینا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، البتہ آپ ﷺ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ کو طلاق دی تھی، لیکن بعد میں رجوع کر لیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ طلاق کا وہ طریقہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا) شوہر نے جن ایام طہر (پاکیزگی، یہ اصطلاح ”حیض“ کے مقابلے میں استعمال ہوتی ہے) میں اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو، ان میں اپنی بیوی کو ایک ”طلاق رجعی“ دے دے یعنی یوں کہے کہ ”میں نے تمہیں ایک طلاق دی“۔ یا ”میں تمہیں ایک طلاق دیتا ہوں“۔ اس کے بعد تین حیض گزرنے پر ”عدت“ مکمل ہو جاتی ہے۔ ”طلاق رجعی“ کا فائدہ یہ ہے کہ ”عدت“ کے دوران یہ شوہر جب چاہے رجوع کر سکتا ہے، اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے۔ یہ رجوع عمل سے بھی ہو سکتا ہے۔ محض زبانی یہ کہہ کر بھی کہ ”میں رجوع کرتا ہوں“ اور اس کے لئے کسی فتوے یا عداوتی فیصلے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سنیت مسلمان مسئلہ شرعیہ معلوم ہونا چاہیے، اور اگر خدا نخواستہ شوہر نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا ہو تو عدت گزرنے پر یہی ”طلاق رجعی“ ایک ”طلاق بائن“ ہو جاتی ہے اور میاں بیوی جب چاہیں بغیر کسی ”حلالے“ یا کسی رکاوٹ کے باہمی رضامندی سے دوبارہ عقد نکاح کر سکتے ہیں اور اس عقد ثانی کے بعد صرف ایک تبدیلی رونما ہوگی کہ شوہر کو آئندہ صرف دو طلاقوں کا حق حاصل رہے گا، اور آئندہ اگر کسی وجہ سے اس نے ”دو طلاقیں“ (ایک ساتھ یا الگ

الگ وقفوں میں) دیں تو طلاق مغلطہ ہو جائے گی۔

طلاق لینے کا طریقہ

سوال: طلاق لینا چاہتی ہوں، کیا طریقہ اختیار کروں؟ (زینب حبیب، کراچی)

جواب: اگر شوہر صحیح ہو، شریعت کے مطابق تمام حقوق ادا کر رہا ہو، اپنی مالی حیثیت کے مطابق نان و نفقہ یعنی خوراک، لباس اور رہن سہن کی سہولتیں بھی دے رکھی ہوں تو طلاق لینا شرعاً انتہائی ناگوار بات ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بھی ہے، حتی الامکان کوشش کر کے اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھیں۔ اگر خدا نخواستہ آپ اپنے جذبات سے ایسی ہی مغلوب ہیں کہ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی حدود میں رہ کر شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارنا مشکل ہے، یا خدا نخواستہ آپ کسی گناہ میں مبتلا ہو سکتی ہیں تو پھر قرآن مجید نے گلو خلاصی کی یہ صورت سورۃ البقرہ میں تعلیم فرمائی ہے کہ عورت اپنا حق مہر معاف کر دے یا لے رکھا ہے تو شوہر کو واپس کر دے اور شوہر اس کے بدلے میں اسے آزادی دے دے، یہ شریعت کی اصطلاح میں ”خلع“ کہلاتا ہے، اس سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دوبارہ دلوں کو مائل فرمادے تو دونوں باہمی رضامندی سے نکاح کر سکتے ہیں، عدت کے اندر بھی اور عدت کے بعد بھی۔ ”خلع“ کی یہ صورت عدالت کے باہر بھی ہو سکتی ہے، اس کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ضروری نہیں ہے۔

تحریری طلاق

سوال: تین سادق تین سال قبل ہوئی تھی۔ میری بیوی کاؤں میں رہتی ہے، میں نے اسے تین طلاقیں لکھ کر بھیجی ہیں، کیا اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

(نظام الدین بالادی، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی)

جواب: طلاق زبانی دی جائے یا تحریری طور پر واقع ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں دینے سے عورت حرام ہو جاتی ہے، لہذا اب وہ آپ کی بیوی نہیں رہتی اور جس وقت تین طلاق لکھ کر دی ہے، عدت کا حساب اس وقت سے ہوگا۔

طلاق مغلظہ کے باوجود بیوی کا شوہر کے ساتھ رہنا اور اولاد کے

نسب کا مسئلہ

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اس کے بعد وہ میاں بیوی بدستور ازدواجی زندگی بسر کرتے رہے، طلاق کے تقریباً 6 ماہ بعد ان کے ہاں ایک بچی پیدا ہوئی اور اب وہ دوبارہ پانچ ماہ کی حاملہ ہے، اس دوران شوہر نے بیوی پر دباؤ ڈالا کہ وہ طلاق کے معاملے کو صیغہ راز میں رکھے۔ مگر جب بیوی کے والدین کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹی کو اپنے ہاں بلوایا۔ اب شوہر نے یہ موقف اختیار کیا کہ وہ نیوٹاؤن مسئلہ معلوم کرنے گئے تھے مگر وہاں کوئی عالم نہ ملا، پھر انہوں نے ایک وکیل سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ طلاقیں تین طہر میں الگ الگ دینے سے موثر ہوتی ہیں، ورنہ نہیں، تم مزے سے زندگی گزارو۔ شوہر نے یہ بھی عذر تراشا کہ وہ طلاقیں دیتے وقت غنودگی کی کیفیت میں تھا۔ بعد میں وہ بڑا پچھتایا، لیکن سارا واقعہ اسے پوری طرح یاد ہے اور معلوم ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ (۱) آیاتین طلاقیں دیتے ہی واقع ہوگئی تھیں؟ (۲) اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کے بعد دونوں کے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کا کیا حکم ہے؟ (۳) عدت کب سے شروع ہوئی اور کب ختم ہوئی؟ (۴) پہلی بچی کے نسب کا کیا حکم ہے؟ (۵) دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا حکم؟ (۶) جن لوگوں یا خاندان کے افراد نے طلاق سے باخبر ہونے کے باوجود اس جوڑے کے ساتھ میل جول رکھا، ان کا کیا حکم ہے؟ (۷) وکیل صاحب کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ: تفصیلی سوال کا خلاصہ درج کیا گیا ہے) (عبداللہ، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: صورت مسئلہ میں بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دیتے وقت خاتون حاملہ تھی کیونکہ تین طلاقیں شوہر نے 14 اپریل 99ء کو دیں اور 10 اکتوبر 99ء کو بچی پیدا ہوئی۔ تاہم حالت حمل میں بھی طلاق دی جائے تو شرعاً موثر ہوتی ہے اور اس کی عدت وضع حمل تک ہے۔ لہذا 10 اکتوبر 99ء کو بچی پیدا ہوتے ہی عدت ختم ہوگئی اور اب وہ خاتون

شوہر کے لئے مکمل طور پر اجنبی ہوگئی۔ ایک مجلس میں تین طلاقتیں دی جائیں تو وہ شرعاً تین ہی شمار ہوتی ہیں، اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے اور طلاق ثلاثہ مغلظہ کے بعد شوہر کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ عدت کے اندر بھی وطی کرنا حرام ہے، لہذا دوران عدت اگر میاں بیوی مباشرت کرتے رہے ہیں تو انہیں حرام اور گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ توبہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس بچی کے ثبوت نسب میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی صحیح النسب بیٹی ہے اور اس کی وارث بھی بنے گی۔ پہلی بچی کی پیدائش کے بعد جو ان دونوں نے میاں بیوی کے طور پر رہتے ہوئے زندگی گزاری اور اس دوران جتنی بار بھی مباشرت کی، وہ شرعاً زنا کے حکم میں ہے، جو گناہ کبیرہ ہے اور دونوں کو تاحیات اس ارتکاب گناہ پر اللہ تعالیٰ سے عجز و نیاز کے ساتھ اور صدق دل سے معافی مانگتے رہنا چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ (اس جرم کو تو) معاف نہیں فرماتا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لئے چاہے سب گناہوں کو بخش دیتا ہے“۔ لیکن یہ عفو و مغفرت بندے کا حق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان کرم پر موقوف ہے۔ اس گناہ کی تلافی کا مالی کفارہ نہیں ہے۔ شوہر کا یہ کہنا کہ وہ غنودگی یا نیند کے عالم میں تھا، اس لئے درست نہیں کہ انہیں سب کچھ یاد ہے، اپنی غلطی اور اس کی سنگینی کا بھی انہیں اس وقت احساس تھا۔ دارالاسلام میں احکام شرعیہ ضرور یہ سے جہالت عذر نہیں ہے، اور کراچی جیسے شہر میں مسائل شرعیہ بتانے والے سینکڑوں علماء موجود ہیں اور دسیوں دارالافتاء ہیں، ایک نیوٹاؤن ہی نہیں ہے۔ تاہم وکیل کے گمراہ کرنے پر چونکہ انہیں بقاء نکاح کا شبہ تھا اور خاتون بدستوران کے فراش پر رہیں، لہذا بچہ ثابت النسب ہوگا۔ خاتون کے سابق شوہر کی اولاد ہو گا اور اس کا وارث بھی بنے گا۔ اور دونوں بچوں کی کفالت کے مصارف ان کے باپ کے ذمے ہوں گے۔

فتاویٰ عالمگیری جلد 1 صفحہ 540 پر ہے:

ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجا غيره

فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب

ثابت وان كانا يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضا

عند ابى حنيفة.

”یعنی اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر قبل اس کے کہ وہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرتی (اور وہ اس کو طلاق دیتا اور عدت گزر جاتی) اس نے اس سے نکاح (ثانی) کر لیا اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہو گیا اور ان دونوں (میاں بیوی) کو فساد نکاح کا علم نہیں تھا تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا، اور اگر انہیں فساد نکاح کا علم بھی تھا تب بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بچہ ثابت النسب ہوگا۔“

نوٹ: اس جیسی صورتحال میں جو سوال میں مذکور ہے، اگر قرب و جوار کے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ طلاق مغلطہ کے باوجود، وہ لوگ میاں بیوی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں تو انہیں ایسے لوگوں کو فہمائش کرنی چاہیے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کا سماعی مقاطعہ کرنا چاہیے۔

اسی طرح اگر خاوند کے والدین اور اہل خانہ طلاق مغلطہ کا علم ہونے کے باوجود سکوت اختیار کیے رہیں تو وہ بھی شدید گنہگار ہیں اور انہیں توبہ کرنی چاہیے۔ جس وکیل نے گمراہ کیا ہے وہ بھی ضال اور مضل ہے اور اسے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہیے۔

حاملہ کو طلاق

سوال: کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور بعد میں پتہ چلا کہ وہ حاملہ ہے تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی؟ (سید عزیز برنی، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: کسی بات کا اخلاقاً معیوب ہونا، شقاوت اور سنگ دلی کا مظہر ہونا، بے مروتی اور قطع رحمی کا باعث بننا اور اس کا قانوناً و شرعاً نافذ ہونا، دو الگ امور ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی میں بہت سی ایسی باتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں جو انتہائی بد اخلاقی کے زمرے میں آتی ہیں۔

لیکن ان کے ارتکاب سے قانونی و فطری نتائج ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ حالت حمل میں دی گئی طلاق کی بھی یہی صورتحال ہے کہ اگرچہ یہ انتہائی سنگ دلی، بے رحمی اور بے مروتی کی بات ہے، لیکن اگر خدا نخواستہ کسی نے اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دی تو ضرور واقع ہو جائے گی، سورۃ الطلاق آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے“ یعنی بچہ پیدا ہوتے ہی عدت ختم ہو جائے گی اور فرمان باری تعالیٰ ہے ”اگر وہ (طلاق یافتہ عورتیں) حاملہ ہوں تو وضع حمل تک انہیں نفقہ دو“۔ قرآن کا حاملہ عورت کی عدت بیان کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ حالت حمل میں طلاق واقع اور موثر ہو جاتی ہے۔

طلاق کا حق بیوی کو دینا

سوال: نکاح کے وقت اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنا چاہے تو کیا یہ درست ہے؟ اس کا صحیح شرعی طریقہ کیا ہے؟ (انیسہ کریم، کھارادر، کراچی)

جواب: شوہر چاہے تو طلاق کا حق بیوی کو تفویض کر سکتا ہے، لیکن یہ تب ہوگا جب عورت اس کے نکاح میں آجائے۔ اس کا صحیح شرعی طریقہ یہ ہے کہ نکاح کے وقت لڑکی براہ راست لڑکے سے کہے ”میں نے اپنے نفس کو اتنے مہر کے عوض اس شرط کے ساتھ تیرے نکاح میں دیا کہ بعد میں جب کبھی بھی میں چاہوں، مجھے خود کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا“۔ یا لڑکی کا وکیل لڑکے سے کہے کہ ”میں اپنی موکلہ فلاں بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض اس شرط کے ساتھ تیرے نکاح میں دیا کہ بعد میں جب کبھی میری موکلہ چاہے اسے اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار حاصل رہے گا“۔ اور ان دونوں صورتوں میں لڑکا اصلالتا یا وکالتاً کہے کہ مجھے اس شرط کے ساتھ آپ سے نکاح قبول ہے، تو ایسی صورت میں وہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور بیوی کو تاحیات غیر مشروط حق طلاق حاصل رہے گا۔ اور اگر نکاح کے وقت لڑکی اس دائمی اختیار طلاق کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دے کہ مثلاً (ا) اگر تو نے مجھے نان نفقہ نہ دیا (ب) یا تو نے مجھے مارا پیٹا (ج) یا تو نے مجھے والدین سے ملنے نہ دیا وغیرہ تو ان شرائط کے پانے کی صورت میں اسے اختیار طلاق حاصل ہوگا ورنہ نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طلاق بائن کا ایک دقیق فقہی مسئلہ

علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی رئیس: دارالافتاء، دارالعلوم امجدیہ سے ایک علمی بحث

موضوع بحث

POINT OF DISCUSSION

”طلاق بائن کو دوسری طلاق بائن صرف اس وقت لاحق ہوتی ہے، جب دوسری کو پہلی کی خبر بنانا ممکن نہ ہو، خواہ دوسری بائن سے بھی طلاق کی نیت کی ہو۔“

پس منظر

ایک مستفتی ”محمد عتیق اللہ“ طلاق کا ایک استفتاء لے کر دارالعلوم امجدیہ میں علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کے پاس گیا، انہوں نے صورت مسئولہ کو دیکھ کر ”طلاق مغلظہ“ کا فتویٰ صادر فرمایا، فتویٰ کے استدلال کی بنیاد علامہ شامی کی اس عبارت پر تھی کہ تَلْحَقُ الْبَائِنُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ بِشَرْطِ النِّيَّةِ (جلد 2، صفحہ 145) اس عبارت کا مفہوم انہوں نے یہ سمجھا کہ: ”اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک طلاق بائن دی ہو اور پھر بہ نیت طلاق دوسری طلاق بائن دے دے تو یہ دوسری طلاق بائن، پہلی بائن کو لاحق ہو جاتی ہے۔“

مستفتی کے سوال اور علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب کے جواب کی عبارت لفظ بہ لفظ

درج ذیل ہے:

الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی صاحب

السلام علیکم!

میں ایک شرعی مسئلے کی بابت آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ میرا ایک بھائی غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک مرتبہ کہتا ہے میں نے تمہیں طلاق دی اس کے تیسرے دن

دوبارہ رجوع کر لیا۔ اس کے تقریباً پانچ ماہ گزرنے کے بعد غصہ کی حالت میں اس نے اپنی بیوی سے دو مرتبہ کہا ”میں نے تمہیں آزاد کیا، میں نے تمہیں آزاد کیا“۔

برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلے کو حل فرمائیں کیا شوہر اپنی بیوی سے دوبارہ رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ (سائل: محمد عتیق اللہ، سیکٹر BB246-11 نارتھ، کراچی)

باسمہ تعالیٰ

الجواب: یہ سوال خود شوہر محمد سمیع اللہ ولد محمد یاسین نے ہمارے دارالافتاء آ کر پیش کیا ہے۔ اس نے اپنے سوال میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سیدہ روبی تبسم بنت پرویز حسین کو پہلے ایک طلاق دی پھر تیسرے دن رجوع بھی کر لیا۔ اس کے تقریباً پانچ ماہ بعد غصہ کی حالت میں دو مرتبہ یہ کہا ”میں نے تمہیں آزاد کیا، میں نے تمہیں آزاد کیا“۔ صورت مسئلہ میں جب شوہر نے ایک طلاق دی تھی، تو یہ ایک طلاق رجعی واقعہ ہوئی تھی۔ طلاق رجعی کا حکم یہ ہے کہ شوہر اگر چاہے تو عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔ رجوع قول سے بھی ہوتا ہے اور فعل سے بھی۔ شوہر نے تیسرے دن جب رجوع کر لیا تو اس کا رجوع کرنا صحیح تھا اور یہ رجوع بھی ہو گیا تھا اور شمار میں یہ طلاق باقی رہی۔ مگر جب اس کے بعد اس نے یہ کہا کہ (۱) ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ (۲) ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ تو ہم نے خود شوہر سے جب یہ دریافت کیا کہ دوسری مرتبہ جو آپ نے لفظ آزاد کہا، اس سے آپ کی کیا مراد تھی؟۔ تو اس نے ہمیں زبانی بتایا کہ میری دوسرے لفظ سے مراد بھی طلاق تھی۔ لہذا جب دوسرے لفظ ”تمہیں آزاد کیا“ سے بھی شوہر نے طلاق کی نیت کی، تو اس صورت میں یہ طلاق بائن دوسری بائن طلاق کو لاحق ہو گئی اور یہ طلاق بائن اس سے قبل دی گئی طلاق سے مل کر تین طلاقیں ہوئیں۔ چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے: تَلْحَقُ الْبَائِنُ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ بِشَرْطِ النِّيَّةِ (جلد 2، صفحہ 145) لہذا شخص مذکورہ کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئیں اور اس کی بیوی بحرمت مغلظہ اس پر حرام ہو گئی۔ اب ان دونوں کا دوبارہ آپس میں نکاح بھی بغیر حلالہ شرعی نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں ہے: فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ

وَجَا غَيْرَةَ۔ یعنی پھر اگر تیسری طلاق اسے دی، تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔

عبدالعزیز حنفی غفرلہ

دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ عالمگیری روڈ کراچی

10 رجب المرجب 1419ھ، 31 اکتوبر 1998ء

ہماری دانست میں علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب کا یہ فتویٰ درست نہیں تھا، ہمارا حسن ظن یہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ کثرت مشاغل اور قلت توجہ کے سبب مفتی صاحب سے تسامح ہو گیا ہو، لہذا ہم نے اس فتوے کا صحیح جواب مفصل و مدلل لکھا اور مفتی صاحب سے گزارش کی کہ وہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں اپنی غلطی پر مطلع ہونے کے بعد اپنے سابق فتوے سے رجوع فرمائیں اور درست فتویٰ جاری فرمائیں۔ بعینہ اسی مسئلے پر ہمارا فتویٰ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب هو الموفق للصواب، بتوفیق اللہ و وسیلۃ حبیبہ الکریم علیہ

الصلوٰۃ و التسلیم

صورت مسنّوہ میں مسمیٰ محمد سمیع اللہ نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور پھر دوران عدت رجوع کر لیا، یہ درست ہے۔ لیکن یہ طلاق مجموعی نصاب طلاق میں شامل ہونے کے لئے بدستور موثر رہے گی۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیوی سے بہ نیت طلاق کہا: ”میں نے تمہیں آزاد کیا، میں نے تمہیں آزاد کیا“۔ یہ طلاق بائن کے کلمات ہیں۔ درمختار میں ”اَنْتِ خُرَّةٌ“ (تو آزاد ہے) کو طلاق بائن کے کلمات میں شمار کیا ہے، اور اس کی شرح میں علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے: ”اَنْتِ خُرَّةٌ“ (تو آزاد ہے) اور ”اَعْتَقْتُکِ“ (میں نے تمہیں آزاد کیا)، معنی مترادف ہیں (ردالمحتار صفحہ 245 جلد 2 مطبوعہ بیروت) فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ کوئٹہ صفحہ 376 جلد 1) میں بھی یہی درج ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں پیش آمدہ صورتحال میں محمد سمیع اللہ کی بیوی کو ایک طلاق بائن

واقع ہوگئی اور پہلی طلاق رجعی کے ساتھ مل کر مجموعی طور پر دو طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اور اب فریقین عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، لیکن آئندہ شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کی گنجائش باقی رہے گی اور خدا نخواستہ اس نے ایک طلاق دے دی تو حرمت مغلظہ ہو جائے گی۔

دارالعلوم امجدیہ کے فاضل مفتی کا ”میں نے تمہیں آزاد کیا، میں نے تمہیں آزاد کیا“ کو دو بائن طلاقیں شمار کر کے اسے حرمت مغلظہ قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ درمختار علی ہاشم ردا المختار (جلد 2، صفحہ 470-471) مطبوعہ بیروت میں ہے۔

”طلاق بائن کو (دوسری) بائن لاحق نہیں ہوتی، جب کہ دوسری کو پہلی کی حکایت و خبر قرار دینا درست ہو، جیسے شوہریوں کہے: تو بائن ہے، بائن ہے یا یہ کہے کہ میں نے تجھے ایک طلاق بائن دی۔ تو یہ دوسری بائن واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ پہلی ہی کی حکایت و خبر ہے۔ تو اسے انشاء یعنی نئی طلاق قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہاں اگر وہ کوئی ایسے کلمات کہہ دے جنہیں پہلی کی خبر قرار دینا ممکن نہ ہو تو وہ دوسری طلاق شمار ہوگی، جیسے یوں کہے کہ: ”میں نے تجھے دوسری طلاق بائن دی“۔

إِذَا أَمَكْنَ جَعْلُهُ إِخْبَارًا عَنِ الْأَوَّلِ
كَانَتْ بَائِنٌ كَانَتْ بَائِنٌ بَائِنٌ أَوْ
أَبْنُكَ بِتَطْلِيقِهِ فَلَا يَقَعُ لِأَنَّهُ
إِخْبَارٌ فَلَا ضَرُورَةَ فِي جَعْلِهِ إِنْشَاءً
بِخِلَافِ أَبْنُكَ بِأُخْرَى أَوْ أَنْتِ
طَالِقٌ بَائِنٌ۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری (صفحہ 377) جلد 1) مطبوعہ کوئٹہ میں ہے:

لَا يُلْحَقُ الْبَائِنُ الْبَائِنَ بَانَ قَالَ لَهَا . طلاق بائن، بائن کو لاحق نہیں ہوتی، مثلاً

اَنْتِ بَائِنٌ، ثُمَّ قَالَ لَهَا اَنْتِ بَائِنٌ، لَا يَقَعُ اِلَّا طَلْقَةً وَّاحِدَةً بَائِنَةً لِاَنَّهُ يُمَكِّنُ جَعْلَهُ خَبْرًا عَنِ الْاَوَّلِ۔

کسی نے اپنی بیوی سے کہا، تو بائن ہے، پھر اس نے کہا تو بائن ہے، تو اس سے ایک ہی طلاق بائن واقع ہوگی، کیونکہ دوسری کو پہلی کی حکایت و خبر قرار دینا ممکن ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہل سنت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز سے مسئلہ دریافت کیا گیا کہ:

ایک شخص نے بحالت غصہ اپنی زوجہ سے بہ نیت طلاق ایک وقت میں تین بار کہا کہ ”میں نے تجھے آزاد کیا“ اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی مغلظہ یا بائنہ یا رجعی؟ آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

یہاں تین طلاق کا حکم دینا یوں غلط ہے کہ تمام متون و شروح و فتاویٰ میں تصریح ہے کہ کنایہ بائنہ طلاق بائن کے بعد طلاق جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اسی طلاق اول سے اخبار ہوتا ہے ”اِلَّا اَنْ يَنْصَّ بِمَا لَا يَحْتَمِلُهُ“ (یعنی سوائے اس کے کہ ایسے الفاظ سے تصریح کر دے کہ پہلی طلاق بائن کی حکایت و خبر واقع ہونے کا سرے سے احتمال ہی نہ رکھے) اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے در مختار کی وہ عبارت استشہاد کے طور پر نقل فرمائی ہے، جس کا ہم اوپر حوالہ (مع ترجمہ) دے چکے ہیں، (فتاویٰ رضویہ صفحہ 585، جلد 12 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور) اسی طرح اسی ایڈیشن کے صفحہ 578 پر اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں کہ:

”اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کل یا بعض کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔“ پھر آگے اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ عالمگیری کی وہ عبارت بطور استشہاد درج فرمائی ہے، جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح اسی ایڈیشن کے صفحہ 572 پر اعلیٰ حضرت ”فَانَّ الْبَائِنَ لَا يَلْحَقُ الْبَائِنَ كَمَا فِي الْمَتُونِ“ کہہ کر فرماتے ہیں: ”صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ تو کسی طرح نہ ہوئی، ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید

علامہ شامی کی محولہ بالا عبارت بنیادی طور پر اس امر سے بحث کرتی ہے کہ ”طلاق صریح“، طلاق بائن کو لاحق ہوتی ہے، تو دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۲) علامہ شامی نے دراصل اس عبارت میں طلاق رجعی کی دو قسمیں یاد و صورتیں بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ لفظاً اور معنی دونوں اعتبار سے طلاق صریح ہو جیسے ”أَنْتِ طَالِقٌ“ اس کے بائن کو لاحق ہونے میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ لفظاً تو صریح نہ ہو لیکن معنی صریح ہو، جیسے اِعْتَدِي، اِسْتَبْرِي، رَحِمَكَ، اَنْتِ وَاَحَدَةٌ وَغَيْرُهَا، انہیں علامہ شامی ”الکنايات الرواجع“ کی اصطلاح استعمال کر کے ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”اگر ایسے کلمات نیت طلاق کے ساتھ کہے جائیں تو یہ ”ظاہر الروایہ“ کے مطابق بائن کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں، یعنی چونکہ ان کلمات سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، اس لئے بائن کے ساتھ ”لحاق“ کے معانی میں یہ طلاق صریح ہی کے حکم میں ہیں۔ ان ادلہ کی روشنی میں دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اپنے فتوے پر نظر ثانی فرمائیں۔

مفتی منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

11 رجب المرجب 1419ھ، 9 نومبر 1998ء

نوٹ: علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کے استدلال کی بنیاد اس بات پر تھی کہ شوہر نے جب دوبار کہا ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ تو اس سے دو بائن طلاقیں واقع ہو گئیں اور دلیل یہ دی کہ بائن کو بائن لاحق ہوتی ہے، جب یہ فتویٰ ہمارے پاس آیا تو ہم نے 9 نومبر 1998ء کو متعدد حوالہ جات کے ساتھ اس جواب کا رد لکھا اور ثقہ علماء کرام اور مفتیان عظام نے اس کی بھرپور تائید کی۔ ان مؤیدین میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے ناظم اعلیٰ علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی کی ذات گرامی بھی شامل ہے، جن کی سرپرستی و نگرانی میں رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام فتاویٰ رضویہ کی تخریج، تحقیق اور عربی عبارات کے تراجم کے ساتھ جدید لکچر انداز میں طباعت و اشاعت کا عظیم منصوبہ گزشتہ کئی

برسوں سے انتہائی کامیابی اور سرعت رفتار کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

ہمارے استدلال کی بنیاد اس مسلمہ فقہی اصول پر تھی کہ طلاق بائن کو دوسری بائن صرف اس وقت لاحق ہوتی ہے جب دوسری کو پہلی کی خبر بنانا ممکن نہ ہو، اور صورت مسئولہ میں دوسری بائن کو پہلی بائن کی خبر بنانا ممکن ہے، اس لئے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور پہلی طلاق صریح کو ملا کر یہ دو طلاقیں واقع ہوئیں۔ اور اب زوجین عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد باہمی رضامندی سے آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ ہمارا مدلل و مفصل فتویٰ سطور بالا میں آپ نے ملاحظہ فرمایا، لیکن مقام افسوس ہے کہ مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب قبول حق پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس کے بعد کی پیش رفت حسب ذیل ہے:

29 نومبر 1998ء کو دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب نے بزعم خویش ہمارے جواب کا رد لکھا اور اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی، اس پر 10 دسمبر 1998ء کی تاریخ کے ساتھ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری کی تائید بھی مثبت ہے، لیکن ایسے مبہم انداز میں جسے کسی بھی فتوے پر مثبت کیا جاسکتا ہے۔ ہم تک یہ ”جواب الجواب“ رمضان المبارک سے قبل پہنچا۔ ان کا مکمل نظر ثانی شدہ جوابی فتویٰ، جس میں انہیں اپنے سابقہ موقف پر اصرار ہے، ”متابعۃ الجواب“ کی صورت میں ہمیں موصول ہوا۔ اس لئے ہم آئندہ سطور میں اس کا ذکر اسی عنوان سے کریں گے۔ پہلے مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب کا ”متابعۃ الجواب“ ملاحظہ فرمائیے۔

متابعۃ الجواب

سائل محمد عتیق اللہ کی جانب سے طلاق کے بارے میں ہم سے جو سوال کیا گیا تھا ہم نے اس سلسلے میں میاں بیوی دونوں کو اپنے دارالافتاء میں بلا یا شوہر محمد سمیع اللہ ولد محمد یاسین نے ہمارے سامنے جو تفصیلی بیان دیا اس کی فوٹو کاپی بھی ہم من و عن اس جواب کے ساتھ منسلک کر رہے ہیں۔ شوہر کا بیان یہ ہے:

”عرض یہ ہے کہ میں محمد سمیع اللہ ولد محمد یاسین شوہر روٹی تبسم نے اپنی بیوی سے روزمرہ

کی لڑائی جھگڑے کے باعث اور ان کے مطالبہ پر ایک طلاق دی تھی تاکہ بیوی اپنی اصلاح کرے اور مزید طلاق کی نوبت نہ آئے اس کے بعد بیوی نے یقین دہانی کرائی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا، اس یقین دہانی کے بعد میں نے رجوع کر لیا اور ہم میاں بیوی کی طرح رہے۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد پھر وہی لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا پھر میں نے سمجھایا کہ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے اس طرح گھر بننے کی بجائے اجڑ جاتا ہے بہت سمجھانے اور اصلاح کرنے کے باوجود میری بیوی کو سمجھ نہ آیا۔ برابر لڑائی جھگڑا بحث و مباحثہ کرتی رہی اور کئی مرتبہ مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا آخر کار میں نے مجبور اور تنگ ہو کر اپنی زوجیت سے خارج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ جان کر کہ ایک طلاق تو میں نے پہلے دے دی تھی جس سے میں نے رجوع کر لیا تھا۔ اب مزید دو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دوں لہذا میں نے اسی ارادہ اور نیت سے دو مرتبہ لفظ آزاد کہا میں نے لفظ اس طرح سے ادا کیا ”میں نے تمہیں آزاد کیا، میں نے تمہیں آزاد کیا“۔ یہ دو لفظ میں نے علیحدہ علیحدہ طلاق کی نیت سے ادا کیا۔ یعنی پہلا لفظ میں نے تمہیں آزاد کیا اس سے بھی طلاق کی نیت کی اور دوسری مرتبہ بھی میں نے تمہیں آزاد کیا اسے بھی میں نے تیسری طلاق کی نیت سے کہا یعنی دو مرتبہ میری مراد اور نیت علیحدہ علیحدہ طلاق ہی کی تھی“۔

اس بیان کے حوالہ سے شریعت کی روشنی میں ہم نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ صحیح ہے۔ مگر دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے پروفیسر صاحب نے اپنی غلط فہمی کی وجہ سے اسے غلط ثابت کرنے بلکہ حرام کو حلال بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ نیز پروفیسر صاحب نے جتنی بھی عبارات نقل کی ہیں اس میں انہوں نے وہ عبارات نقل نہیں کی جن سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جب دوسرے لفظ بائن سے دوسری طلاق کی نیت کرے تو یہ دوسری طلاق ہے اور جو عبارت ہم نے پیش کی ہے اسے نا تمام و نامکمل سمجھایا یہ ان کی فہم کا قصور ہے۔

(۱) اولاً ان کو یہ جاننا اور سمجھنا چاہیے کہ کسی مسئلہ کی تائید میں اسی قدر عبارت پیش کی جاتی ہے جتنی کہ نفس مسئلہ سے متعلق ہوتی ہے، تمام صفحات تحریر نہیں کیے جاتے، واضح رہے کہ الفاظ

کنایات سے جب نیت طلاق ہو یا دلالت حال یعنی مذاکرہ طلاق ہو یا پھر طلاق کے وقت شوہر حالت غضب میں ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ الفاظ کنایات طلاق کے لئے تو وضع نہیں کیے گئے ہیں دوسرے معنی کا بھی احتمال رکھتے ہیں۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

(کِنَايَةُ) عِنْدَ الْفُقَهَاءِ (مَا لَمْ يُوضَعْ لَهُ) أَيِ الطَّلَاقِ
(وَاحْتِمَلَهُ) وَغَيْرَهُ وَالْكَنَايَاتُ (لَا تُطَلَّقُ بِهَا) قِضَاءً (إِلَّا
بِنِيَّةٍ أَوْ دَلَالَةٍ الْحَالِ) وَهِيَ حَالَةٌ مَذَاكِرَةُ الطَّلَاقِ أَوْ
الْغَضَبِ فَالْحَالَاتُ ثَلَاثٌ رِضًا وَغَضَبًا وَمَذَاكِرَةً

(صفحہ 635 جلد 2)

یہ تین حالات ہیں اور دلالت حال کی وجہ سے تو تمام الفاظ کنایات سے طلاق واقع ہوتی ہے۔ لیکن اس بات کی فخر الاسلام وغیرہ بعض مشائخ نے مخالفت کی ہے انہوں نے فرمایا الفاظ کنایات میں بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جب تک ان سے نیت طلاق نہ ہو اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے۔

إِنَّ الْكِنَايَاتِ كُلَّهَا يَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ وَقَدْ تَبِعَ فِي ذَلِكَ
الْقُدُورِيُّ وَالسَّرُّ حَسْبِي فِي الْمَبْسُوطِ وَخَالَفَهَا فَخَرُ
الْإِسْلَامِ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَشَائِخِ فَقَالُوا بَعْضُهَا لَا يَقَعُ بِهَا إِلَّا
بِالنِّيَّةِ (صفحہ 236 جلد 2)

اور بائن کو بائن اس وقت تک لاحق نہیں ہوتی جب تک دوسری بائن کو پہلی طلاق سے خبر بنانا ممکن ہو۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

لَا يَلْحَقُ الْبَائِنُ الْبَائِنَ إِذَا امْكَنَ جَعْلُهُ إِخْبَارًا عَنِ الْأَوَّلِ
كَانَتْ بَائِنٌ بَائِنٌ أَوْ ابْنُكَ بِتَطْلِيْقَةٍ فَلَا يَقَعُ لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ
فَلَا ضَرُورَةَ فِي جَعْلِهِ انْشَاءً (درمختار صفحہ 648 جلد 2)

اور جب دوسری کو پہلی سے خبر بنانا ممکن نہ ہو تو دوسری انشاء طلاق کے لئے ہوگی اور یہ

اس صورت میں جب کہ لفظ منافی ہو دوسری کو پہلی سے خبر بنانے یا دوسری بائن سے وہ دوسری طلاق کی نیت کرے تو اس نیت کی وجہ سے دوسری کو پہلی کی خبر نہیں بنا سکتے۔ چنانچہ علامہ شامی نے اِذَا امْكُنْ پر لکھا:

قَالَ فِي الْبَحْرِ وَيَنْبَغِي أَنَّهُ إِذَا أَبَانَهَا ثُمَّ قَالَ لَهَا أَنْتِ بَائِنٌ
نَاوِيًا طَلْقَةً ثَانِيَةً أَنْ تَقَعَ الثَّانِيَةُ بِنِيَّةٍ لِأَنَّهُ بِنِيَّةٍ لَا يَصْلَحُ
خَبْرًا (صفحہ 648 جلد 2)

بحر میں فرمایا اور مناسب ہے کہ جب شوہر نے بیوی کو بائن طلاق دی پھر اسے دوسری طلاق کی نیت کرتے ہوئے کہا تو بائن ہے تو شوہر کی نیت کی وجہ سے یہ دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ شوہر کی نیت کی وجہ سے یہ دوسری پہلی کی خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کے بعد فرمایا فَهُوَ كَمَا ابْتُكِبَ بِأُخْرَى یعنی یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ وہ کہے میں نے تجھے بائن کیا دوسری طلاق سے۔ تو جس طرح لفظ أُخْرَى کی وجہ سے اس دوسری طلاق بائن کو پہلی سے خبر نہیں بنا سکتے اسی طرح دوسرے لفظ بائن سے طلاق ثانی کی نیت کی تو اس صورت میں بھی اس دوسری بائن طلاق کو پہلی بائن سے خبر نہیں بنا سکتے لہذا یہ دوسری بائن اس صورت میں پہلی بائن کو لاحق ہوگی۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر الفاظ کنایہ کی تکرار سے محض طلاق کی نیت کی تو اس سے تو ایک طلاق واقع ہوگی اس صورت میں کنایہ بائن پہلی بائن کو لاحق نہیں ہوگی مگر جب دوسری بائن سے دوسری بائن طلاق کی نیت کرے تو اس صورت میں یہ دوسری پہلی کو لاحق ہوگی۔

اور حضرت صدر الشریعہ خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی امجد علی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب ”بہار شریعت“ میں درمختار اور ردالمختار کے حوالے سے یہی مسئلہ تحریر فرمایا ہے جو ہم نے اپنے جواب میں تحریر کیا۔ فقہ حنفی کی اردو میں سب سے پہلی مستند و معتمد و متفق علیہ و مایہ ناز کتاب ”بہار شریعت“ (شرعی مسائل کا انسائیکلو پیڈیا) میں ہے ”اور بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی جب کہ یہ ممکن ہو کہ دوسری کو پہلی کی خبر دینا کہہ سکیں مثلاً پہلے کہا تھا کہ تو بائن ہے اس

کے بعد پھر یہ لفظ کہا تو اس سے دوسری واقع نہ ہوگی کہ یہ طلاق کی خبر ہے یا دوبارہ کہا میں نے تجھے بائن کر دیا اور اگر دوسری سے پہلے کو خبر دینا نہ کہہ سکیں مثلاً پہلے طلاق بائن دی پھر کہا میں نے دوسری بائن دی تو اب دوسری پڑے گی یونہی پہلی صورت میں بھی دو واقع ہوں گی جب کہ دوسری طلاق کی نیت ہو۔ (بہار شریعت صفحہ 19، جلد 8)

(۲) ثانیاً: دارالعلوم نعیمیہ کے پروفیسر صاحب نے خود اپنے فتوے میں منقولہ فقہ کی عبارت **إِلَّا أَنْ يَنْصَّ لِمَا لَا يَحْتَمِلُهُ** پر بھی غور نہیں کیا یہ عبارت تو ہماری مؤید ہے اور افسوس یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لکھے ہوئے ہی کو نہ سمجھا۔

(۳) ثالثاً۔ دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے پروفیسر صاحب نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رضویہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں انہوں نے قطع و برید سے کام لیا فتاویٰ رضویہ میں اور ہم سے پوچھے گئے استفتاء میں موجود فرق کو بھی نہیں سمجھا وہاں صرف تین مرتبہ الفاظ کنایہ استعمال کیے گئے ہیں نیت کا تذکرہ نہیں ہے جب کہ یہاں ہم سے پوچھے گئے استفتاء میں سائل خود تصریح کر رہا ہے کہ اس نے دوسری مرتبہ جو کہا کہ ”تمہیں آزاد کیا ہے“ سے علیحدہ دوسری طلاق کی نیت ہے، اور یہ پہلی سے مل کر تیسری طلاق ہے اس فرق کو سمجھنا ہر ذی عقل پر لازم ہے اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے درمختار کی جو عبارت **لَا يَلْحَقُ الْبَائِنُ الْبَائِنَ إِذَا امْكَنَ جَعَلَهُ إِخْبَارًا** لکھی تھی پروفیسر صاحب نے وہ مکمل عبارت نہیں لکھی جس سے یہ ثابت ہو رہا تھا کہ طلاق بائن بائن کو اس وقت لاحق نہیں ہوتی جب دوسری بائن کو پہلی بائن کی خبر بنا سکتے ہوں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جیسا کہ خود اس کے آخر میں لکھا کہ یہاں ایک پڑنے کی صحیح وجہ یہ ہے کہ جو فقیر نے بیان کی اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ وجہ درمختار کے حوالے سے یہ بیان فرمائی یہاں دوسری طلاق بائن کو پہلی کی خبر بنا سکتے ہیں لہذا دوسری بائن کو انشائے طلاق بنانا کوئی ضروری نہیں بخلاف **أَبْتُكَ بِأُخْرَى** برخلاف اس کے کہ شوہر نے **أَبْتُكَ بِأُخْرَى** کہا تو اس صورت میں دوسری بائن کو پہلی بائن سے خبر بنانا ممکن نہیں۔ یا پھر شوہر دوسری بار

لفظ بائن طلاق ثانی کی نیت سے کہے تو اس صورت میں بھی دوسری بائن طلاق ہوگی۔ تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جو لکھا ہے وہ حق ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب نے اسے سمجھا نہیں اس لئے کہ صرف الفاظ کنایات کی تکرار سے تو ایک ہی طلاق ہوتی ہے جب کہ ہر لفظ سے جداگانہ طلاق کی نیت نہ ہو اگر ان میں سے کسی لفظ سے شوہر کی نیت طلاق کی نہ ہو تو اصلاً کچھ بھی واقع نہیں ہوتا لیکن جب دوسرے لفظ بائن سے دوسری طلاق کی نیت کی تو اس نیت کی وجہ سے دوسری بائن طلاق واقع ہوگی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے بھی خود اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم صفحہ 417 میں ہے:

ثُمَّ مَا أَفَادُوا هَهُنَا مِنْ أَنَّهُ لَوْ نَوَى بِظَالِقٍ وَاحِدَةٍ وَبِأَيْنٍ
 أُخْرَى يُؤَيِّدُ مَا سَنَحَقَّقُهُ إِذَا أَرَادَ بِقَوْلِهِ أَنْتَ بَائِنٌ بَائِنٌ
 بِأَيْنَتَيْنِ فَهُوَ كَمَا نَوَى وَفَاقًا لِلْعَلَامَةِ الْبَحْرِ مُلْتَقَطًا۔

یعنی جس نے اپنے قول "انْتَ بَائِنٌ بَائِنٌ" سے دو بائن طلاق مراد لی تو پس وہ ویسی ہیں جیسی اس نے نیت کی علامہ بحر کا اس پر اتفاق ہے۔ جامعہ اسلامیہ گلستان جوہر کراچی کے مفتی صاحب بھی دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے پروفیسر کی رو میں بہہ گئے اسی لئے تو انہوں نے بھی لکھا کہ "بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اور اس کی وجہ صرف ثانی کا اول کے لئے خبر بننے اور حکایت ہونے کا امکان ہے" "نیت کچھ بھی ہو" ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ "نیت کچھ بھی ہو"۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ جب دوسری بائن سے شوہر دوسری طلاق کی نیت کرے تو اب نیت کی وجہ سے ثانی کو اول کے لئے خبر نہیں بنا سکتے۔ جامعہ اسلامیہ گلستان جوہر کے مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ علامہ شامی نے بحر الرائق کا رد فرمایا اس سے نفس مسئلہ کے متعلق ہمارے دیئے گئے جواب میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اس لئے کہ علامہ شامی کے رد کرنے سے علامہ بحر کے قول کو ناقابل دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ علامہ بحر کا بھی فقہ میں ایک اعلیٰ مقام ہے اور خاص اسی عبارت پر اعلیٰ حضرت مجددین و ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حاشیہ جد الممتار علی رد المختار مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی صفحہ نمبر 531

پر یہ عبارت:

”أَقْوَالٌ لَا يَرْتَابُ أَحَدٌ أَنَّ الْكِنَايَاتِ لَا بُدَّ لَهَا مِنْ نِيَّةٍ لَكِنْ هُنَا ثَلَاثَةُ أَشْيَاءَ نِيَّةِ الطَّلَاقِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَهَذَا هُوَ الَّذِي لَا بُدَّ مِنْهُ فِي الْكِنَايَاتِ وَنِيَّةِ التَّكْيِيدِ وَنِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ بَانَ يُرِيدُ وَيَقْصِدُ إِيقَاعَ طَلَاقٍ جَدِيدٍ غَيْرِ الْأَوَّلِ وَالْعَلَامَةُ الْبَحْرُ لَا يَقُولُ بِإِسْتِرَاطِ نِيَّةِ التَّكْيِيدِ حَتَّى يَرِدَ عَلَيْهِ أَنَّهُمْ لَمْ يَشْتَرِطُوا ذَلِكَ بَلْ إِنَّمَا يَقُولُ بِإِسْتِرَاطِ عَدَمِ نِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ كَقَوْلِهِ ابْنُكَ بِأُخْرَى فَإِنَّ الْوُقُوعَ إِنَّمَا هُوَ بِابْنُكَ لَا بِأُخْرَى وَإِنَّمَا هُوَ مُعَيَّنٌ لِنِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ عِنْدَ النَّاسِ فَلَمْ لَا تَكْفِيهِ نِيَّةٌ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ وَكَلَامُهُمْ غَيْرُ صَرِيحٍ فِي أَنَّهُ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ الْإِسْتِيْنَابُ أَصْلًا، وَإِنْ نَوَى وَيُحْمَلُ عَلَى التَّكْيِيدِ جَبْرًا عَلَيْهِ وَكَرْهًا وَهَلْ هُوَ إِلَّا حَجْرٌ لَهُ عَنْ تَصَرُّفِ قَصْدِهِ قَصْدًا خَاصًّا مَعَ كَوْنِهِ أَهْلًا، وَالْمَرْأَةُ مَحَلًّا، وَاللَّفْظُ صَالِحًا وَهُوَ الْمُشَدَّدُ عَلَى نَفْسِهِ، فَلِمَ لَا يَقْبَلُ فَيَتَأَمَّلُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ“۔

کو پڑھ لیتے تو ان کو شاید یہ تائید کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور اب رہی ان کی یہ بات کہ ”استثناء“ ہوتا تو فقہاء اس پر تحریر فرماتے اتنی تعجب خیز بات ہے جوش مخالفت کے باعث ان کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اِذَا امْكُنْ كِي قِيدِ اس کا فائدہ دے رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت الشاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دینے والے نعیمیہ کے پروفیسر صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے فقہ کی عبارت کا معنی ہی نہ سمجھا اِذَا امْكُنْ والی عبارت میں یہ ہے کہ جب دوسری کو خبر بنانا ممکن ہو جب خبر بنایا جائے گا ورنہ وہ انشاء ہوگی اور انہوں نے انشاء کو ہی ناممکن بنا دیا لہذا یہ حضرات اپنی تحریرات پر نظر ثانی کریں۔

عبدالعزیز حنفی غفرلہ

دارالافتاء دارالعلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی
9 شعبان المعظم 1419ھ، 29 نومبر 1998ء

تائید

علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری الازہری صاحب مدظلہم

لَقَدْ أَصَابَ مَنْ أَجَابَ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَإِلَيْهِ
الْمَرْجِعُ وَالْمَأْبُ وَآنَا الْفَقِيرُ إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ الْمُفْتَى
مُحَمَّدَ أَخْتَرَ رَضَا الْقَادِرِيُّ الْآزْهَرِيُّ غُفِرَ لَهُ

20 شعبان المعظم 1419ھ

10-12-98

نوٹ: مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب نے اپنے سابق موقف پر اصرار کرتے ہوئے یہ
”متابعة الجواب“ تحریر فرمایا اور ہمارے حسن ظن کے برعکس قبول حق پر آمادہ نہ ہوئے تو ہم
نے ان کی مزید تشفی اور احقاق حق کے لئے ”رد متابعتہ الجواب“ لکھا جو سطور ذیل میں پیش
خدمت ہے۔

رد متابعتہ الجواب

(۱) مسلمہ اصول کی خلاف ورزی

جب کسی مسئلے، فتویٰ یا عبارت پر کوئی علمی مناقشہ و مباحثہ شروع ہو جائے تو اصل بحث
(Point of Discussion) وہی عبارت رہتی ہے نہ کہ اس کی کوئی تبدیل شدہ ترمیم
شدہ صورت، تبدیل شدہ عبارت کو سابقہ بحث کی متابعت (Follow up) قرار دینا، دیدہ
و دانستہ فریب دہی اور خیانت کہلائے گی یا نرم سے نرم الفاظ میں اسے خود فریبی ہی کہیں گے،
خاص طور پر اس صورت میں جب یہ انجام کار سعی لا حاصل ٹھہرے اور ہاتھ کچھ نہ آئے۔

(۲) استفتاء میں لفظی و معنوی تحریف

ایک دن مسماة روبی تبسم کے بھائی اور مسکئی محمد سمیع اللہ ہمارے دارالعلوم میں آئے اور

بتایا کہ دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب نے ہمیں گھر پر فون کر کے دوبارہ بلایا ہے، ہم نے کہا ضرور جائیے، ہو سکتا ہے کہ مفتی صاحب نے حق منکشف ہونے اور اتنے وقیع علماء کی تائیدات پڑھ کر اپنے موقف پر نظر ثانی کی ہو اور اپنے سابقہ موقف سے رجوع کر لیا ہو، کیونکہ کسی بھی حق پرست عالم دین کا شعار یہی ہوتا ہے کہ وہ حق آشکار ہونے کے بعد اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور درحقیقت اس میں علم کا وقار اور عالم حق کی عظمت کا راز مضمر ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ واپس پلٹ کر ہمارے پاس آئے تو بتایا کہ مفتی صاحب نے مستفتی سے ایک نیا بیان لکھوایا ہے اور فرمایا ہے کہ ”اب یہ میری عزت کا مسئلہ ہے“ ایسے ہی موقع کے لئے قرآن نے فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (بقرہ: 206)

”اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر، تو پندار نفس اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔“

ورنہ ہماری ناموس و آبرو تو ناموس دین کا صدقہ اور ناموس سیدالابرار کا صدقہ ہے، بقول اعلیٰ حضرت عظیم البرکت،

تری بات کوئی کیوں پوچھے رضا تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

چنانچہ علامہ مفتی عبدالعزیز حسنی نے اپنی زیرنگرانی مرتبہ دوسرے استفتاء میں کئی ایسے جملے شامل فرمادیئے جو ان کے اصل استفتاء و فتویٰ میں ہرگز مذکور نہ تھے۔ مثلاً:

(۱) آخر کار میں نے مجبور اور تنگ ہو کر اپنی زوجیت سے خارج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ (۲) یہ جان کر کہ ایک طلاق تو میں نے پہلے ہی دے دی تھی جس سے میں نے رجوع کر لیا تھا، اب مزید دو طلاق دے کر اپنی زوجیت سے ہمیشہ کے لئے خارج کر دوں۔ (۳) یہ دو لفظ میں نے علیحدہ علیحدہ طلاق کی نیت سے ادا کیے۔ (۴) اور دوسری مرتبہ بھی میں نے تمہیں آزاد کیا، اسے بھی میں نے تیسری طلاق کی نیت سے کہا۔ یعنی دونوں مرتبہ میری مراد اور نیت علیحدہ علیحدہ طلاق ہی کی تھی وغیرہ۔

اس تحریر کے انصاف پسند اور جو یائے حق قارئین اور اہل علم سے میری مؤذنبانہ و عاجزانہ گزارش ہے کہ علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کے اولین استفتاء و فتویٰ کا مکمل متن۔ جسے ہم نے اس بحث کے شروع میں من و عن نقل کر دیا اور مفتی صاحب موصوف کے ”متابعتہ الجواب“ میں جو تحریف کر کے ایک بالکل نیا استفتاء مرتب کیا گیا ہے، ایک بار رک کر پھر دونوں کو پڑھیں، مقام حیرت ہے کہ صورت مسئلہ یا واقعہ ایک ہی ہے، مستفتی اور مفتی بھی وہی ہیں، تو پھر استفتاء میں ترمیم و تحریف کیوں؟ کیا یہ اہل حق کا شیوہ ہے؟ ہم فیصلہ اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں۔ ارہ کرم آپ بارگرددوں کا تقابلی مطالعہ فرمائیں، خط کشیدہ جملوں کو بار بار پڑھیں تو وہ آپ کو مستفتی کے اولین استفتاء میں نہیں ملیں گے، یہ قبلہ مفتی صاحب کی فن کاری و لفظی ہیر پھیر ہے اور اسی تضاد سے اصل کہانی آپ کی سمجھ میں آ جائے گی، کہ آیا اصل مسئلہ ”احقاق حق“ اور ”ابطال باطل“ کا ہے یا ”تحفظ انا“ اور پندار نفس کا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اس محنت شاقہ اور ڈیڑھ ماہ کی سعی لا حاصل کے بعد بھی ان کے ہاتھ نامرادی کے سوا کچھ نہ آیا۔ ہمارے اس عاجزانہ دعوے کا ثبوت سطور ذیل سے مل جائے گا۔

(۳) علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کا اپنے سابق جواب پر استقرار سے گریز اگر دارالعلوم کے فاضل مفتی کا اپنے سابق جواب پر قلبی اطمینان اور شرح صدر تھا تو حضرت مفتی محمد اختر رضا خان قادری اور دیگر اجلہ علماء کرام سے اسی کی تائید و تصویب کرا دیتے، اسے انہوں نے ریکارڈ سے غائب کیوں فرما دیا؟ قصہ اندروں کیا ہے؟

(۴) اصل فتویٰ کی ”بناء استدلال“ کا ذکر ”متابعتہ الجواب“ میں سرے سے غائب، آخر کیوں؟

علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی نے اپنے اولین اصل فتوے میں اپنے استدلال کی بنیاد فتاویٰ شامی قدیم جلد 2 صفحہ 645 کی ایک عبارت پر قائم کی تھی، اس پر ہمارا بنیادی اعتراض یہ تھا کہ یہ عبارت ”الکنايات الرواجع“ سے متعلق ہے، استفتاء کی صورت مسئلہ سے اس کا کوئی

تعلق نہیں ہے، لہذا بناء استدلال ہی غلط تھی، مفتی صاحب نے ہمارے اس اعتراض کا کوئی جواب تو نہیں دیا، لیکن عملاً ”متابعة الجواب“ میں اس عبارت کو بالکل ترک کر دیا، یہ بالفعل تو غلطی کا اعتراف ہے اور اس سے رجوع کے مترادف ہے، لیکن اعتراف صریح کے لئے حوصلہ اور جرأت ایمانی چاہیے۔ ہم نے ازراہ ادب و احترام اس امر کا ذکر بھی نہیں کیا تھا کہ مذکورہ عبارت کا مفتی صاحب نے جو ترجمہ درج فرمایا تھا، وہ بھی نحوی اعتبار سے (Grammaticaly) غلط تھا، مفعول کو فاعل قرار دے کر ترجمہ فرمایا گیا تھا ”تَلْحَقُ الْبَائِنَ بِشَرْطِ النِّيَّةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ“ کا ترجمہ وہ فرماتے ہیں کہ بَائِنٌ، بشرطیکہ نیت کی ہو، ظاہر الروایہ کے مطابق لاحق ہوتی ہے یہاں وہ ”البائِن“ کو ”تَلْحَقُ“ کا فاعل قرار دے کر ترجمہ کر رہے ہیں، حالانکہ ”البائِن“ مفعول واقع ہو رہا ہے اور ”تَلْحَقُ“ کا فاعل ضمیر مستتر ہے۔ جو ”الکنايات الرواجع“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

(۵) علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کا نظریہ

علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کا نظریہ یہ ہے کہ جب الفاظ کنایہ مکرر ہوں، دوسرے مکرر لفظ سے دوسری طلاق کی نیت کی جائے تو وہ نیت معتبر و موثر ہوتی ہے اور اس طرح دوسری طلاق بَائِنِ پہلی بَائِنِ کو لاحق ہو جاتی ہے۔

(۵) علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی کی تازہ بنائے استدلال

اپنی سابق بنائے استدلال سے علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی نے عملی اور سکوتی رجوع کر کے اب تازہ بناء ”البحر الرائق“ اور ”جد الممتار“ کی عبارات پر رکھی ہے، لیکن ادباً عرض ہے کہ انہوں نے ان دونوں کتابوں کی عبارات سے مغالطہ کھایا، بنا بریں غلط نتیجہ اخذ کیا، جیسا کہ ہم سطور ذیل میں واضح کریں گے۔

(۷) البحر الرائق کی اصل عبارت اور اس کا صحیح مفہوم

پہلے اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

وَيَنْبَغِي أَنَّهُ إِذَا أَبَانَهَا ثُمَّ قَالَ لَهَا أَنْتِ بَائِنٌ نَاوِيًا طَلَقَةً ثَانِيَةً

يُنْبَغِي أَنْ تَقَعَ الثَّانِيَةُ بِنَيْتِهِ لِأَنَّهُ بِنَيْتِهِ لَا يَصْلَحُ خَبْرًا فَهُوَ
 كَمَا لَوْ قَالَ ابْنُكَ بِأُخْرَى إِلَّا أَنْ يُقَالَ أَنَّ الْوُقُوعَ إِنَّمَا
 هُوَ بِلَفْظٍ صَالِحٍ لَهُ وَهُوَ أُخْرَى بِخِلَافٍ مُجَرَّدِ النِّيَّةِ
 (البحر الرائق جلد 3 صفحہ 308 مطبوعہ مصر)

عبارت کا اصل مفہوم

”جب ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن دے، پھر اس کو دوسری بار کہے کہ تم بائن ہو، اور اس سے دوسری طلاق کی نیت کرے تو چاہیے کہ اس سے دوسری طلاق واقع ہو، کیونکہ اس کی نیت کی وجہ سے اب دوسری طلاق پہلی طلاق کی خبر نہیں بن سکتی، پھر ”إِلَّا أَنْ يُقَالَ“ فرما کر اس قول کا رد فرمادیا کہ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی دوسرا لفظ اس نیت کی صلاحیت رکھے (علامہ شامی نے فرمایا ”یوں کہنا تھا، جب کوئی دوسرا لفظ اس نیت کی معاونت کرے) جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق بائن دینے کے بعد کہے، ”میں نے تجھے دوسری طلاق بائن دی“ تو یہاں پر ”دوسری (اخری) کا لفظ دوسری طلاق کی نیت کی صلاحیت رکھتا ہے (یا معاونت کرتا ہے) برخلاف اس کے کہ وہ صرف دوسری طلاق کی نیت کرے۔“

اور صورت مسئلہ میں جب سائل نے دوسری بار اپنی بیوی کو کہا ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ تو اس میں صرف دوسری طلاق کی نیت کی ہے، کوئی ایسا لفظ نہیں جو دوسری طلاق کی نیت کی معاونت کرے، جیسا کہ اس جملے میں ہے کہ ”میں نے تجھے دوسری بائن طلاق دی“ لہذا یہاں بائن بائن کو لاحق نہیں ہوگی۔

البحر الرائق کے حاشیے پر علامہ سید ابن عابدین شامی حنفی متوفی 1252ھ نے اس مسئلے کو بہت زیادہ واضح فرمادیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”فقہاء نے کہا ہے کہ کنایات طلاق میں ثانی اول کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب دوسری کو پہلی کی خبر بنانا ممکن نہ ہو، اور انہوں نے یہ نہیں کہا کہ دوسری اول کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب دوسری طلاق میں دوسری طلاق کی نیت کی جائے، اور یہ اس بات کی واضح

دلیل ہے کہ جب دوسری طلاق کو پہلی طلاق کی خبر بنانا ممکن ہو تو دوسری طلاق پہلی طلاق کو لاحق نہیں ہوگی، خواہ دوسری طلاق سے علیحدہ طلاق ہی کی نیت کیوں نہ کرے۔ یہ ہم نے علامہ شامی کی مکمل عبارت کا ما حاصل اور خلاصہ درج کیا ہے، تاہم جو حضرات اصل عبارت ملاحظہ فرمانا چاہیں، ان کی تسکین خاطر کے لئے پوری عبارت ذیل میں درج ہے:

(أَنَّهُ إِذَا أَبَانَهَا الْخ) لَا يَخْفَىٰ إِنْ دَفَاعَهُ بِمَا مَرَّ عَنِ الْمُحِيطِ
 مِنَ الْغَاءِ النَّيَّةِ فِي أَصْلِ الْبَيْنُونَةِ لِكُونِهَا حَاصِلَةً وَكَذَا مَا
 قَدَّمَهُ عَنِ الْحَاوِي مِنْ قَوْلِهِ وَلَا يَقَعُ بِكِنَايَاتِ الطَّلَاقِ
 شَيْءٌ وَإِنْ نَوَىٰ عَلَىٰ أَنْ تَغْيِيرَهُمْ بِإِمْكَانٍ كَوْنِهِ خَبْرًا ظَاهِرًا
 فِي كَوْنِهِ إِحْتِرَازًا عَمَّا لَا يُمَكِّنُ جَعْلُهُ خَبْرًا، لَا عَمَّا لَوْنَوَىٰ
 بِهِ طَلَقًا ثَانِيَةً لِأَنَّ كُلَّ بَائِنٍ لَا بُدَّ فِيهِ مِنَ النَّيَّةِ، فَإِذَا نَوَىٰ
 بِالْبَائِنِ الثَّانِيِ الطَّلَاقِ وَأَمَكَّنَ جَعْلُهُ خَبْرًا عَنِ الْأَوَّلِ لَا
 يَقَعُ وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنْ يَنْوَىٰ الطَّلَاقَ الْأَوَّلَ بِخُصُوصِهِ
 وَإِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ أَنْ يَقُولُوا بِخِلَافِ إِذَا نَوَىٰ بِهِ الْأَوَّلَ
 وَلَهُمْ عَنِ التَّغْيِيرِ بِهَذَا إِلَى التَّغْيِيرِ بِالْإِمْكَانِ الْمَذْكُورِ
 دَلِيلٌ وَاضِحٌ عَلَىٰ أَنَّهُ مَتَىٰ أَمَكَّنَ جَعَلَ الثَّانِيِ خَبْرًا لَا يَقَعُ
 وَإِنْ نَوَىٰ بِهِ طَلَقًا أُخْرَىٰ

(منحة الخالق علی ہامش البحر الرائق جلد 3 صفحہ 308)

علامہ شامی کی اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ صورت مسئلہ میں سائل نے جب دوسری طلاق کی نیت سے مکرر کہا: ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ تو اس صورت میں صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور دوسری واقع نہیں ہوئی۔

(۸) جد الممتار کی عبارت سے استدلال

علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی نے دوسری دلیل اعلیٰ حضرت کی حسب ذیل عبارت سے دی ہے:

1000 - قَوْلُهُ (48) لَا شَكَّ أَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْبَائِنُ الْمَنْوِيُّ
 (471-774) أَقْوَالٌ لَا يَرْتَابُ أَحَدٌ أَنَّ الْكِنَايَاتِ لَا بُدَّ
 لَهَا مِنْ نِيَّةٍ لَكِنْ هُنَا ثَلَاثَةُ أَشْيَاءٍ، نِيَّةُ الطَّلَاقِ عَلَى الطَّلَاقِ
 وَهَذَا هُوَ الَّذِي لَا بُدَّ مِنْهُ فِي الْكِنَايَاتِ، وَنِيَّةُ التَّكْيِيدِ،
 وَنِيَّةُ الْإِسْتِيْنَابِ بَانَ يُرِيدُ وَيَقْصِدُ إِيقَاعَ طَّلَاقٍ جَدِيدٍ غَيْرِ
 الْأَوَّلِ، وَالْعَلَامَةُ الْبَحْرِ لَا يَقُولُ بِإِشْتِرَاطِ نِيَّةِ التَّكْيِيدِ
 حَتَّى يَرِدَ عَلَيْهِ إِنَّهُمْ لَمْ يَشْتَرِطُوا ذَلِكَ بَلْ إِنَّمَا يَقُولُ
 بِإِشْتِرَاطِ عَدَمِ نِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ لِأَنَّهُ بَعْدَ نِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ
 كَقَوْلِهِ ابْتُكِبَ بِأُخْرَى، فَإِنَّ الْوُقُوعَ إِنَّمَا هُوَ بِابْتُكِبَ لَا
 بِأُخْرَى وَإِنَّمَا هُوَ مُعَيَّنٌ لِنِيَّةِ الْإِسْتِيْنَابِ عِنْدَ النَّاسِ، فَلِمَ لَا
 تَكْفِيهِ نِيَّتُهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ، وَكَلَامُهُمْ غَيْرُ صَرِيحٍ فِي
 أَنَّهُ لَا يَقْبَلُ مِنْهُ الْإِسْتِيْنَابُ أَصْلًا، وَإِنْ نَوَى وَيُحْمَلُ عَلَى
 التَّكْيِيدِ جَبْرًا عَلَيْهِ وَكُرْهًا وَهَلْ هُوَ إِلَّا حَجْرٌ لَهُ عَنْ
 تَصَرُّفِ قَضِيهِ قَضًا خَاصًّا مَعَ كَوْنِهِ أَهْلًا، وَالْمَرْأَةُ
 مَحَلًّا، وَاللَّفْظُ صَالِحًا وَهُوَ الْمُشَدِّدُ عَلَى نَفْسِهِ، فَلِمَ
 لَا يَقْبَلُ فَيَتَأَمَّلُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ ۱۲

(جد الممتار جلد 2 صفحہ 531-532 مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی 3)

اس عبارت سے بھی مفتی صاحب مذکور کو سوائے کلی ناکامی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس عبارت میں اعلیٰ حضرت نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب ایک شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے ”تو بائن ہے“ پھر دوسری طلاق کی نیت سے دوبارہ کہتا ہے ”تو بائن ہے“، تو دوسری طلاق کے وقوع سے کیا چیز مانع ہے؟ وہ شخص طلاق دینے کا اہل ہے، اس کی بیوی طلاق کا محل ہے اور لفظ دوسری طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ شخص خود اپنے اوپر تنگی کر رہا ہے تو پھر دوسری

طلاق کی نیت کو کیوں قبول نہیں کیا جائے گا، اس میں تامل کرنا چاہیے۔

اہل علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب محققین کسی قول کے بعد تامل کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اس میں کسی لطیف امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہاں تامل میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہاں دوسری بائن طلاق کی نیت کا معاون کوئی اور لفظ نہیں ہے، جیسے ”میں نے تجھے دوسری بائن طلاق دی“ (أَبْنْتُكَ بِأُخْرَى) میں لفظ ”دوسری“ (بِأُخْرَى) ہے، جیسا کہ خود علامہ ابن نجیم اور علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے اور اعلیٰ حضرت نے بھی اس قول کو نقل فرمایا ہے۔

اور صورت مسئلہ میں بھی جب سائل نے ”میں نے تجھے آزاد کیا“ کو مکرر کہا اور اس سے دوسری طلاق کی نیت کی تو اس نیت کا معاون کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے، اس لئے یہاں بھی دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی۔

رہا یہ امر کہ کنایات طلاق میں جب دوسرے لفظ سے دوسری طلاق کی نیت کی جائے تو اعلیٰ حضرت کے نزدیک صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور دوسری طلاق نہیں ہوگی، تو اس پر دلیل اسی کتاب کی اسی بحث میں یہ عبارت ہے:

999- قَالَ (47) إِذَا امْكَنَ جَعَلَهُ إِخْبَارًا عَنِ الْأَوَّلِ

(471-774) ف: أَقُولُ لَيْسَ الْمُرَادُ خُصُوصَ امْكَانَ

خَبَرِيَّتِهِ بَلِ الْمُرَادُ امْكَانَ أَنْ لَا يَجْعَلَ طَلَاقًا بِرَأْسِهِ بَانَ

يَجْعَلُ خَبْرًا أَوْ تَاكِيدًا أَوْ تَفْرِيعًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، دَلِيلُهُ

مَا فِي الْهِنْدِيَّةِ عَنِ الْمُحِيطِ وَقَالَ حَرَّمْتُ نَفْسِي عَلَيْكَ

فَاسْتَبْرَيْ وَنَوَى بِهِمَا طَلَاقًا فَهِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ، لِأَنَّهُ لَا يَقَعُ

عَلَى بَائِنٍ بَائِنٌ وَكَذَلِكَ إِذَا قَالَ نَوَيْتُ بِقَوْلِي حَرَّمْتُ

نَفْسِي وَاحِدَةٌ وَبِقَوْلِي اسْتَبْرَيْ ثَلَاثًا فَهِيَ وَاحِدَةٌ الْخ،

فَلْيَحْفَظْ ١٢ (جدالمتارجلد 2 صفحہ 531)

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ”میں نے تجھ کو اپنے نفس پر حرام کر لیا، پس تو پردہ کر“ اور ان دونوں لفظوں سے طلاق کا ارادہ کیا تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، کیونکہ بائن پر بائن واقع نہیں ہوتی، اسی طرح اگر اس نے یہ کہا کہ میں نے ”اپنے نفس پر حرام کیا“ اس لفظ سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا اور ”تو پردہ کر“ اس سے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا، تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی، اس کو خوب یاد رکھنا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت نے اس جزئیے کو عالمگیری سے نقل کیا ہے اور عالمگیری نے المحیط سے نقل کیا ہے۔ اس جزئیے میں کنایات طلاق میں دوسرے لفظ سے دوسری طلاق کی نیت، بلکہ تین طلاق کی نیت کے باوجود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے ایک ہی طلاق واقع ہونے کی تصریح کی ہے، جب کہ اس جزئیے میں بھی عند اللہ اور عند الناس کا فرق جاری ہو سکتا ہے، اور وہ شخص بھی طلاق دینے کا اہل ہے، اس کی بیوی بھی طلاق کا محل ہے اور وہ لفظ، نیت طلاق کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، اور دوسرے لفظ سے دوسری طلاق یا تین طلاق کی نیت کرے وہ شخص اپنے اوپر تنگی کرنے والا ہے، اس کے باوجود ”صاحب المحیط“، ”صاحب الہندیہ“ اور خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے یہاں دوسرے لفظ کو سے دوسری طلاق یا تین طلاقوں کی نیت کو مؤثر نہیں مانا نیز جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دوبارہ ایک ہی لفظ مکرر کر کے کہے ”تو بائن ہے، بائن ہے“ تو یہاں ظاہر ا تاکید ہے، اور جب وہ کہتا ہے: ”میں نے تجھ کو اپنے نفس پر حرام کر لیا، سو تو پردہ کر“ تو یہاں دوسرا لفظ مختلف ہے اور اس کا ظاہر تاکید نہیں ہے، تو جب یہاں اس دوسرے لفظ سے وہ دوسری طلاق کا یا تین طلاق کا ارادہ کرے تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی، تو جب وہ ”تو بائن ہے، تو بائن ہے“ کہے اور دوسرے لفظ سے دوسری طلاق کا ارادہ کرے تو بطریق اولیٰ ایک طلاق واقع ہوگی۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے وہاں ”فلیتامل“ فرمایا تھا اور یہاں ”فلیحفظ“ فرمایا۔ یعنی وہاں ”تامل“ (خوب غور کر، سوچ سمجھ لے، گہرائی اور گیرائی میں جا کر سوچ تا کہ تجھ پر اس کی حکمت آشکارا ہو) میں اپنے اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا اور یہاں ”فلیحفظ“ فرمایا کہ

اس جزئیے کو خوب یاد کر لو، پلے باندھ لو، ہمیشہ کام آئے گا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی یہ عبارت ہمارے موقف کی صحت اور صواب ہونے پر اور مفتی دارالعلوم امجدیہ کے موقف کے بطلان اور ناصواب ہونے پر واضح اور روشن دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے فتاویٰ رضویہ کے باب الکنایات میں جمہور فقہاء کی تصریحات کے مطابق متعدد فتاویٰ دیئے ہیں، سردست ہم ان میں سے چار فتاویٰ کی نقول آئندہ صفحات پر پیش کر رہے ہیں، جن عبارات سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے، ہم نے متعلقہ جگہ ان پر خط کھینچ دیا ہے اور آخر میں وجہ استدلال بھی بیان کر دی ہے۔

حضرت صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی رحمہ اللہ تعالیٰ خلیفہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی درس سرہ العزیز کی تصنیف عظیم ”بہار شریعت“ بلاشبہ اردو میں مسائل شریعت کا انسائیکلو پیڈیا ہے، یہ عظیم المرتبت کتاب مستند، معتمد، معتبر، متفق علیہ اور مایہ ناز ہے، لیکن اس اعتراف عظمت کے باوجود ہم بصد عجز و نیاز بغایت ادب یہ عرض کریں گے کہ ہر قسم کی غلطی اور امکان خطا سے کلی طور پر مبرا صرف کتاب ربانی قرآن مجید ہے، اور خود اعلیٰ حضرت کی تصریح کے مطابق معصوم عن الخطاء صرف اور صرف ذات پاک سید المرسلین ﷺ اور انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوس قدسیہ ہیں۔

بہار شریعت کا جزئیہ، جس کا مفتی دارالعلوم امجدیہ نے اپنے موقف کی تائید میں حوالہ دیا ہے، ہماری نظر میں تھا، لیکن ہم نے اس کو اولاً تو اس لئے ترک کر دیا کہ یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے متعدد فتاویٰ اور ”جد الممتار“ کی تحقیق کے خلاف ہے، ثانیاً اس لئے بہار شریعت میں جزئیہ ”رد المختار“ اور درمختار کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے، ہمارے حسن ظن کے مطابق مفتی دارالعلوم امجدیہ کو بھی یہ معلوم ہوگا کہ دوسرے لفظ سے دوسری طلاق کی نیت کے مقبول ہونے کا جزئیہ ”درمختار“ میں اصلاً مذکور نہیں ہے۔ اور ”رد المختار“ میں علامہ شامی نے دلائل سے اس کے برخلاف ثابت کیا ہے کہ دوسرے لفظ سے دوسری طلاق کی نیت کے باوجود ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ اگر مفتی دارالعلوم امجدیہ کو اس بارے میں

ہمارے اس قول کی صداقت پر شبہ ہے تو ”درمختار“ اور ”ردالمحتار“ دونوں موجود ہیں، ”فَاتُوا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ“۔

جہاں تک مفتی دارالعلوم امجدیہ کے فتویٰ پر حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری مدظلہم
کی تصدیق و تائید کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں بھی ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ وہ حالت
سفر میں اپنے مشاغل کثیرہ کی وجہ سے ”فتاویٰ رضویہ“ ”جد الممتار“ اور دیگر ”کتب فتاویٰ کی
متعلقہ ابحاث کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں فرما سکے، مفتی دارالعلوم امجدیہ کی فقاہت و ثقاہت
کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہونے کے باعث اعتماد کر بیٹھے، ہم ان سے بھی مسئلے سے
متعلق تمام ریکارڈ کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد نظر ثانی اور مفتی دارالعلوم امجدیہ کے
”متابعة الجواب“ کی تصویب و تائید سے رجوع کی مؤدبانہ گزارش کریں گے۔

الحمد لله على احسانه، ہم نے مفتی دارالعلوم امجدیہ کے تمام اشکلات دور کر کے یہ
مسئلہ بے غبار کر دیا کہ کنایات مکررہ میں ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، خواہ ہر لفظ سے طلاق
کی نیت کی جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مفتی دارالعلوم امجدیہ کو توفیق دے کہ
وہ بے جا ضد اور انا کو ترک کر کے حق اور صواب کو قبول فرمائیں اور ہم پر حرام کو حلال کرنے کا
اتہام ناروا لگانے کے بجائے حلال شرعی کو حرام قرار دینے کی روش سے باز آجائیں، وَمَا
ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ، هَذَا مَا عِنْدِي وَاللَّهُ تَعَالَى وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

مفتی منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

پس نوشت

جناب مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب کی دانستہ مغالطہ آرائی یا خود فریبی
مفتی دارالعلوم امجدیہ نے اپنے ”متابعة الجواب“ میں یہ مغالطہ آرائی بھی فرمائی ہے کہ
ہم نے اپنے فتویٰ میں ”فتاویٰ رضویہ“ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں صرف تین مرتبہ
الفاظ کنایہ استعمال کیے گئے ہیں، نیت کا تذکرہ نہیں، یہ کذب صریح ہے، ان کے اس خود

فریبی پر مبنی تحریر من و عن انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

”ثالثاً دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے پروفیسر صاحب نے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ رضویہ سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں انہوں نے قطع و برید سے کام لیا، فتاویٰ رضویہ میں اور ہم سے پوچھے گئے استفتاء میں موجود فرق کو بھی نہیں سمجھا وہاں صرف تین مرتبہ الفاظ کنایہ استعمال کیے گئے ہیں نیت کا تذکرہ نہیں ہے۔“

موصوف کی دانستہ غلط بیانی کو واضح کرنے کے لئے ہم نے اپنے فتوے میں بطور استشہاد فتاویٰ رضوی جلد 12 صفحہ 572-578 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن کا جو حوالہ درج کیا تھا، اس کی نقل ملاحظہ کیجئے۔ اس میں ”قصد“ اور ”نیت“ کے الفاظ موجود ہیں۔

اسی ایڈیشن کے صفحہ 578 پر اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں کہ: ”اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کل یا بعض، کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی۔“ پھر آگے اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ عالمگیری کی وہ عبارت بطور استشہاد درج فرمائی ہے۔ جس کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح اسی ایڈیشن کے صفحہ 572 پر اعلیٰ حضرت ”فَإِنَّ الْبَائِنَ لَا يُلْحَقُ الْبَائِنَ كَمَا فِي الْمُتُونِ“ کہہ کر فرماتے ہیں:

”صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ تو کسی طرح نہ ہوئی، ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید نے کہے اگر کسی ایک لفظ یا دو تین یا چاروں سے عورت کو طلاق دینے کی نیت زید نے کی تو ایک طلاق بائن ہوگی، اب ہم حجت قاطعہ، ملزمہ کے طور پر اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ مع سوال و جواب پیش کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

مسئلہ 278 از پہلی بھیت محلہ پکریا، مسئلہ محمد بشیر احمد صاحب 15 رجب 1339ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ زید جس کی علمی لیاقت علم عربی میں قریب دستار بندی ہے اپنی بیوی کو چند بار یہ الفاظ بحالت صحت نفس کہے کہ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں جہاں تمہارا دل چاہے چلی جاؤ خواہ تم دوسرا خاوند کر لو خواہ بلا خاوند رہو، مگر بی بی چند بار یہ الفاظ سن کر بھی خاموش رہی تو کچھ دن کے بعد یہ کہا مجھ کو افسوس ہے

کہ کیسی بے حیا عورت ہے کہ میں خوشی سے اجازت چلے جانے کی دیتا ہوں اور میرا پیچھا نہیں چھوڑتی جب بی بی پر یہ ملامت ڈالی تو بی بی نے جانے کی تیاری کی زید نے کاغذات دیہہ زمیندار بی بی جس کا زید کارکن تھا حوالہ کر دیئے تو اب اس مسئلہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور بیوی اب زید سے راضی نہیں ہے اور زید سے قطع تعلق کرتی ہے۔

الجواب

یہ الفاظ کننا یہ ہیں نیت بر حکم ہے، اگر زید نے بہ نیت طلاق کہے ایک طلاق ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اس سے بلا حلالہ اس کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے جب کہ اس سے پہلے اس عورت کو دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، اور اگر وہ قسم کھا کر انکار کر دے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق نہ کہے تھے تو طلاق نہ مانی جائے گی، اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ 279۔ از آرہ، مسؤلہ مولوی عبدالغفور صاحب، 13 شعبان 1339ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بی بی منکو حہ زینب سے کہا بصورت نا اتفاقی کہ ہم تمہارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھائیں گے، تب اس پر بی بی مذکور نے کہا کہ جب کھانا نہیں کھاؤ گے تو ہم کو صفائی دے دو۔ تب زید نے کہا کہ صفائی دے دیا۔ بی بی نے کہا صفائی دے دیا تو پھر کہا کہ صفائی دے دیا پھر بی بی نے کہا صفائی دے دیا تو کہا صفائی دے دیا تو بی بی نے کہا کہ تب ہم کہیں چلے جائیں تو زید نے کہا کہ کہیں چلی جاؤ اس صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوئی کہ نہیں اگر طلاق واقع نہیں ہوئی تو کیا دلیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں، بینواتو جروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ کسی طرح نہ ہوئی فَإِنَّ الْبَائِنَ لَا يُلْحَقُ الْبَائِنَ (1) كَمَا فِي الْمُتُونِ کیونکہ بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی۔ جیسا کہ متون میں ہے۔

1۔ در مختار باب الکنایات مطبع مجتہبی دہلی 225/1

ت) ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید نے کہے اگر کسی ایک لفظ یا دو تین یا چاروں سے عورت کو طلاق دینے کی نیت زید نے کی تو ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کی رضا سے اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اور اگر اصلاً کسی لفظ سے نیت طلاق نہ کی تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے طلاق نہ ہوئی۔

مسئلہ 182، مرسلہ حکیم احمد حسین محلہ طویلہ، 7 شوال 1308ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میاں بی بی میں باہم جھگڑا رہتا تھا اکثر اسے تکلیف دیتا اور مارتا ایک دن اس سے زیور مانگا اس نے انکار کیا کہا تجھے چاقو سے مار ڈالوں گا ہندہ بخوف جان والدین کے یہاں چلی آئی تو شوہر نے چوری کا الزام بھی لگایا اور تھانہ میں رپٹ کا ارادہ لیا لوگوں نے سمجھایا اس وقت یہ گفتگو ہوئی جو لکھی جاتی ہے، ناصح کیا فضیحت کراؤ گے۔ زید: وہ میری بیوی ہی نہیں رہی فضیحت کیسی۔ ناصح: دیکھو لغو باتیں نہ کرو۔ زید: جب وہ میری بلا اجازت چلی گئی میرے نکاح سے باہر ہے اور وہ میرے کام کی نہ رہی مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ ناصح: دیکھو کناہ اشارہ سے بھی طلاق ہو جاتی ہے ذرا سوچ سمجھ کر کہو تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ زید: مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں نہ وہ میری بیوی ہے آیا اس گفتگو سے وہ عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ بینواتو جروا۔

الجواب

زید کا پچھلا قول کہ ”نہ وہ میری بیوی ہے“ مذہب مختار پر اصلاً الفاظ طلاق سے نہیں یہاں تک کہ بہ نیت طلاق بھی کہے تاہم واقع نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

لَوْ قَالَ: "تُوزَنُ - مِنْ نَسِي" لَا يَقَعُ
وَإِنْ نَوَى هُوَ الْمُخْتَارُ كَذَا فِي
جَوَاهِرِ الْأَخْلَاطِي (1)۔

”اگر کہا تو میری بیوی نہیں ہے، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی قول مختار ہے، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے۔“ (ت)

1۔ فتاویٰ ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور 386/1

اسی طرح ”مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں“ یہ بھی لفظ طلاق نہیں کہ غرض بمعنی شوق مستعمل ہے کَمَا فِي الْقَامُوسِ (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ ت) یا قَصْدٌ وَخَوَاشٍ كَمَا فِي الْمُتَّخَبِ (جیسا کہ منتخب میں ہے۔ ت) یا حَاجَتٌ كَمَا فِي شُرُوحِ النَّصَابِ (جیسا کہ شروع نصاب میں ہے۔ ت) اور انشاء کی نفی سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق اطلاق کرے۔ عالمگیری میں ہے:

اگر کہا ”مجھے تیرے بارے میں کوئی حاجت نہیں“ اور طلاق کی نیت کی ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی، سراج و ہاج میں ایسے ہی ہے۔ اور جب کہا ”میں تجھے نہیں چاہتا“، ”میں تجھے پسند نہیں کرتا“ ”تیرے بارے مجھے رغبت نہیں“ اگر نیت ہو تب بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق نہ ہوگی، البحر الرائق میں یوں ہی ہے۔ (ت)

اس لئے کہ یہ جواب بھی بن سکتا ہے، اور تو جدا ہے، تو بری ہے، یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال رکھتے ہیں اس کے قول کہ ”غضہ میں پہلے دونوں الفاظ موقوف رہیں گے، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں“۔ (ت)

لَوْ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِيكَ يَنْوِي الطَّلَاقَ فَلَيْسَ بِطَّلَاقٍ كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ إِذَا قَالَ لَا أُرِيدُكَ أَوْ لَا أُحِبُّكَ أَوْ لَا أَشْتَهِيكَ أَوْ لَا رَغْبَةَ لِي فِيكَ فَإِنَّهُ لَا يَقَعُ وَإِنْ نَوَى فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ (1)۔

إِذْهَبِي يَحْتَمِلُ رَدًّا وَنَحْوُ خَلِيَّةٍ بَرِيَّةٍ يَصْلُحُ سَبًّا (إِلَى قَوْلِهِ) فِي الْغَضَبِ تَوَقَّفَ الْأَوْلَانِ إِنْ نَوَى وَقَعَ وَإِلَّا لَا (2)۔

1 - فتاویٰ ہندیہ۔ الفصل الخامس فی الکنايات، نورانی کتب خانہ پشاور 375/1

2 - درمختار، باب الکنايات، مطبع مجتہائی دہلی۔ 224-25/1

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى
أَنَّ الْحَقَّ بِهَذِهِ الْأَلْفَاظِ خَلَيْتُ
سَبِيلَكَ، فَارْقُتْكَ لَا سَبِيلَ
إِلَيْكَ، لَا مَلِكَ لِي عَلَيْكَ
لِأَنَّهَا تَحْتَمِلُ السَّبَّ، أَيْ لَا
مَلِكَ لِي عَلَيْكَ لِأَنَّكَ أَدَوْنُ
مِنْ أَنْ تَمْلُكُنِي وَفَارْقُتْكَ إِتْقَاءَ
لِشْرِكِ وَخَلَيْتُ سَبِيلَكَ
لِهُوَ إِنْكَ عَلَى (1) (مُلَخَّصًا)

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ
”میں نے تیرا راستہ کھول دیا“، ”میں تجھ
سے جدا ہو“ اور ”میری تجھ پر کوئی ملکیت
نہیں“ کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ یہ الفاظ
ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں یعنی ”میری
تجھ پر ملکیت نہیں“ کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ
تو اس قابل نہیں کہ میں تیرا مالک بنوں، اور
میں تجھ سے جدا ہوا یعنی تیرے شر سے جدا
ہوں، میں نے تیرا راستہ کھولا کیونکہ میرے
ہاں تو حقیر ہے۔ (ملخصاً) (ت)

فتح القدر میں ہے:

يُذَيِّنُ فِي الْغَضَبِ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظِ
تُذَكِّرُ لِلْإِنْسَانِ عَنِ الزَّوْجَةِ (2)۔

غصہ میں ان الفاظ کے متعلق خاوند کی
تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ دور
کرنے کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں
جب کہ غصہ کی حالت میں انسان بیوی
سے دور رہتا ہے۔ (ت)

یہ بات کہ ان میں اصلاً کسی لفظ سے طلاق کی نیت نہ کی تھی اگر زید قسم کھا کر کہہ دے قبول کر
لیں گے اور حکم طلاق نہ دیں گے اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہوگا یہ قسم گھر میں
عورت بھی کر سکتی ہے۔

1- مبسوط امام سرخسی، باب ما تقع به الفرقة الخ دار المعرفۃ بیروت 81/6

2- فتح القدر، فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبہ نور یہ رضویہ سکھر 402/3

درمختار میں ہے:

وَيَكْفِي تَخْلِيفَهَا لَهُ فِي مَنْزِلِهِ،
عورت کا مرد سے گھر میں قسم لینا کافی
وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔
ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

(فتاویٰ رضویہ جلد 12 صفحات 571 تا 574، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی میں ہے:

رَجُلٌ قَالَ لِامْرَأَتِهِ مَرَابِكَارِ نِيَسْتِي
وَنَوِي بِهِ الطَّلَاقُ لَا يَقَعُ كَذَابِي
الظَّهِيرِيَّةُ (1)
کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”تو
میرے لئے کام کی نہیں“ تو نیت کے
باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ ظہیریہ میں
ہے۔ (ت)

ہاں ”وہ میری بیوی نہ رہی“ کنایات طلاق سے ہے۔ عالمگیری میں ہے:
لَوْ قَالَ صِرْتُ غَيْرَ امْرَأَتِي فِي
رَضَا أَوْ سُخْطٍ تُطَلَّقُ إِذَا نَوَى
كَذَابِي الْخُلَاصَةِ (2)۔
اگر خاوند نے رضا یا ناراضگی سے کہا ”تو
میری بیوی نہ رہی“ اگر طلاق کی نیت ہو
تو طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ خلاصہ میں
ہے (ت)

اسی طرح یہ لفظ بھی کہ ”وہ میرے نکاح سے باہر ہے“ صریح نہیں کنایہ ہے۔
لَإِنَّ الْخُرُوجَ مِنَ النِّكَاحِ يَكُونُ
بِالطَّلَاقِ وَبِكُلِّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ
قَبْلِهِ كَتَقْبِيلِهِ بِنْتِهَا أَوْ مِنْ قَبْلِهَا
كَتَقْبِيلِهَا إِنَّهُ وَغَيْرِ ذَلِكَ فَلَمْ
يَتَّعِنُ لِإِفَادَةِ الطَّلَاقِ وَصَارَ كَقَوْلِهِ
کیونکہ نکاح سے خروج، طلاق کے ساتھ
اور دیگر وجوہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً
خاوند بیوی کی بیٹی کا (شہوت کے ساتھ)
بوسہ لے یا اس کے علاوہ بھی کئی طرح
سے فرقت کے اسباب ہو سکتے ہیں

1۔ فتاویٰ ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور 380/1

2۔ فتاویٰ ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات، نورانی کتب خانہ پشاور 376/1

لَمْ يَبْقَ أَوْ لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ
نِكَاحٌ بَلْ هُمَا عِبَارَتَانِ عَنْ مَعْنَى
وَاحِدٍ، وَهَذَا يَتَوَقَّفُ عَلَى النِّيَّةِ
فَكَذَا ذَاكَ.

عالمگیری میں ہے:

لَوْ قَالَ لَهَا لَا نِكَاحَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ
أَوْ قَالَ لَمْ يَبْقَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ نِكَاحٌ
يَقَعُ الطَّلَاقُ إِذَا نَوَى (1)

لہذا یہ لفظ طلاق کے لئے خاص نہ رہا،
جب وہ کہے ”نکاح باقی نہ رہا“ یا
”تیرے میرے درمیان نکاح نہیں ہے“
بلکہ یہ دونوں ہم معنی ہیں تو نیت پر
موقوف ہوں گے، یہ بھی ایسا ہے (ت)

اگر کہا ”تیرے میرے درمیان نکاح باقی
نہیں رہا“ اگر نیت ہو تو طلاق ہوگی ورنہ
نہیں (ت)

یوں ہی ”وہ میرے کام کی نہ رہی“ بھی کنایات سے ہے کَمَا حَقَّقْنَاهُ فِي مَا
عَلَّقْنَاهُ عَلَى رَدِّ الْمُخْتَارِ (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق رد المختار کے حاشیہ میں کر دی
ہے۔ ت) مگر سوق کلام سے ظاہر یہ ہے کہ زید نے یہ الفاظ بطور اخبار کہے، نہ نیت انشاء
طلاق۔ تیسرا لفظ دوسرے پر معطوف ہے اور دوسرا پہلے کی شرح و بیان علت، اور اس اخبار کا
مبنی و غلط گمان جو عوام زمانہ میں شائع ہے کہ عورت بے اجازت شوہر گھر سے چلی جائے تو
نکاح سے نکل جاتی ہے اور جو اخبار و اقرار طلاق بر بنائے غلط فہمی مسئلہ ہو دیا نہ اصاموثر نہیں۔

خیر یہ میں اشباہ سے اور وہاں سے جامع
الفصولین اور قنیہ سے منقول ہے کہ اگر
مفتی کے فتویٰ کی بناء پر طلاق ہونے کا
اقرار کیا تو پھر معلوم ہوا کہ طلاق نہ ہوئی تو
اس اقرار کو طلاق نہ قرار دیا جائے گا۔

فِي الْخَيْرِيَّةِ عَنِ الْأَشْبَاهِ عَنِ جَامِعِ
الْفُصُولَيْنِ وَالْقُنْيَةِ، إِذَا أَقْرَبَ بِالطَّلَاقِ
بِنَاءٍ عَلَى مَا أَفْتَى بِهِ الْمُفْتَى ثُمَّ تَبَيَّنَ
عَدَمُ الْوُقُوعِ فَإِنَّهُ لَا يَقَعُ (2)

(ت)

1۔ فتاویٰ ہندیہ، الفصل الخامس فی الکنايات، نورانی کتب خانہ پشاور، 375/1

2۔ فتاویٰ خیر یہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت، 47/1

خیر بہر حال مدار کار نیت پر ہے، اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کل یا بعض کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی کہ عورت راضی ہو تو اب یا عدت کے بعد جب جاہے بے حلالہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لا يَلْحَقُ الْبَائِنُ الْبَائِنَ بَانَ قَالَ لَهَا
 أَنْتِ بَائِنٌ ثُمَّ قَالَ لَهَا أَنْتِ بَائِنٌ لَا
 يَقَعُ إِلَّا طَلْقَةً وَاحِدَةً بَائِنَةٌ (1)

اگر کہا: تجھے ایک بائنہ طلاق، اس کے بعد
 دوبارہ کہا تجھے بائنہ طلاق، تو ایک ہی بائنہ
 طلاق، ہوگی کیونکہ پہلی بائنہ کے بعد
 دوسری بائنہ اس کو لاحق نہیں ہو کے بعد
 دوسری بائنہ اس کو لاحق نہیں ہو سکتی (ت)

اور اگر ان تین میں سے کسی لفظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی اگرچہ اخیر کے دونوں لفظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو اصلاً طلاق نہ ہوئی وہ بدستور اس کی زوجہ ہے اور نیت طلاق نہ ہونے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر وہ بقسم کہہ دے کہ میں نے ان تینوں لفظوں میں کسی سے نیت انشاءً طلاق نہ کی تھی قطعاً مان لیں گے اور انہیں زوج و زوجہ جائیں گے اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے:

الْقَوْلُ لَهُ بِبَيْمِينِهِ فِي عَدَمِ النِّيَّةِ (2) (نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ ت)

(فتاویٰ رضویہ جلد نمبر 12 صفحات 576، 577، 578 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
 مسئلہ نمبر 284: از پبلی بھیت محلہ بشیر خاں متصل مکان مینہ شاہ مرسلہ نظام الدین شانہ گر
 29 رمضان المبارک 1311ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ سے تین بار کہا ”میں نے تجھے آزاد کیا“ اس صورت میں نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اب اس سے نکاح

1۔ فتاویٰ ہندیہ الفصل الخامس فی الکنايات نورانی کتب خانہ پشاور 377/1

2۔ درمختار باب الکنايات مطبع مجتہائی دہلی 224/1

کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیوا تو جروا۔

الجواب

یہ لفظ کہ ”مرد نے عورت سے کہا“ اگر ان سے طلاق کے معنی مراد نہ تھے جب تو طلاق اصلاً نہ ہوئی اور اگر بہ نیت طلاق کہے تو ایک طلاق پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں، نہ اسے کچھ انتظار کی حاجت، دونوں آپس میں راضی ہوں تو اسی وقت پھرنے سے نکاح کر لیں، ہاں اگر شوہر نے خود ہی ان میں کوئی لفظ تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو بے شک طلاق مغلظہ ہو گئی کہ اب بے حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔

ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا ”میں نے تجھے آزاد کیا“ تو نیت طلاق سے طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے اہ اور در میں ہے وہ لفظ کنایہ ہوتا ہے جو طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور وہ طلاق اور غیر طلاق دونوں قسم کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہوگی ایک یا دو کی نیت سے ایک اور تین کی نیت سے تین ہوں گی اور ایسا لفظ پہلے بائنہ طلاق کو لاحق نہ ہوگا مگر جب وہ پہلی طلاق کی حکایت کا احتمال رکھتا ہو تو اس کو خبر و حکایت ہی قرار دیا جائے گا، مثلاً یوں کہے ”تو بائن بائن ہے“ یا کہے ”میں نے

فِي الْهِنْدِيَّةِ لَوْ قَالَ اَعْتَقْتُكَ طَلَّقْتُ
بِالنِّيَّةِ كَذَا فِي مِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ (1)
وَفِي الدَّرِّ كِنَايَةٌ مَالٌ يُوَضَعُ لَهُ اَيِ
الطَّلَاقِ وَاَحْتَمَلَهُ وَغَيْرُهُ وَيَقَعُ
الْبَائِنُ اِنْ نَوَاهَا اَوْ اِثْنَتَيْنِ وَثَلَاثُ اِنْ
نَوَاهُ وَلَا يَلْحَقُ الْبَائِنُ اِذَا اَمَكَّنَ
جَعَلَهُ اِخْبَارًا عَنِ الْاَوَّلِ كَانَتْ بَائِنٌ
بَائِنٌ اَوْ اَبْنُكَ بِتَطْلِيْقِهِ فَلَا يَقَعُ
لِاَنَّهُ اِخْبَارٌ فَلَا ضَرْوْرَةٌ فِي جَعْلِهِ
اِنْشَاءً بِخِلَافِ اَبْنُكَ بِاُخْرَى اَوْ
قَالَ نَوَيْتُ الْبَيْنُوْنَ الْكُبْرَى لِتَعْدُرِ
حَمَلِهِ عَلٰى الْاِخْبَارِ فَيَجْعَلُ
اِنْشَاءً 1 (2) مُلْتَقَطًا.

1- فتاویٰ ہندیہ الفصل الخامس فی الکنايات نورانی کتب خانہ پشاور، 376/1

2- در مختار باب الکنايات مطبع مجبائی دہلی، 224/1

ایک طلاق بائنہ دی ہے“ تو دوسری بائنہ واقع نہ ہوگی“ کیونکہ اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں، اس کے برخلاف جب یوں کہے ”میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی“ یا کہے ”میں نے بڑی بائنہ کی نیت کی ہے“ تو اس صورت میں اس کو خبر قرار دینا درست نہیں ہو سکتا، لہذا اس کو انشاء ہی ماننا پڑے گا اھ ملتقطاً (ت)

(فتاویٰ رضویہ جلد نمبر 12 صفحہ 581-582 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مسئلہ نمبر 320: از ملک متوسط شہر راپور محلہ پنجباتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحاق مولود خواں عرائض نویس 9 جمادی الآخرہ 1312ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی طالع ورخاں نے بحالت غیظ و غضب ایک خط اپنے خسر حقیقی کے نام لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے جناب ماموں نجم خاں صاحب دام ظلہ بعد السلام علیکم واضح ہو میں نے آپ سے بارہا کہا کہ عمدہ کو یہاں سے مت لے جاؤ، مگر آپ لے ہی گئے بغیر رضامندی، آپ نے اپنی ہی ضد کی، میں بھی اُس کے اطوار سے نہایت درجہ ناخوش تھا، اس چار مہینہ کے عرصہ میں کبھی میری خدمت نہ کی، اطوار ناشائستہ جو اس میں ہیں ان کا دفع غیر ممکن ہے، اس سے بڑھ کر خراب عادات عمدہ میں ہیں، لہذا بخوشی تمام آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کر دو، کیونکہ جس حالت میں میرا دل اس سے خوش نہیں اور اس کا بھی مجھ سے نہیں ایسی حالت میں ایک دوسرے کی جان کے ضرور خواہاں رہیں گے ایسا نہ ہونا سبب، برضا و رغبت آپ کو اجازت دیا، اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا، تاکہ خدائے پاک مجھ کو اپنے فضل سے مرتکب گناہ نہ کرے، اس خط کو بطور طلاق نامہ

کے تصور فرمائیں اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا صرف ڈیڑھ سو روپیہ نکاح میں صرف ہو اس کا تو البتہ افسوس ہے کہ حج کا روپیہ خرچ ہو گیا مگر کیا علاج ہے کچھ چارہ نہیں، مرضی، مولیٰ ازہمہ اولیٰ۔ آپ اپنے دل میں بھی اس کا رنج نہ کریں تحریر مختصر کو کثیر تصور فرمائیں، عمدہ سے اور مجھ سے اب کچھ سروکار نہ رہا، جو رشتہ پہلے تھا وہی اب قائم رہے گا، سرمست خاں اس خط کو حرف بحرف پڑھ کر ماموں صاحب اور عمدہ کو بھی سنا دیں تاکہ اس پر شرعاً طلاق واجب ہو جائے، کیونکہ وہ میری بلا اجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا ظہر من الشمس ہے، فقط بندہ طالع ور خاں از مقام ساکولی۔ جس وقت یہ خط پہنچا سرمست خاں نے عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو سنا دیا بعد ایک ہفتہ کے طالع ور خاں اپنے خسر کے یہاں آئے اور کہنے لگے کہ میری زوجہ عمدہ کو میرے ساتھ روانہ کر دو، نجم خاں نے روبرو چند آدمیوں کے بھیجنے کا اقرار کیا پھر بعد دو گھنٹہ کے طالع ور خاں لینے آئے تو معلوم ہوا کہ نجم خاں دیہات پر چلا گیا۔ بعد چند ماہ کے نجم خاں نے طالع ور خاں سے صراحتاً کہہ دیا کہ ہم لڑکی کو کیسے روانہ کریں تم نے تو طلاق نامہ لکھ کر روانہ کر دیا، پھر بائیس 22 ماہ کے بعد طالع ور خاں نے اپنے خسر کے نام یہ خط لکھا:

جناب ماموں صاحب! بعد سلام علیک واضح ہو میں نے یہاں پر کئی علماء سے دریافت کیا سب یہی کہتے ہیں طلاق ہو چکی اس لئے عرض پرداز ہوں کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح کرا دیجئے مجھ سے کوئی واسطہ نہ رہا آپ رنجیدہ نہ ہوں امر مجبوری ہے ورنہ کوئی صورت لانے کی کیا ہوتا فقط۔

پھر نو ماہ کے بعد خسر کو خط لکھا کہ فرنگی محل کے علماء سے خط بھیج کر فتویٰ طلب کیا تھا، جواب آیا کہ طلاق ہو چکی، مہر کی نسبت انہوں نے فتویٰ دیا کہ نصف مہر دینا چاہیے، مگر میں اور جو ابوں کا منتظر ہو، پس عرض یہ ہے کہ صورت مرقومہ بالا میں عمدہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کن لفظوں سے؟ اور کس قسم کی؟ اور کتنی طلاقیں متحقق ہوئیں؟ غرض عمدہ طالع ور خاں کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

اللَّهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ - اس خط میں آٹھ لفظ تھے:

(۱) بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کر دو۔

(۲) برضا و رغبت آپ کو اجازت دیا۔

(۳) اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا۔

(۴) اس خط کو بطور طلاق نامہ تصور فرمائیں۔

(۵) اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا۔

(۶) عمدہ سے اور مجھ سے کوئی سروکار نہ رہا۔

(۷) اس خط کو ماموں صاحب اور عمدہ کو سنادیں کہ اس پر شرعاً طلاق واجب ہو جائے۔

(۸) وہ میری بلا اجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشمس ہے۔

ان میں لفظ چہارم صالح ایقاع طلاق نہیں کہ بطور طلاق نامہ تصور فرمائیں، کے صاف

یہ معنی کہ حقیقت میں طلاق نامہ نہیں، فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

بیوی نے خاوند سے کہا ”مجھے طلاق

دے“ خاوند نے جواب میں کہا ”تودی

ہوئی ماکی ہوئی خیال کر لے“ تو طلاق نہ

ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ

عربی میں اس کا معنی یوں ہے ”تو گمان

کر لے تو طلاق والی ہے“ اور اگر یوں

بالفاظ عربی کہا تو طلاق نہ ہوگی چاہے

طلاق کی نیت کی ہو۔ اہ ملخصاً (ت)

امراة قالت لزوجها مرا طلاق ده

فقال الزوج داده انكار او كرده

انكار لا يقع وان نوى كانه قال

لها بالعربية احسبى انك طالق

وان قال ذلك لا يقع وان

نوى (1) اہ ملخصاً۔

اسی میں ہے:

1۔ فتاویٰ قاضی خاں کتاب الطلاق نو لکھنؤ 210/1

ایک شخص نے دوسرے سے کہا ”کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے“ اور دوسرا جواب میں کہے ”تو اس کو طلاق دی ہوئی شمار کر لے، تو مطلقہ سمجھ لے“ تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی۔ اھ، اس کی مکمل تحقیق ہمارے مفصل فتووں میں ہے (ت)

لو قيل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدها مطلقه او احسبها مطلقه لاتطلق امراته (1) اه تمام تحقیق ذلک فی فتاونا المفصلة

لفظ پنجم ظاہر اترک نزاع کا وعدہ ہے:

آگے بمعنی آئندہ یا یہ نکاح کر دینے پر معلق ہے اگر اس نے ”آگے“ کے لفظ سے نکاح کر دینے کے بعد کی نیت کی ہو، یا پہلے مذکور الفاظ لکھنے کے بعد مراد لی ہو۔ اسے محفوظ کر لو۔ (ت)

آگے بمعنی آئندہ او هو تعليق على النكاح ان ارید بقوله آگے بعد الانكاح، او اخبار عن النية في بعض الالفاظ السابقة ان ارید به من بعد ما كتبت هذا۔

لفظ ششم بھی الفاظ طلاق سے نہیں، سر بمعنی خیال و خواہش اور کار بمعنی حاجت ہے، سر و کار نہیں یعنی غرض، مطلب حاجت کام نہیں اور ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق کہے۔ خانیہ و بزازیہ وغیرہا میں ہے:

اگر خاوند نے کہا ”مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں“ تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر اس نے کہا ”تو میرے کام کی نہیں“ یوں ہی اگر اس نے کہا ”میں تجھے نہیں چاہتا“ تو طلاق نہ ہوگی (ت)

لو قال لا حاجة لي فيك ونوي الطلاق لا يقع وكذالو قال مرابكار نيستی وكذالو قال ما اریدك (2)

1- فتاویٰ قاضی خان کتاب الطلاق نو لکھنؤ 213/1

2- فتاویٰ قاضی خان کتاب الطلاق نو لکھنؤ 213/1

بحر الرائق میں ہے:

اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے ”مجھے تجھ میں حاجت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، مجھے تیری خواہش نہیں، تجھ میں میرے لئے رغبت نہیں“ تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔

(ت)

لفظ ہشتم بھی محض لغو و غلط ہے کہ ایک باطل خیال جہاں پر نکاح سے باہر ہونا بتاتا ہے بے اجازت شوہر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور جو اقرار غلط بنا پر ہو معتبر نہیں۔ خانیہ میں ہے:

ایک بچے نے کہا ”اگر میں یہ پی لوں تو جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق“ پھر اس نے دوران بچپن وہ چیز پی لی، پھر بالغ ہونے کے بعد اس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے سرال نے خیال کیا کہ اس کے مذکور قول کی وجہ سے طلاق ہوگئی ہے تو اس لڑکے نے کہا ”ہاں یہ مجھ پر حرام ہے“ تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ یہاں ابتداء بیوی کو حرام نہیں کہا بلکہ اس نے

صبي قال ان شربت فكل امرأة اتزوجها فهي طالق فشرب وهو صبي فتزوج وهو بالغ وظن صهره ان الطلاق واقع فقال هذا البالغ (آرم حرام است برمن) لا تحرم امراته هو الصحيح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء وانما اقر بالسبب الذي تصادقا عليه وذلك السبب باطل (2) اه ملخصاً.

1۔ بحر الرائق باب الکنايات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی 303/3

2۔ فتاویٰ قاضی خاں باب التعلیق نو لکھنؤ 235/1

اس سبب کے وجود کا اقرار کیا جس پر
دونوں سچے ہیں اور جس سبب پر اس نے
یہ اقرار کیا وہ باطل ہے۔ اھ ملخصاً (ت)

بقیہ چار الفاظ میں تین لفظ پیشین کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وہ بے شک
کنایات سے ہے۔

کیونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی
خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے
کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوند یوں کہے
”تو نکاح کر“ جیسا کہ خانیہ میں ہے ”تو
خاوند تلاش کر“ جیسا کہ کنز میں ہے ”میں
نے تجھ کو خاوندوں کے سپرد کیا“ جیسا کہ

فانه ينبي عن رفع قيد النكاح
واخراجها عن عصمة لنفسه
كقوله تزوجي (1) كما في الخانية
زاتغى الازواج (2) كما في الكنز
وو وهبتك للازواج (3) كما في
الهندية.

ہند یہ میں ہے۔ (ت)

مگر ان تین اور ان کے ساتھ کتنی کنایات بائنہ ہوں سب سے ہوگی تو ایک ہی طلاق

بائن ہوگی اگرچہ سب سے نیت کی ہو فان البائن لا يلحق البائن (کیونکہ بائن طلاق
کے بعد دوسری بائنہ لاحق نہیں ہو سکتی۔ (ت)

لفظ ہفتم طلاق صریح ہے مگر اس شرط پر معلق کہ سرمست خاں، نجم خاں اور عمدہ کو حرف
بحرف خط پڑھ کر سنادے۔

اس لئے کہ ”تا کہ“ کا لفظ یہاں سنانے
پر طلاق کو مرتب کرنے کے لئے ہے یعنی

فان لفظه تا کہ تفید ههنا ترتب
الطلاق على الاسماع ای ربط

1۔ فتاویٰ قاضی خاں فصل فی الکنايات نو لکھنؤ 216/1

2۔ کنز الدقائق باب الکنايات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی صفحہ 116

3۔ فتاویٰ ہند یہ الفصل الخامس فی الکنايات نورانی کتب خانہ پشاور 376/1

اس چیز کے حاصل ہو جانے پر اس چیز کا
حصول بتانے کے لئے ہے اور یہی تعلیق
کا معنی ہوا ہے۔ اور در مختار میں ہے کہ
تعلیق کا معنی ہی شرط کے لئے کافی ہوتا
ہے۔ (ت)

حصول ذاک بحصول هذا
وهذا هو معنى التعليق وفي الدر
المختار يكفى معنى الشرط (1)

تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے، ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق
بائن پڑے گی دوسرا صریح معلق جس سے بعد تحقق شرط طلاق رجعی ہوگی، صریح کا حکم تو دیا جاتا
وقضاء دونوں میں سے ایک ہی ہے کہ اگر سرمست خاں نے خط مذکور دونوں کو حرف بحرف سنا
دیا تو طلاق ہوگئی اور اگر ان میں سے ایک کو سنانے میں بھی کچھ کمی رہی ہے جسے حرف بحرف
سنانا نہیں تو نہ ہوئی مگر حکم کنایہ یہاں مختلف ہے دیا جاتا حاجت نیت ہے۔ ردالمختار میں ہے:
کنایہ کی صورت میں نیت کے بغیر طلاق
نہ ہوگی اور اگر دلالت حال بھی پائی جائے
جائے تو طلاق کا وقوع نیت یا دلالت
حال میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یہ
صرف قضاء طلاق ہوتی ہے بحر وغیرہ کی
صراحت یہی ہے۔ (ت)

لا يقع ديانة بدون النية ولو
وجدت دلالة الحال فوقه
بواحد من النية او دلالة الحال
انما هو في القضاء فقط كما هو
صريح البحر وغيره (2)

اور قضاء بوجہ قرآن سابق و سابق وقوع طلاق کا حکم علی الاطلاق۔

غرر، بحر اور خانہ میں جیسا کہ مذکور ہے کہ
لفظ اگرچہ جواب بن سکتا ہو مگر وہاں
قرآن کا ہجوم اس کے جواب ہونے کو
مردود قرار دیتا ہے، جیسا کہ یہاں ایسا نہ

فان اللفظ وان كان مما يصلح
ردا كما في الغرر والبحر
والخانية لكن قد حفته قرانن ترد
معنى الرد كقوله لهذا وقوله ايا

1۔ در مختار باب التعلیق مطبع مجہانی دہلی 230/1

2۔ ردالمختار باب الکتابات دار احیاء التراث العربی بیروت 463/2

نہ ہونا سبب و قولہ اس کا خرابانہ ہونا
سبب و قولہ تا کہ خدائے پاک الخ
فان هذه التعليلات والتفريعات
لاتلائم قصد الرد كما لا يخفى
ودلالة القول كدلالة الحال۔

ہونا سبب، اس کا خرابانہ ہونا سبب، تا کہ
خدائے پاک الخ کے الفاظ ہیں، کیونکہ
یہ الفاظ تعلیل اور تفریع ہونے کی بناء پر،
جواب کے ارادہ سے مناسب نہیں ہیں
جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دلالت قال،
دلالت حال کی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں نہر الفائق سے ہے: دلالة الحال تعم دلالة المقال (1) (دلالت
حال، دلالت قال کو بھی شامل ہے۔ ت) مگر خط کی بناء پر وقوع طلاق کا حکم اسی حالت میں
ہو سکتا ہے جب کہ شوہر مقرباً گواہان عادل شرعی دو مرد یا ایک مرد و عورت سے ثابت ہو کہ یہ
خط اس کا ہے ورنہ صرف مشابہت خط پر حکم نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ان كتب على وجه الرسالة
مصدر معنونا و ثبت ذلك
باقراره او بالبينه فكا لخطاب (2)
اگر خط کا عنوان شروع کر کے لکھا اور پھر
اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہو
جائے تو یہ لکھنا زبانی خطاب کی طرح
ہے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں حکم قضایہ ہے کہ اگر اس خط کا طالعور خاں کا ہونا نہ اس کے
اقرار سے ثابت نہ گواہان عادل سے، جب تو اصلاً حکم طلاق نہیں، اور اگر اقرار یا شہادت
سے ثبوت ہے تو عمدہ پر طلاق بائن پڑ گئی، اگر سرمست خاں نے عمدہ و نجم خاں دونوں کو حرف
بحرف بنا دیا جب تو دو طلاقیں بائن ہوئیں۔

فان الصريح يلحق البائن
والرجعي اذا لحقه صار مثله لعدم
اس لئے کہ صریح طلاق بائنہ کو لاحق ہو
سکتی ہے اور جب بائنہ کے بعد اس کو

1۔ ردالمحتار باب الكنايات دارحاء التراث العربی بیروت 2/463

2۔ الاشباہ والنظائر الفن الثالث احكام الكتابة اداره القرآن کراچی 2/98-297

امکان اثبات الرجعة كما في
البرزازية وغيرها۔
رجعی لاحق ہو تو وہ رجعی طلاق بھی بائنہ کی
طرح ہو جاتی ہے کیونکہ ایسی صورت میں
رجوع کا امکان نہیں رہتا، جیسا کہ

بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

ورنہ ایک ضرور ہوئی، بہر حال عمدہ نکاح سے نکل گئی، یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے عمدہ کو
اسی پر عمل واجب ہے۔ فان المرأة كالقاضي (1) كما في الفتح وغيره (کیونکہ
بیوی اس میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ ت)

اور حکم دیانت یہ ہے کہ اگر یہ خط طالع ورخاں کا ہے اور اس نے الفاظ کنایہ میں کل یا
بعض سے نیت ازالہ نکاح کی تو طلاق بائن ہوئی پھر اس کے ساتھ وہ خط سنانے کی شرط بھی
پوری پائی گئی تو دو طلاقیں بائن ہوئیں بہر حال عمدہ نکاح سے باہر ہوئی اور اگر نیت نہ کی تو
سنانے کی شرط پائے جانے کی حالت میں ایک طلاق رجعی پڑی جس میں اسے اختیار
رجعت تا ایام عدت تھا، اور اگر اس شرط میں بھی کمی رہی تو اصلاً طلاق نہ پڑی، یونہی اگر یہ خط
اس کا نہیں جب بھی طلاق نہ ہوئی اگرچہ گواہ گواہی دیں یا خود اس نے غلط اقرار کر دیا ہو۔

فان الاقرار الكاذب لا اثر له
ديانة هذا جملة القول والتفصيل
في فتونا المذكورة۔
اس لئے کہ جھوٹے اقرار کا کوئی اثر دینا
نہیں ہے، یہ تمام خلاصہ کلام ہے اور تفصیل
ہمارے فتاویٰ میں مذکور ہے۔ (ت)

اور جب کہ عمدہ و طالع ورخاں میں خلوت صحیحہ ہو گئی ہو جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر ہے
کہ وہ چار مہینے شوہر کے یہاں رہی تو بعد طلاق کل مہر واجب الادا ہے، نصف ساقط ہونے
کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان فتاویٰ میں امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت
فرمادی کہ:

(۱) البحر الرائق کتاب الطلاق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی 257/3

(۱) چند بار یہ الفاظ برنیت طلاق کہے، یعنی ہر بار یہ الفاظ نیت طلاق سے کہے اور تاکید خلاف اصل ہے، اصل استیناف ہے (ردالمحتار جلد 2 صفحہ 460) اس کے باوجود اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف ایک طلاق بائن کا فتویٰ دیا۔

(۲) ایک شخص نے اپنی بیوی کو چار بار ”صفائی دے دیا“ کہا اور چاروں دفعہ طلاق کی نیت کی، پھر بھی اعلیٰ حضرت نے صرف ایک طلاق بائن کا حکم لگایا ہے اور دلیل یہی دی کہ بائن، بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔

(۳) انہوں نے تصریح فرمادی کہ کنایات طلاق کو خواہ کتنی مرتبہ مکرر کہا جائے اور خواہ سب کے ساتھ طلاق کی نیت کی جائے، تو صرف ایک طلاق بائن واقع ہوگی، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اور ہمارا موضوع بحث بھی یہی ہے کہ شوہر نے کلمات: ”میں نے تمہیں آزاد کیا“ کو مکرر کہا اور دوسری بار دوسری طلاق کی نیت کی، تو یہاں بھی صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔

(۴) وجہ استدلال یہ ہے کہ طلاق ثانی کو اول کی خبر صرف اس وقت نہیں بنایا جاسکتا جب وہ کہے: ”میں نے دوسری طلاق دی“ یا یہ کہے میں نے ”بینونت کبریٰ“ (یعنی طلاق مغلظہ کی نیت کی) اعلیٰ حضرت نے پہلی طلاق کی خبر بنانے سے صرف ان دو صورتوں کا استثناء فرمایا ہے جب ایک ”طلاق بائن“ کو شوہر دوبار نیت محض سے نہیں بلکہ لفظاً کہے: ”میں نے دوسری طلاق دی“ یا میں نے ”بینونت کبریٰ“ کی نیت کی، تو چونکہ ان دو صورتوں میں طلاق (بائن) ثانی کو اول کی خبر بنانا ممکن نہیں، اس لئے دونوں سے ”انشاء طلاق“ کا حکم دیا جائے گا اور یہی دو استثنائی صورتیں ہیں۔ اگر ان کے علاوہ کوئی تیسری استثنائی صورت (Exceptional Case) بھی ہوتی (جیسا کہ حضرت مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ اگر ایک طلاق بائن دی، اس کے بعد دوسری طلاق بائن دی اور دوسری بائن سے دوسری طلاق کی نیت کی تو یہ موثر ہو کر پہلی بائن سے لاحق ہو جائے گی) کہ دوسری طلاق کی نیت سے ”تو بائن ہے“ کہے تو یہ پہلی کے ساتھ لاحق ہو جائے گی، تو اعلیٰ حضرت فاضل

بریلوی قدس سرہ العزیز اس کا بھی ذکر فرمادیتے، کیونکہ یہ مقام بیان ہے اور مقام بیان میں کسی چیز کا ذکر نہ کرنا، اس بات کا بیان ہے کہ وہ مراد نہیں ہے، کما لا یخفی۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ میں (استفتا اور فتویٰ دونوں) ہم نے ایسے متعلقہ پیرا گراف خط کشیدہ کر دیئے ہیں، قارئین اور خاص طور پر اہل علم اور اہل فتویٰ سے گزارش ہے وہ دو تین بار ان کا مطالعہ کریں، مسئلہ انشاء اللہ العزیز نکھر کر سامنے آ جائے گا۔ دارالعلوم امجدیہ ہماری مادر علمی ہے، ماضی میں ہمارے عظیم اکابر شیخ الحدیث علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری، حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین، حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی قادری رحمہم اللہ جمعین اس سے وابستہ رہے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک ادارہ، ایک انجمن اور ایک جامعہ تھے، وہ ہمارے مسلک کی پہچان تھے۔ علامہ مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب سے بھی ہمارا کوئی ذاتی اختلاف و عناد نہیں ہے، ہم ان سمیت ہر صاحب علم کا احترام کرتے ہیں۔ اہل علم کا حوادث و نوازل میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے، لیکن یہ مسئلہ فقہاء احناف کا متفقہ مسئلہ اور معروف مسئلہ ہے۔ ہم نے حق کی طرف رجوع کے لئے پہلے مفتی صاحب محترم سے خود رجوع کیا تھا، پھر حضرت قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب اور علامہ شاہ تراب الحق قادری صاحب کے پاس سارا مواد مع تصدیقات اہل علم و فتویٰ ارسال کیا، اور ان دونوں حضرات سے میں نے بذات خود فون پر بھی گزارش کی کہ مفتی عبدالعزیز حنفی صاحب سے اپنے فتویٰ پر نظر ثانی کے لئے کہیں، حضرت قبلہ مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے فرمایا کہ اب یہ لوگ میری بات سنتے اور مانتے نہیں ہیں، اس لئے میں نے احقاق حق کے لئے اسے ریکارڈ کا حصہ بنایا ہے اور تفہیم المسائل میں شامل کیا ہے۔

الحمد للہ! ہمارے فتویٰ پر اجلہ علماء کرام کی تصدیقات مثبت ہیں، واللہ الحمد۔

تصدیقات و تائیدات علماء کرام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب غلطی پر غلطی کرتے چلے جا رہے ہیں، علامہ بحر نے ماتن کی عبارت ”لا البائن“ کی تشریح میں مسلمہ قیود پر بحث کرتے ہوئے ایک اعتراض کر کے پھر خود ہی اس کا جواب بھی ”الا ان یقال“ سے دے دیا۔ اسی اعتراض کے مزید دو جواب علامہ شامی نے ”منحة الخالق“ میں بھی دیئے۔ اعلیٰ حضرت نے بحر کے اعتراض کی تقریر کو اپنے زوردار الفاظ میں بیان کر کے علامہ بحر کے اعتراض کے مبنیٰ کو واضح کیا تاکہ علامہ بحر پر سطحیت کا الزام نہ آئے کہ نیت کے عدم اعتبار پر تصریحات کے باوجود علامہ کا اعتراض چشم پوشی ہے۔

اسی نکتہ کی طرف فلیتأمل سے اشارہ فرمایا کہ یہ علامہ بحر کے اعتراض کی تقریر ہے یہ کسی کا قول یا مذہب نہیں، ردالمحتار کے حوالہ کو بہار شریعت میں بھی مسلمہ اور واضح قرار دے کر مسئلہ کو بیان کیا اور نیت سے مراد ایسی نیت جس سے خبر ہونا ناممکن ہو جائے اور یہ جب ہی ہوگا جب کہ وہ نیت جدید طلاق پر دال سے موید ہو۔ لہذا مولانا عبدالعزیز حنفی صاحب فارغ البالی سے کتب فقہ کی اس بحث کو دیکھیں۔ امکان یمن، لا یمن، الفاظ کو نظر انداز نہ کریں۔ انہی الفاظ پر بحث کا مدار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

تصویب

صورتہ مسئلہ میں جناب مفتی منیب الرحمن صاحب کا جواب حق اور صواب ہے اور دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب کا فتویٰ غلط ہے لہذا مفتی منیب الرحمن کے فتویٰ پر عمل کیا

جائے فقہ کی چھوٹی بڑی سب کتابوں میں تصریح ہے کہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اور اس کی وجہ صرف ثانی کا اول کے لئے خبر بننے اور حکایت ہونے کا امکان ہے۔ نیت کچھ بھی ہو امجدیہ کے مفتی صاحب کو یہ بات سمجھ نہیں آئی اور نیت کی وجہ سے غلطی ہوئی اور انہوں نے ان کنایات کے متعلق علامہ شامی کی نامکمل عبارت نقل کر دی جن سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے، اور ان کی دیانت پر تعجب ہے کہ پورے جملہ سے خبر میں جملہ شرطیہ کی صرف ایک جز نقل کر دی، مبتداء اور خبر کے متعلقات کو ترک کر دیا اور ترجمہ بھی ذکر نہیں کیا تا کہ بات کھل نہ جائے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ۔ بائن ثانی سے دوسری طلاق کی نیت سے طلاق ثانی واقع نہیں ہوتی، اس کی پوری بحث میں درمختار کے قول ”اِذَا اَمْكَنَ جَعَلَهُ اِخْبَارًا“ کے ماتحت علامہ ابن عابدین نے لکھا اور شامی نے البحر الرائق سے نقل کردہ عبارت کا رد فرما دیا اگر مناسب ہو تو دیکھ لیں۔ مفتی صاحب کی نقل کردہ عبارت میں تلحق کے ضمیر کا مرجع صرف اعتدی، استبرنی رحمک، انت واحدة اور ان کے ساتھ ملحقات ہیں، جملہ کنایات نہیں، یہاں سے مفتی صاحب کو عدم فہم سے غلطی لگی اور فقہاء کے مسلمہ اجماعی ضابطہ کلیہ البائن لایلحق البائن کو اڑا دیا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اگر اس قاعدہ میں نیت کی وجہ سے کوئی استثناء ہو تو فقہاء اس پر تحریر فرماتے اور متون میں لکھتے جیسے دوسری استثنائی صورتیں انہوں نے تحریر فرمادیں ہیں۔

الخلاصہ۔ الحق مع المنیب المجیب جزاه اللہ خیر الجزاء۔ واللہ اعلم

محمد رفیق غفرلہ

دارالافتاء جامعہ مدینۃ العلوم گلستان جوہر بلاک 15، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے مفتی جناب پروفیسر منیب الرحمن صاحب کی طرف سے لکھے گئے ”رد متابعۃ الجواب“ کے بعد مزید لکھنے کی ضرورت نہیں تھی فنی اور فقہی اعتبار سے دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب کا اصل فتویٰ صحیح نہیں تھا۔ حقیقت حال واضح ہونے کے

بعد ہمارا خیال تھا کہ دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب، دارالعلوم نعیمیہ کے مفتی صاحب کا شکر یہ ادا کریں گے لیکن اس کے برعکس انہوں نے اس کو اپنی ”انا“ کا مسئلہ بنا لیا اور پہلے فتویٰ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے متابعتہ الجواب کے عنوان سے سعی لا حاصل شروع کر دی۔ معلوم نہیں امجدیہ کے مفتی صاحب نے دارالعلوم نعیمیہ کے مفتی صاحب کے دیگر مؤیدین کو چھوڑ کر صرف میری تائید پر تنقید کیوں فرمائی۔

الحمد لله نفس الامر میں ہمارا موقف صحیح اور ثابت ہے اس لئے مفتی صاحب کو اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگر فقہاء کرام کی کتب سے کوئی ایک فتویٰ بھی ایسا نہیں ملا جس میں تصریح ہو کہ دوسری بائن سے صرف دوسری طلاق کی نیت کرنے سے دوسری طلاق شمار کی جائے گی البتہ امجدیہ کے مفتی صاحب کو جد الممتار سے اس موضوع پر ایک بحث مل گئی۔ جس کا نعیمیہ کے مفتی صاحب نے جواب تحریر فرما دیا ہے۔ فتاویٰ روایات پر دیئے جاتے ہیں صرف بحث من حیث البحث پر نہیں دیئے جاتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے یسر اور عدم تضیق کی وجہ سے دوسری بائن سے استیناف کی نیت کو کافی نہیں سمجھا بلکہ استیناف کی نیت کے لئے ایسے لفظ کا ہونا ضروری سمجھا جو لفظ استیناف کی نیت کے لئے معین ہو کما فی البحر جیسے ابنتک باخوری میں لفظ اخری ہے کہ استیناف اور انشاء کی نیت کے لئے معین اور مد ہے لہذا ابنتک سے دوسری طلاق واقع ہو جائے گی معلوم ہوا یہاں متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) اول: بائن کے دوسرے لفظ سے تاکید کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی۔

(۲) دوم: بائن کے دوسرے لفظ سے صرف طلاق کی نیت ہو۔ استیناف اور انشاء کی نیت نہ ہو تو بھی دونوں لفظوں سے ایک بائن ہوگی۔

(۳) سوم: دوسرے لفظ سے استیناف کی نیت ہو لیکن نیت پر کوئی لفظ دلالت کرنے والا مذکور نہ ہو جیسے زیر بحث مسئلہ میں ہے۔ اس صورت میں فقہاء کرام کے نزدیک ایک طلاق بائن ہوگی۔

الجواب باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

صورة مسئلہ میں دارالعلوم نعیمیہ کے مفتی صاحب کا فتویٰ حق اور درست ہے اور دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب کا فتویٰ (کہ مرد کا یہ کہنا میں نے تمہیں آزاد کیا میں نے تمہیں آزاد کیا ان الفاظ سے دو بائن طلاق واقع ہوئیں) یہ کہنا درست نہیں۔

لان البائن الکنائی لا يلحق البائن۔ ا ھ

وايضاً قال في البحر..... ليس المبانة محلاً للباين۔ ا ھ

کیونکہ لفظ آزاد کیا یہ بائن کنائی میں سے ہے جو بائن کو لاحق نہیں ہو سکتا اگرچہ مرد بہ نیت طلاق کیوں نہ کہے۔ کیونکہ یہاں ثانی کا اول کیلئے خبر بننے اور حکایت ہونے کا امکان ہے۔

قال في الرد..... فعلم ان قولهم اذا امكن الخ احترا زعما اذا لم يمكن

جعله خبرا كما في أ بنتك بأخرى لا عما اذا نوى به طلاقاً آخر فتدبر۔

وايضافيه. فقولهم البائن لا يلحق البائن لاشك ان المراد به البائن

المنوي، از غير المنوي لا يقع به شئ اصلاً۔ ا ھ (رد المحتار ۴/۵۲۵)

اور البحر الرائق میں ہے :

الا ان يقال ان الوقوع انما هو بلفظ صالح له بخلاف مجرد النية الخ

(البحر الرائق ۳/۵۳۵)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں صورت مسئلہ میں دارالعلوم نعیمیہ کے مفتی صاحب کا جواب (کہ دو طلاقیں ہوں گی یعنی ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور ایک پہلی طلاق رجعی کے ساتھ مل کر مجموعی دو طلاقیں شمار ہوں گی اور اب فریقین عدت کے دوران یا عدت گزرنے کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں) حق اور صحیح ہے اور دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحب کا جواب (کہ صورت مسئلہ میں تین طلاقیں ہو گئیں) یہ درست نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم ورسولہ بالصواب

کتبہ احقر محمد بلال نعیمی غفرلہ
دارالافتاء جامعہ مجددیہ نعیمیہ
۱۶/۱۱/۹۵
ملیر راجی



دو طلاق کے بعد رجوع

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ کہہ دیا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے۔ تو کیا اس کے بعد رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے؟
(منور احمد، ملیہ، کراچی)

جواب: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے دو مرتبہ کہا کہ تجھے طلاق ہے یا میں تجھے طلاق دیتا ہوں یا میں نے تجھے طلاق دی تو دو طلاق رجعی واقع ہو جائیں گی۔ وہ چاہے تو عدت کے اندر یک طرفہ طور پر عقد ثانی کے بغیر رجوع کر سکتا ہے، خواہ محض زبانی کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا یا ازدواجی تعلق قائم کر لے تو رجوع صحیح ہوگا، لیکن اب اس کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا اور اگر شوہر نے رجوع نہ کیا اور عدت گزر گئی تو وہ عورت اب آزاد ہے اپنی آزادانہ مرضی سے پہلے شوہر کے ساتھ عقد ثانی بھی کر سکتی ہے اور کسی اور شخص کے ساتھ بھی نکاح کر سکتی ہے۔ اگر پہلے شوہر کے ساتھ عقد ثانی کیا تو آئندہ اس کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا اور ایک طلاق خدانخواستہ دے دی تو وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔

بہن سے قطع تعلق کی قسم کھانا

سوال: ”الف“ اور ”ب“ دونوں حقیقی بہن بھائی ہیں۔ ”الف“ کسی بات پر اپنی بہن ”ب“ سے ناراض ہو جاتا ہے اور قسم کھا کر غصہ میں اپنی بہن ”ب“ سے کہتا ہے کہ آج کے بعد میں تمہارے گھر کبھی نہیں جاؤں گا۔ (چاہے تم فوت ہو یا اور کوئی) اگر میری بیوی بھی تمہارے گھر گئی تو وہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ اب ”الف“ اور ”ب“ (اس کی بہن) کے درمیان راضی نامہ ہو چکا ہے۔ ”الف“ کی بہن اب ”الف“ اور اس کی بیوی کی دعوت کرنا چاہتی ہے۔ اگر ”الف“ اپنی خوشی سے اپنی بیوی کو اپنی بہن کے گھر جانے کی اجازت دے دیتا ہے اور خود بھی بہن کے گھر جانا چاہا ہے (دونوں ابھی تک بہن ”ب“ کے گھر نہیں گئے)۔ تو ایسی صورت میں کیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ تفصیل سے جواب دیں۔ شکر یہ۔ (نعیم افضل، مانسہرہ)

جواب: آپ نے جو صورت مسئلہ بیان کی ہے، از روئے شریعت اس کا جواب درج ذیل ہے:

”الف“ کا یہ قسم کھانا کہ وہ اپنی بہن ”ب“ کے گھر کبھی نہیں جائے گا، شرعاً ناپسندیدہ امر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”کسی مومن کے لئے (خواہ مرد ہو یا عورت) یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی یا بہن کے ساتھ تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے۔“ یہ مقاطعہ اگر کسی قریبی عزیز یا عزیزہ کے ساتھ کیا جائے تو یہ بڑا گناہ ہے کیونکہ اس سے قطع رحمی (رشتہ قرابت کو توڑنا) بھی لازم آتی ہے، تو جتنا عرصہ وہ اپنی اس قسم پر قائم رہ کر بہن سے قطع تعلق کیے رہے، اس کے لئے صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”تم میں سے جو شخص کسی بات (کے کرنے یا نہ کرنے) کی قسم کھالے اور پھر اسے معلوم ہو کہ شرعاً ایسی قسم پر قائم رہنے کے بجائے اس کو توڑ دینا بہتر ہے، تو اسے چاہیے کہ ایسی قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔“ تاہم خلاف شرع ہونے کے باوجود شرعاً ایسی قسم منعقد ہو جاتی ہے، لیکن اس پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیونکہ یہ قسم اصولی طور پر خلاف شرع ہے۔ لہذا ”الف“ کو چاہیے کہ فوراً اپنی بہن ”ب“ سے میل جول کا سلسلہ قائم کریں، اپنی قسم کو توڑ دیں اور اس کا کفارہ ادا کریں، کفارہ قسم قرآن مجید میں یہ بتایا گیا ہے ”دس مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا یا انہیں لباس فراہم کرنا، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔“

”الف“ نے اپنی بیوی کے بارے میں جو یہ کہا کہ ”اگر میری بیوی تمہارے گھر گئی تو وہ مجھ پر طلاق ہوگی“ بیوی بھی ”قطع رحمی“ کا سلسلہ ختم کر کے ان کے گھر چلی جائے اور اس طرح ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور ”الف“ عدت کے اندر ایک طرفہ طور پر رجوع کر سکتا ہے، قولاً (یعنی یہ کہے کہ میں نے طلاق سے رجوع کیا) یا فعلاً (کہ ازدواجی تعلقات قائم کرے) لیکن آئندہ اسے لفظ طلاق استعمال کرتے ہوئے یا طلاق کی دھمکی دیتے ہوئے بہت محتاط رہنا ہوگا، کیونکہ ایک طلاق کا حق وہ استعمال کر چکا ہے اور اب اس کے پاس صرف

دو طلاق کا اختیار باقی ہے اور اگر خدا نخواستہ آئندہ جب کبھی بھی وہ طلاق دے گا، یہ پہلی والی دی ہوئی طلاق اس کے ساتھ جمع ہو کر موثر ہو جائے گی۔ لہذا حد درجہ احتیاط لازم ہے۔

مشروط طلاق دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے پان کھایا تو میری طرف سے طلاق سمجھو، اس نے یہ جملہ کچھ دنوں کے وقفہ سے تین سے زائد بار کہا، لیکن جس کام کے ساتھ مشروط کیا تھا وہ ایک ہی تھا، کچھ دنوں کے بعد اس کی بیوی نے پان کھالیا؟ اس سے بیوی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں، از روئے شرع جواب دیجئے۔ نوازش ہوگی۔ (عبداللہ، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

نوٹ: دارالعلوم کراچی کو مندرجہ بالا استفتاء ارسال کیا گیا، وہاں سے مندرجہ ذیل جواب موصول ہوا، مفتی وہ فتویٰ لے کر ہمارے پاس آئے ہم نے اس کا بغور مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ مفتی صاحب کو تسامح ہو گیا ہے اور عدم توجہ یا قلت غور و فکر کی وجہ سے وہ غلط نتیجے پر پہنچے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ مفتی محمد یعقوب صاحب مفتی دارالعلوم کراچی سے وضاحت طلب کی جائے۔ سطور ذیل میں مفتی دارالعلوم کراچی کا جواب اور اس کے مفتی صاحب مذکور کے نام ہمارا مکتوب ملاحظہ فرمائیے: (نیب الرحمن)

الجواب حامدًا ومصلياً

صورت مسئلہ میں پان کھانے کی وجہ سے شخص مذکور کی بیوی پر تینوں طلاق واقع ہو گئیں اور نکاح ختم ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہوگئی اب رجوع نہیں ہو سکتا اور حلالہ شرعیہ کے بغیر آپس میں دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکتا۔ (ماخذہ امداد الفتاویٰ 440/2) فی الدرر (صفحہ 376 جلد 3)

فی ایمان الفتح مالفظه: وقد عرف فی الطلاق انه لو قال: ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق (قوله وقع

الثلاث) یعنی بدخول واحد کما تدل عليه عبارة ايمان
الفتح اه و كذا ايضا في الهندية (429/1)

والله سبحانه وتعالى اعلم

محمد يعقوب عفي الله عنه

دارالافتاء دارالعلوم کراچی 14

محترم مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب
رئیس شعبہ افتاء جامعہ دارالعلوم، کراچی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے دارالافتاء سے 17 ذیقعدہ 1420ھ کو (حوالہ نمبر 87/400) ایک فتویٰ جاری ہوا ہے جس پر آپ کے دستخط برائے تائید و توثیق ثبت ہیں، اس فتوے کی نقل منسلک ہے۔ مستفتی نے دریافت یہ کیا تھا کہ ایک شخص نے تین سے زائد بار اپنی بیوی سے کہا کہ ”اگر تم نے پان کھایا تو میری طرف سے طلاق سمجھو“۔ آپ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ”تین طلاقیں واقع ہو گئیں“۔ آپ حضرات نے ”میری طرف سے طلاق سمجھو“ کو ”انت طالق“ کے معنی میں لیا ہے، جب کہ کتب فتاویٰ میں اس کے برعکس فقہی آراء موجود ہیں، ہم ان میں سے چند کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں:

(۱) امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز سے ایک طویل استفتاء میں دریافت کیا گیا کہ شوہر نے لکھا ”اس خط کو بطور طلاق نامہ کے تصور فرمائیں“ انہوں نے جواب دیا: ”صالح ایقاع طلاق نہیں کہ بطور طلاق نامہ تصور فرمائیں“ کے صاف یہ معنی کہ حقیقت میں ”طلاق نامہ“ نہیں، فتاویٰ امام قاضی خان میں ہے:

امْرَاةٌ قَالَتْ لِزَوْجِهَا: مِرَاطِلَاقٌ دَه، فَقَالَ الزَّوْجُ "دَادَه اِنْكَارٌ" او
"کرده انگار" لَا يَقَعُ وَاِنْ نَوَى كَاَنَّهُ قَالَ لَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ اِحْسَبِي اِنْكَ طَالِقٌ،
وَاِنْ قَالَ ذَلِكَ وَاِنْ نَوَى (فتاویٰ قاضی خان، کتاب الطلاق، جلد 1 صفحہ 310)

مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) فتاویٰ رضویہ جلد 12 صفحہ 631 مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور، اسی مقام پر ہے:

لَوْ قِيلَ لِرَجُلٍ أَطْلَقْتَ امْرَأَتَكَ قَالَ: "عَدَهَا مُطَلَّغَةً" أَوْ
"إِحْسَبَهَا مُطَلَّغَةً" لَا تُطَلَّقُ امْرَأَتُهُ

فتاویٰ قاضی خان، کتاب الطلاق جلد 1 صفحہ 213، مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"دادہ انگار" أَوْ "کرده انگار" لَا يَقَعُ وَإِنْ نَوَى وَلَوْ قَالَ
لَهَا بَعْدَهَا طَلَبَتِ الطَّلَاقَ (جلد 1، صفحہ 380 مطبوعہ

دارالاشاعت العربیہ قندھار)

(۳) امداد الفتاویٰ، جلد 2 صفحہ 449

سوال کی متعلقہ عبارت میں ہے: "آخر لوگوں نے کہا: تم اس قدر مارتے ہو، اگر وہ
موافق نہیں ہے تو اس کو طلاق دے، تو اس نے کہا: "تم لوگ ایسا ہی سمجھو" جواب میں درج
ہے: فی العالمگیریہ: امْرَأَةٌ قَالَتْ لِرَوْجِهَا: مَرَا طَلَاقُ دَه، فَقَالَ الزَّوْجُ:
"دادہ گیر و کردہ گیر" او قال: "دادہ بار" و "کرده بار" اِنْ نَوَى يَقَعُ
وَيَكُونُ رَجْعِيًّا وَإِنْ لَمْ يَنْوَلَا يَقَعُ، وَفِيهَا: "دادہ انگار" او "کرده انگار"، لَا
يَقَعُ وَإِنْ نَوَى، صفحہ 72 جلد 2۔ اور یہ لفظ کہ "تم لوگ ایسے ہی سمجھو" ترجمہ "دادہ
انگار" کا معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

آپ حضرات نے امداد الفتاویٰ جلد 2 صفحہ 440 کے جس حوالے سے اپنے فتویٰ کو
مؤید کیا ہے، وہاں تعلق و تکرار کی حد تک تو بات درست ہو سکتی ہے، باقی صورت مسئلہ میں
کوئی مماثلت نہیں ہے، لہذا بادی النظر میں یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اسی طرح آپ نے
الدر المختار اور عالمگیری کے جو حوالہ جات درج فرمائے ہیں، وہ صورت مسئلہ پر منطبق نہیں
ہوتے، کیونکہ صورت مسئلہ میں "میری طرف سے طلاق سمجھو" کے الفاظ ہیں، بالصراحت

”انت طالق“ یا ”تمہیں طلاق“ کے الفاظ نہیں ہیں۔

لہذا گزارش ہے کہ آپ صورت مسئلہ پر دوبارہ غور فرمائیں کہ آپ کو فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری، فتاویٰ رضویہ اور امداد الفتاویٰ کی محولہ بالا عبارات کی روشنی میں کچھ گنجائش نظر آتی ہے یا نہیں، اگر جواب اثبات میں ہے تو رجوع فرمائیں اور اگر جواب نفی میں ہے تو وضاحت فرمائیں کہ ان عبارات و فتاویٰ کا اطلاق صورت مسئلہ پر کیوں نہیں ہوتا؟

مفتی منیب الرحمن

مہتمم دارالعلوم نعیمیہ

بلاک 15، فیڈرل بی ایریا، کراچی

نوٹ: چند ماہ کے وقفے اور غور و فکر کے بعد دارالعلوم کراچی کے مفتی محمد یعقوب صاحب نے ہمیں مندرجہ ذیل جواب ارسال فرمایا اور سابقہ فتوے سے رجوع فرمایا، بلاشبہ یہ ایک معتدل، متوازن، معقول اور قابل تقلید روش ہے، (منیب الرحمن)

محترم جناب مفتی منیب الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے احقر کے فتویٰ 87/440 پر جو تبصرہ فرمایا ہے اس پر غور کیا گیا۔ احقر نے ”طلاق سمجھو“ کے جملہ کو ”طلاق ہی ہے“ یا ”طلاق دی“ کے ہم معنی سمجھ کر اپنے فتویٰ میں طلاق واقع ہونے کا حکم لکھا تھا، اس وقت خانہ کا جزیہ اور آپ کے ذکر کردہ جزیات کی طرف ذہن نہیں گیا آپ کے توجہ دلانے سے مذکورہ جزیات پر غور کیا اور دوسری کتب فقہ کی طرف مزید مراجعت کی، وہاں بھی خانہ کے حوالہ سے یہی جزیات ملے۔ غور و فکر کے بعد آپ کا تبصرہ درست معلوم ہوا، اور ان جزیات کی روشنی میں ”طلاق سمجھو“ سے طلاق واقع ہونے کا حکم لگانا واقعہً درست نہیں، لہذا احقر اپنے سابقہ فتویٰ 87/440 سے رجوع کرتا ہے، اور اب ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں پان کھانے کی وجہ سے شخص مذکور کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ آپ کے توجہ دلانے کا بہت بہت شکریہ۔

جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ والسلام

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد یعقوب عفی اللہ عنہ

دارالافتاء دارالعلوم، کراچی

دو طلاق کے بعد نکاح اور پھر تیسری طلاق

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دیں، پھر نکاح ثانی کر لیا اور اس کے بعد ایک طلاق دی، کیا اب رجوع کر سکتا ہے؟

(بنت عبد اللہ، کراچی)

جواب: اگر کوئی شخص بد قسمتی سے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے تو وہ عدت کے اندر عقد ثانی کے بغیر بھی یک طرفہ طور پر رجوع کر سکتا ہے، خواہ عملاً رجوع کرے یعنی بیوی سے ازدواجی قربت قائم کرے یا محض زبانی کہہ دے کہ میں نے رجوع کیا، تو یہ رجوع صحیح ہوگا اور وہ دوبارہ حسب سابق میاں بیوی ہوں گے، اور اب شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے، اگر اس نے خدانخواستہ کسی بھی وقت ایک طلاق اور دے دی تو یہ طلاق مغلطہ ہو جائے گی اور عورت اس پر حرام ہو جائے گی، لیکن اگر شوہر نے دو طلاقیں دیں اور شوہر نے عدت کے اندر رجوع نہ کیا تو عدت گزرتے ہی وہ دو طلاقیں بائن ہو جائیں گی، اب عورت نکاح کے لئے آزاد ہے، اپنی آزادانہ مرضی سے جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کر سکتی ہے سابقہ شوہر کے ساتھ بھی باہمی رضا مندی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے، اگر خدانخواستہ اس نے ایک طلاق دے دی تو پہلی دو طلاقوں کے ساتھ مل کر تین طلاقیں ہو جائیں گی اور بیوی اس پر مکمل طور پر حرام ہو جائے گی یعنی طلاق مغلطہ ہو جائے گی۔

دوران عدت گھر سے باہر نکلنا

سوال: کیا عدت گزارنے والی عورت کو ایام عدت میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت ہے؟

(کھتری عصمت علی پٹیل، کراچی)

جواب: عدت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عدت طلاق، یعنی یہ کہ شوہر نے کسی ناگزیر سبب کی بنا پر طلاق دے دی ہو تو از روئے شریعت عورت پر عدت گزارنا لازم ہے۔

(۲) عدت وفات۔ یعنی یہ کہ شوہر کا انتقال ہو جائے تو بھی از روئے شریعت عورت پر عدت گزارنا لازم ہے۔

ایام عدت میں عورت کو گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ سورۃ الطلاق آیت نمبر 1 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ
 ”ایام عدت میں اپنی مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ خود نکلیں۔“

اس آیت میں ”بیوت“ (گھروں) کی نسبت ان طلاق یافتہ عورتوں کی طرف کی گئی ہے، جو عدت گزار رہی ہیں۔ یہ اس امر کی جانب نفیس اشارہ ہے کہ ایام عدت میں ان کا نان و نفقہ اور سکنی (رہائش، جائے سکونت) شوہر کے ذمے ہے اور یہ ان مطلقہ عورتوں کا شرعی حق ہے۔

تاہم اگر کسی ضرورت کے تحت انہیں دن کے وقت گھر سے نکلنا پڑے تو شام سے پہلے لازماً واپس آ جانا چاہیے۔ ”عدت طلاق“ کی صورت میں تو شریعت نے مطلقہ عورت کی جملہ ضرورت کا کفیل اس کے طلاق دینے والے شوہر کو قرار دیا ہے۔ اس لیے اسے کسی ناگزیر ضرورت کے سوا گھر سے نکلنے کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ البتہ شوہر کی وفات کی صورت میں اگر کسی معاشہ (مجبوری کے تحت دن کو گھر سے نکلنے پر مجبور ہو یعنی وہ خود بھی مالدار اور خود کفیل نہ ہو اور اس کے متعلقین یا بالغ اولاد بھی اس کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کیلئے نہ ہوں یا اس کے اہل نہ ہوں یا اس پر آمادہ نہ ہوں تو مجبوراً دن کے وقت گھر سے جائے اور شام سے پہلے گھر واپس آ جائے۔

بد زبان بیوی

سوال: میرے دوست آٹھ بچوں کے باپ ہیں۔ دو سال کا عرصہ ہو گیا ہے وہ جب بھی اپنی بیوی سے رجوع کرتے ہیں، ان کی بیوی بدزبانی کرتی ہیں۔ میرے دوست کا اپنی بیوی کے ساتھ رہنا سنت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ کیا انہیں طلاق دے دینی چاہئے؟
(مرتضیٰ خان۔ کراچی)

جواب: ایسی بیوی جو بدخلق، تند مزاج اور بد خو ہو، اسے قرآن کی اصطلاح میں ناشزہ کہا جاتا ہے، ایسی عورت کے لیے قرآن مجید میں سورۃ النساء آیت نمبر ۳۴ میں تین مراحل کا اصلاحی نسخہ تجویز کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ یہ اصلاحی تدبیر کارگر نہ ہو تو اس کی خواب گاہ الگ کر دی جائے اور اس کا بھی اس پر کوئی اثر مرتب نہ ہو تو اسے معمولی تادیبی سزا دی جائے۔ اگر وہ ان میں سے کسی بھی مرحلے میں اصلاح قبول کر لے اور اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور گستاخانہ رویے سے باز آ جائے تو بغیر کسی انتقامی کارروائی کے کھلے دل سے اسے اپنالو، اور قرآن فرماتا ہے کہ اس سے کوئی زیادتی نہ کرو لیکن اگر آپ کے بیان کردہ حقائق درست ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے دوست کی اہلیہ ہرگز مائل بہ اصلاح نہیں، ایسی صورت میں وہ دونوں احسن طریقے سے اپنی راہیں جدا کر سکتے ہیں۔ اسلام نے طلاق یا خلع کا انتہائی ناخوشگوار، تلخ اور تکلیف دہ راستہ انہی ناگوار یوں سے بچ نکلنے کے لیے رکھا ہے۔

نکمے، مفت خورشوہر سے نجات

سوال: ایک عورت نکمے، ہڈ حرام اور مفت خورے شوہر سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے، جو کچھ نہیں کرتا اور سسرال میں بیٹھ کر بیوی کی تنخواہ پر گزارہ کرتا ہے، عورت حق مہر سے بھی دستبردار ہونے کے لیے تیار ہے۔ فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا ہے، مگر شوہر عدالت میں حاضر ہی نہیں ہوتا، عورت کی گلو خلاصی کیسے ممکن ہے؟ (چشتی دلبر چوہان، گلشن حدید۔ کراچی)

جواب: عورت کو چاہئے کہ عدالت میں فسخ نکاح کیلئے دعویٰ دائر کرے اور اس کی وجوہ

تحریر کرے کہ شوہر رہائش اور مصارف زندگی (نان نفقہ) نہیں دے رہا، عدالت پر لازم ہے کہ پولیس کے ذریعے (یعنی ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کرے) شوہر کو اصلتا عدالت میں طلب کرے اور اسے جواب دعویٰ داخل کرنے کا موقع دے، اگر عدالت حقائق، واقعات اور شواہد کو دیکھ کر مطمئن ہو جائے کہ شوہر بیوی کے حقوق پورے نہیں کر رہا اور نہ اس پر آمادہ ہے تو فسخ نکاح کا حکم جاری کر سکتی ہے۔

ماں کے نام سے نسبت

سوال: کیا یہ بات درست ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا؟
(عبدالماجد، گارڈن ویسٹ۔ کراچی)

جواب: عوام میں یہ بات مشہور ہے ”قیامت کے روز لوگوں کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔“ یہ بات شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”قیامت کے دن تمہیں، تمہارے باپوں کے نام سے پکارا جائے گا، تو اپنے نام اچھے رکھا کرو۔“

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد، ابوداؤد)

صحیح بخاری میں بھی اس عنوان سے ایک باب قائم ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”اشعة اللمعات“ شرح مشکوٰۃ میں ماں کے نام سے پکارے جانے کی بعض روایات کا ذکر کر کے ان کی حکمت اور تاویل بیان کی ہے، لیکن لکھا ہے ”اگر روایت ثابت ہو تو“ اس طرح کی ضعیف روایت طبرانی میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ماں کے نام سے پکارا جانا روایت صحیح سے ثابت نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ماں کے نام سے پکارا جانا، ایک استثنائی صورت ہے، اور یہ ان کی شان اعجاز ہے۔

لے پالک بچہ

سوال: متبئی یا لے پالک کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا گود لئے ہوئے بچے کی ولدیت میں حقیقی باپ کے بجائے مربی باپ کا نام لکھنا اور بولنا درست ہے؟ کیا نکاح کے وقت

ایسے لڑکے یا لڑکی کے حقیقی باپ کا نام لیا جائے یا اس کا جس نے اسے گود لیا اور پالا ہے؟
(عبدالجواد، لسبیلہ۔ کراچی)

جواب: سورة الاحزاب آیت نمبر ۴ میں ہے: ”اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے نہیں قرار دیا، یہ تمہاری خود ساختہ باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ حق (بات) ارشاد فرماتا ہے اور وہ راہ راست کی جانب رہنمائی فرماتا ہے۔“

اسی سورة مبارکہ کی آیت نمبر ۵ میں ہے: ”انہیں ان کے (حقیقی) باپوں کی نسبت سے پکارو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بات مبنی برانصاف ہے۔“ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ہم نے حضرت محمد ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا اور ذہن میں محفوظ رکھا کہ ”جس شخص نے جان بوجھ کر اپنی نسبت ”ابنیت“ و ”ولدیت“ اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف کی تو اس پر جنت حرام ہے۔“

ان آیات و احادیث کی روشن میں اپنی تسکین نفس یا انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت کسی بچے کی پرورش و نگہداشت اور تعلیم و تربیت بلاشبہ نہایت مستحسن اور اجر کی بات ہے، لیکن بچے کے نسب کو بدلنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس پر سخت وعید آئی ہے۔ اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ متنبہ (منہ بولا بیٹا یا بیٹی) اپنے مربی اور گود لینے والے شخص کے شرعاً اور قانوناً وارث نہیں بن سکتے۔ البتہ اپنی زندگی میں کوئی شخص انہیں کچھ ہبہ (Gift) کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

لے پالک کا نسب

سوال: اگر کوئی شخص کسی اور شخص کے بچے کو گود لے اور اس کی نسب اپنی طرف منسوب کرے اور بعد میں اسکول، شناختی کارڈ کے ب فارم، پاسپورٹ وغیرہ میں اس کی حقیقی ولدیت کی جگہ اپنا نام لکھوائے تو کیا یہ درست ہے اور کیا بعد میں وہ بچہ اس کی وراثت کا حق دار ہو سکتا ہے؟

(سید محبوب عالم، نارٹھ ناظم آباد، کراچی)

جواب: کسی یتیم یا نادار ماں باپ کی اولاد یا کسی قریبی عزیز کے بچے یا بچی کو حصول اجرو

ثواب کے لئے یا صلہ رحمی کے طور پر گود لینا، پالنا، پرورش، تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا ایک عمل خیر ہے اور ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر و ثواب کا حق دار ہوگا، اپنی کفالت میں پرورش پانے والے بچے یا بچی کو محض پیار اور شفقت و محبت کے اظہار کے لئے بیٹا یا بیٹی کہہ کر پکارنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن کسی لے پالک کے بچے، متبنی یا منہ بولے بیٹے یا بیٹی کو حقیقی بیٹا یا بیٹی سمجھنا اس کا درجہ دینا اس کی ولدیت کو تبدیل کرنا۔ اپنے آپ کو اس کا والد قرار دینا یہ سب امور شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔ سورۃ الاحزاب آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا۔ یہ سب تمہاری اپنی خود ساختہ باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ حق (بات) ارشاد فرماتا ہے اور وہ راہ راست کی جانب رہنمائی فرماتا ہے۔“

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ
ذَلِكَ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ
الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝

اسی سورہ مبارکہ کی آیت نمبر 5 میں ہے:

”انہیں (لے پالکوں کو) ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی بات مبنی بر انصاف ہے۔“

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ
اللَّهِ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیان کرتے ہیں۔ میرے دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے اس بات کو محفوظ کر لیا کہ حضرت محمد ﷺ ارشاد فرما رہے تھے ”جو اپنی نسبت ابوت اپنے (حقیقی) باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ شخص اس کا (حقیقی) باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔“ (صحیح

بخاری رقم الحدیث: 6766 صحیح مسلم رقم الحدیث: 63 سنن ابی داؤد: 53) حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ ”جس شخص نے جان بوجھ کر اپنا نسب اپنے (حقیقی) باپ کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف منسوب کیا تو اس نے کفر کیا“۔ (تفسیر قرطبی جلد 16 صفحہ 121) ان آیات و احادیث مبارکہ کی روشنی میں، کسی لے پاک بچے یا بچی کا نسب اپنی طرف منسوب کرنا، تعلیمی اسناد اور شناختی کارڈ کے فارم میں باپ کی حیثیت سے اپنا نام درج کرنا شرعاً ناجائز امر ہے۔ اور اس پر حدیث مبارکہ میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔ اگر کسی نے یہ کام نادانستہ اور شرعی مسئلے سے لاعلمی کی بناء پر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور اس کا ازالہ کریں تاکہ تمام متعلقہ لوگوں کو اس کا صحیح نسب معلوم ہو جائے جیسا کہ سطور بالا میں واضح ہو چکا ہے کہ منہ بولی اولاد حقیقی اولاد کے حکم میں نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے وارث بننے یا وراثت کا مطالبہ کرنے کا سوال شرعاً خارج از امکان ہے بلکہ ایسا مطالبہ ہی شرعاً گناہ ہے۔ شرعاً صرف حقیقی اولاد ہی وارث قرار پاتی ہے، اگر کوئی شخص کسی گنہگار بچے کو بھی گود لے جس کے والدین کا نہ کوئی اتا پتا ہے اور نہ کوئی کسی کے علم میں ہے۔ تب بھی اسے اپنی حقیقی اولاد قرار نہ دے بلکہ اسے اپنا دینی بھائی یا بہن قرار دے یا عبد اللہ (اللہ کا بندہ) کہہ دے۔

ترکے کی تقسیم

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوا ہے اس کے پسماندگان میں اس کی والدہ دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ (نسیم اختر، دستگیر کالونی، کراچی)

جواب: جو شخص فوت ہو جائے اس کے ترکے میں سب سے پہلے اس کے تجہیز و تکفین کے مصارف وضع کیے جائیں گے، اس کے بعد اگر اس کے ذمے کسی کا قرض ہے تو وہ ادا کیا جائے گا اس کے بعد اگر اس نے کسی کا خیر، صدقہ جاریہ یا کسی غیر وارث کے حق میں وصیت کی ہے تو بقیہ ترکے کی ایک تہائی مقدار تک وہ نافذ ہوگی۔ ان امور کے بعد بقیہ ترکہ، میت کی وفات کے وقت جو ورثاء موجود تھے ان میں تقسیم ہوگا، صورت مسئولہ میں تقسیم

حسب ذیل شرح سے ہوگی۔ ترکہ کے کل 48 حصے ہوں گے ان میں سے والدہ کو 8 حصے دو بیٹے 20 حصے (فی کس دس حصہ) چار بیٹیاں 20 حصے (فی کس پانچ حصے)۔

سوال: ایک خاتون کا انتقال ہوا ہے، اس کے ماں باپ پہلے ہی وفات پا چکے ہیں، شوہر بھی نہیں ہے، اولاد بھی کوئی نہیں ہے، کوئی بھابھی بھی نہیں ہے، صرف مندرجہ ذیل ورثاء ہیں (۱) ایک حقیقی بہن (۲) ایک صرف ماں شریک بہن (۳) تین بھتیجے ایک بھتیجی (۴) دو بھانجے ایک بھانجی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع ترکہ کس طرح سے تقسیم ہوگا اور یہ کہ آیا صرف باپ شریک بہن کا ترکہ میں حصہ ہوگا؟ (انیس بتول، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: کسی میت کے ترکے سے پہلے (۱) اس کی تجہیز و تکفین کے مصارف وضع کیے جائیں گے (۲) اس کے بعد اگر اس کے ذمے کسی کا قرض ہے تو ادا کیا جائے گا۔ (۳) اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہوگی تو بقیہ ترکے کی ایک تہائی حد تک وہ نافذ ہوگی، (۴) اس کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی۔ صورت مسئولہ میں ترکہ حسب ذیل شرح سے تقسیم ہوگا۔ ترکے کے کل اٹھارہ حصے کیے جائیں اور اس میں سے ورثاء کے حصے مندرجہ ذیل ہوں گے:

(۱) حقیقی بہن = 9 حصے، (۲) ماں شریک (اخانی) بہن = 3 حصے، (۳) تین بھتیجے، کل چھ حصے، ان میں سے ہر ایک کو دو دو حصے ملیں گے، بھتیجی اور بھانجے و بھانجی محروم رہیں گے اور انہیں کچھ نہیں ملے گا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ”میت کے ذوی الفروض (یعنی وہ وارث جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں) وارثوں کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد اگر ترکہ بچ جائے اور کوئی عصبہ وارث نہ ہو تو سارا ترکہ قریب ترین مرد وارث کو ملے گا“۔

عاق کی شرعی حیثیت

سوال: بعض اوقات اخبارات میں اشتہار شائع ہوتے ہیں کہ میں نے اپنے فلاں بیٹے کو عاق کر دیا ہے، میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، میں نے اسے وراثت سے محروم کر دیا ہے

وغیرہ، ایسے اعلانات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (عبدالمتین، گلبرگ، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب: ”عاق“ کے معنی نافرمان کے ہیں۔ ”عقوق“ کے معنی ہیں ”نافرمانی“۔ حدیث پاک میں ”عقوق الوالدین“ (یعنی والدین کی نافرمانی) کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے، لہذا والدین کی نافرمانی دنیا و آخرت میں رسوائی کا باعث ہے۔ کوئی بھی عاقل و بالغ شخص اپنے تصرفات اور افعال کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن کسی نافرمانی صلبی و نسبی اولاد کو وراثت سے محروم کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ وراثت، ورثہ اور ترکہ اس مال کو کہتے ہیں جو مرنے والا پیچھے چھوڑ جاتا ہے، اس کی وراثت میں تقسیم کے اصول، تناسب اور ترجیحات شریعت نے متعین کر دی ہیں۔ اس میں ترمیم و ترمیم کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مرنے والے اور ترکہ چھوڑنے والے کو بھی نہیں، لہذا نہ کوئی مورث و متوفی کسی وارث کو محروم کر سکتا ہے اور نہ غیر وارث کو وارث بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”وارث کے حق میں وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے“ جس کسی نے اپنی اولاد کو وراثت سے محروم قرار دیا ہو، شرعاً غیر موثر ہے۔

لا وارث بچی کی ولدیت کا مسئلہ

سوال: کم و بیش ایک سال پہلے ایک نوزائیدہ بچی ملی جس کے بارے میں جوہر آباد تھانے میں ایف آئی آر کٹوائی گئی اور ایڈھی سینٹر وغیرہ کو اطلاع دی گئی تھی، ہم خود بھی صاحب اولاد ہیں اس لئے انسانی ہمدردی کے تحت وہ بچی ہمارے یہاں پرورش پا رہی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ شناختی کارڈ کے ”ب“ فارم اور دیگر سرکاری کاغذات میں ولدیت کے خانے میں کس کا نام لکھا جائے۔ برائے مہربانی بچی کے بہتر مستقبل کو مد نظر رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں؟۔

(منظور احمد، دستگیر کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الجواب هو الموافق للصواب

شریعت کی رو سے کسی شخص کے نسب (یعنی نسبت ابنیت) کو اس کے حقیقی باپ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرنا منع ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی بچے کو (یا بچی کو) گود لیا ہو، لے پالک بنایا ہو یا متنبی بنایا ہو تو وہ اس کے سلسلہ نسب میں ولدیت کی جگہ اس کے حقیقی باپ کا نام لے اور لکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اور (اللہ نے) تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا نہیں بنایا، یہ تمہاری خود ساختہ باپ ہے، اور اللہ تعالیٰ حق بات فرماتا ہے اور وہی (سیدھی) راہ دکھاتا ہے، ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے (حقیقی) باپ کی طرف سے منسوب کر کے پکارا کرو، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت انصاف کی بات ہے، پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں (یا بشری رشتے کے لحاظ سے تمہارے چچا زاد ہیں)“ (الاحزاب: 4، 5)

ان آیات مبارکہ کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی مالکی نے اپنی تفسیر ”الجامع الاحکام القرآن“ میں حدیث صحیح نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے اپنا نسب دانستہ اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔“

قرآن نے بتایا کہ جس شخص کی حقیقی ولدیت معلوم نہ ہو، اسے اپنا دینی بھائی کہو، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ یعنی مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں یا اپنا ”مولیٰ“ کہو، مولیٰ عربی زبان میں آقا کو بھی کہتے ہیں، غلام کو بھی کہتے ہیں، آزاد کرنے والے اور آزاد کردہ غلام کو بھی کہتے ہیں، چچا زاد اور دوست کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، علامہ محمود آلوسی بغدادی نے تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متنبی سالم تھے، جب قرآن میں متنبی (لے پالک) کو بیٹا کہنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوا تو پھر لوگ انہیں سالم بن حذیفہ کہنے کی بجائے سالم مولیٰ

حذیفہ کہنے لگے۔ اب چونکہ ہمارے ہاں لوگ ”مولیٰ“ کی اصلاح، اس کے سیاق و سباق اور متعدد معانی پر اس کے اطلاق اور عام طور پر واقف نہیں ہیں، نہ ہی یہ اصطلاح بہ آسانی رواج پاسکتی ہے اور تعلیمی اداروں میں داخلے کے وقت، تعلیمی اسناد اور دیگر تمام دستاویزات میں ولدیت کا خانہ لازمی طور پر ہوتا ہے، اس لئے آپ اپنی لے پالک بچی کی ولدیت میں اپنا نام تو ہرگز نہ لکھیں، یا تو بنت عبد اللہ (کیونکہ جو بھی اس کا حقیقی باپ ہے، وہ اللہ کا بندہ ہی ہوگا) یا بنت آدم لکھ دیں، کیونکہ اصلاً تو سب اولاد آدم ہیں۔

﴿ كتاب البيوع ﴾

سونے کے کاروبار میں شراکت

سوال: الف، کا سرمایہ ہے، ب، اس کا کارندہ ہے، ج، سونے کے زیورات بناتا اور دکانداروں کو بیچتا ہے۔ الف، کا سرمایہ ہوگا، وہ براہ راست نہیں بلکہ اپنے کارندے، ب، کے ذریعے مشترکہ کاروبار میں عملاً شریک رہے گا۔ ج، کی محنت، تجربہ اور مہارت ہوگی۔ طے شدہ منافع پر نہیں بلکہ نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر، کیا یہ کاروباری شراکت جائز ہے؟۔

(محمد انیس، لیاقت آباد)

جواب: مذکورہ بالا صورت میں کاروباری شراکت جائز ہے۔ بشرطیکہ (۱) خدا نخواستہ نقصان کی صورت میں نقصان کا سارا بار سرمایہ لگانے والے فریق، الف، پر ہو۔ (۲) منافع کی صورت میں، الف، کے وکیل یا ایجنٹ کے طور پر شراکتی کاروبار، ج، کے درمیان مصروف عمل ہے۔ الف، اور، ب، کا باہمی معاملہ ہے کہ وہ مقرر تنخواہ پر کام کرے گا یا، الف، کے حصہ منافع میں سے ایک مقررہ حصہ لے گا۔

اسلام میں نیلام عام

سوال: بعض احادیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے ”بیع علی البیع“ یعنی ”دوسرے کے سودے پر سودا کرنے“ اور ”سوم علی السوم“ دوسرے کے نرخ پر نرخ بڑھانے سے منع فرمایا ہے اور ”نجش“ سے منع فرمایا ہے ”نجش“ سے کیا مراد ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں اسلام میں ”نیلام عام“ کی کہاں تک گنجائش ہے؟

(محبوب الہی، ناظم آباد، کراچی)

جواب: ”بیع علی البیع“ سے مراد یہ ہے کہ فریقین میں ایک چیز کا سودا طے پا گیا اور باہمی رضامندی سے قیمت بھی طے پاگئی اور انہوں نے مزید غور و فکر کے لئے تین دن یا اس سے کم کی مہلت مقرر کر دی، جس کی شریعت میں اجازت اور گنجائش ہے، اسے ”خیار بشرط“ کہتے ہیں۔ اب اس ”مدت خیار“ کے دوران کوئی شخص بائع (فروخت کنندہ) سے کہے کہ آپ یہ سودا منسوخ کر دیں، میں آپ کو اس سے زیادہ قیمت دلا دوں گا یا دے دوں گا

یا کوئی شخص خریدار سے کہے کہ آپ یہ سودا فسخ کر دیں، میں اس سے کم رقم میں یہ چیز آپ کو دلا دوں گا، یہ دونوں صورتیں شرعاً ناجائز اور حرام ہیں۔

”زخ پر زخ بڑھانے“ کی صورت یہ ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ ایک چیز کے لین دین پر باہم رضا مند اور آمادہ ہو چکے ہوں، لیکن ابھی ”عقد بیع“ یعنی سودا مکمل نہ ہوا ہو کہ ایک تیسرا شخص درمیان میں آ کر بائع کو لالچ دے کہ میں تمہیں اس سے زیادہ قیمت دے دوں گا، یہ صورت بھی شرعاً حرام ہے۔

”نجش“ کے لغوی معنی ہیں ”جوش دلانا“ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی چیز کو خریدنے کا ارادہ تو نہیں رکھتا، لیکن دوسرے خریدار کو جوش دلانے اور برا بیچنے کرنے کے لئے زیادہ قیمت لگائے، یہ دوسرے کو ارادتنا نقصان پہنچانا ہے اور شرعاً حرام ہے۔

نیلام کا جواز

بعض فقہاء کرام نے نجش کی ممانعت پر قیاس کرتے ہوئے نیلام کی بیع کو بھی مکروہ قرار دیا ہے، کیونکہ نیلام میں بڑھ چڑھ کر بولی لگائی جاتی ہے لیکن جمہور فقہاء کرام اور ائمہ نے نیلام کی بیع کو ”جامع ترمذی“ میں مروی حدیث کی رو سے جائز قرار دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچا اور فرمایا ”اس چادر اور پیالے کو کون خریدے گا؟“ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ان کو ایک درہم کے بدلے میں خرید لوں گا۔ آپ نے دوبارہ فرمایا ایک درہم سے زیادہ میں کون خریدے گا تو ایک شخص نے دو درہم دے دیئے، آپ نے وہ پیالہ اور چادر اس شخص کو دے دیئے“ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

البتہ جو لوگ نیلام کی بیع کی ممانعت پر نجش سے استدلال کرتے ہیں، ان کا جواب یہ ہے کہ زیادہ قیمت لگانا اس وقت منع ہے جب کسی شخص کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو بلکہ دھوکہ دے کر اور جوش دلا کر قیمت بڑھانا مقصود ہو، یہ امر بلاشبہ حرام ہے لیکن اگر بولی لگانے والے کا ارادہ فی الواقع خریدنے کا ہو تو یہ منع نہیں ہے۔ اسی لئے ائمہ اربعہ نے نیلام کی بیع کو

جائز قرار دیا ہے۔

ہنڈی کی بیع

(Bill of Exchange)

(شمشاد احمد خان، کراچی)

سوال: کیا "ہنڈی" کی بیع شرعاً جائز ہے؟

جواب: ہنڈی سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص "الف" نے "ب" کو کچھ مال فروخت کیا اور "ب" نے رقم بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کیا اور "الف" کو اس سلسلے میں ایک دستاویز لکھ کر دے دی کہ وہ اسے (مثلاً) چھ ماہ بعد ایک لاکھ روپے ادا کرے گا تو اس دستاویز کو "ہنڈی" کہتے ہیں۔ اب "الف" اس دستاویز کو لے کر ایک شخص یا بینک کے پاس جاتا ہے کہ آپ اس ہنڈی کو مجھ سے مثلاً دس فیصد کمیشن پر خریدیں اور اس طرح بینک اسے ایک لاکھ کی بجائے نوے ہزار روپے دے دے گا اور چھ ماہ بعد مقررہ تاریخ پر بینک "ب" سے ایک لاکھ روپے وصول کر لے گا۔ کمیشن کی مقدار کا انحصار اس مدت کی کمی بیشی پر ہوتا ہے جس کے بعد ہنڈی کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔ "ہنڈی کی بیع" دراصل قرض کی بیع ہے اور اس میں ایک شخص اپنا واجب الادا قرض اس شخص یا ارادے کو بیچ رہا ہے، جس پر اس کا قرض واجب نہیں ہے اور یہ ناجائز ہے۔

اس بیع کے عدم جواز کا سبب یہ ہے کہ اس میں "غرر" (دھوکا) ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مقروض دلوالیہ ہو جائے یا اس کی جملہ املاک کسی حادثے کے نتیجے میں تلف ہو جائیں تو وہ دستاویز جس کی بیع ہوئی ہے اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھے گی۔

بعض علماء نے ہنڈی کی بیع کو اس بناء پر ناجائز قرار دیا ہے کہ یہ زیادتی اور تاخیر کے ساتھ نقد و نقد سے تبادلہ ہے اور "ربو الفضل" کی حرمت کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔

گنے کا پیشگی سودا

سوال: میں گنے کا کاروبار کرتا ہوں۔ ہمارے ہاں اس وقت گنے کے کارخانے بند ہیں جب کھلیں گے تو تب ہمارا گنا 36 روپے من کے حساب سے مل جائے گا، جس میں چار

روپے فی من کرایہ نکال کر 32 روپے من کسان کو پڑے گا۔ اس وقت چونکہ مل بند ہے اس لئے کاشتکار اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے 20 سے 26 روپے کے حساب سے گنا بیوپاری کو بیچ دیتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، جب کہ وہ گنا اسی کاشتکار کی زمین پر اگا ہوتا ہے۔ چار پانچ ماہ بعد وہ بیوپاری گنا کاٹ کے مل میں لے جاتا ہے جہاں اسے 36 روپے مل جاتے ہیں۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ کیا یہ بیوپاری کا منافع ہے یا سود؟

جواب: بیع (فروخت کی جانے والی چیز) یا ثمن (فریقین کے درمیان کسی چیز کی طے شدہ قیمت) میں سے ایک چیز پیشگی دے دی جائے اور دوسری بعد میں تاخیر کے ساتھ، تو اسے فقہی اصطلاح میں ”بیع سلم“ کہتے ہیں، اس کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ تمام امور پہلے سے طے ہوں تا کہ بعد میں آپس میں جھگڑا نہ ہو، مثلاً فی من قیمت، گنے کی مقدار، مقام تفویض یعنی یہ کہ بائع خریدار کو وہ گنا کہاں سپرد کرے گا؟ وغیرہ۔ اب آگے خریدار کی قسمت کہ اسے کتنا نفع یا نقصان ہوتا ہے۔ یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ کاروبار نفع حاصل کرنے کے لئے ہی کیا جاتا ہے، نفع اور سود میں فرق ہے، نفع جائز اور حلال ہے اور سود حرام، گنے کے کاروبار کی جو صورت سوال میں درج ہے وہ سود نہیں ہے۔

ٹھیکے کے حصول اور بل کی وصولی کے لئے رشوت کا لین دین

سوال: میں گورنمنٹ کا ٹھیکہ دار ہوں، ہمیں ٹھیکہ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینی پڑتی ہے۔ پھر ورک آرڈر لینے سے کام کی تکمیل تک مختلف مراحل میں متعلقہ افسران اور سرکاری اہلکاروں کو رشوت دینی پڑتی ہے، بل کی وصولی بھی رشوت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ان حالات میں حکم شرعی کیا ہے، ہمارے لئے دوسرا کام بھی دشوار ہے؟۔ (ج، م، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ ہی (رشوت کے طور پر) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ، تا کہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو (کہ یہ فعل ناجائز ہے)“ (البقرہ: 188) جامع ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے

اور لینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔ اسلام میں فقہی اعتبار سے ایمان و عمل کے درجات ہیں۔ اعلیٰ درجے کو عزیمت کہتے ہیں، یعنی ایمان و عمل کا کامل ترین درجہ، جو اہل عزیمت اور اولو العزم اہل ایمان کا شعار ہے۔ یعنی خواہ حالات کتنے ناسازگار کیوں نہ ہوں، لیکن بندہ مومن ایمان و عمل کے جادہ مستقیم سے سرمو انحراف نہ کرے۔ اس مرتبہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی بھی صورت میں نہ رشوت لے اور نہ دے اور اس استقامت ایمانی کی راہ میں حائل ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے لیکن ظاہر ہے کہ بعض بندے ضعیف الایمان اور کم ہمت بھی ہوتے ہیں۔ اسے فقہی طور پر رخصت یا حالت اضطرار و اکراہ کا نام دیا گیا ہے لہذا ان تمام احوال کو پیش نظر رکھ کر فقہاء کرام نے رشوت کے جو تفصیلی احکام بیان فرمائے ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) منصب قضاء حاصل کرنے کے لئے رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں بلکہ ایسا شخص منصب قضاء کا اہل ہی نہیں ہے۔

(۲) کسی شخص کا حاکم سے اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دینا، ایسے امور میں رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، اگر وہ رشوت دے کر اپنے حق میں ناجائز فیصلہ کرانا چاہتا ہے تو اس کا باطل اور حرام ہونا بالکل واضح ہے، لیکن اگر وہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہو تب بھی اس کے لئے رشوت کا لین دین ناجائز ہے۔

(۳) کسی بھی صاحب اقتدار و اختیار کے لئے رشوت لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی تعذر، دشواری اور اضطرار نہیں ہے جو رشوت کے جواز کا سبب قرار پائے، البتہ کسی شخص پر ظلم ہو رہا ہے، ظلماً اس کی جان یا مال تلف کیا جا رہا ہے، رشوت دیئے بغیر اس کا حق روکا جا رہا ہے۔ جلد یا بدیر اس کے ملنے کی کوئی توقع نہیں ہے، تو ایسی ناگزیر صورتحال میں فقہاء کرام نے اس کے لئے اپنی جان و مال اور آبرو کو ظلم سے بچانے کے لئے یا اپنے غضب شدہ حق کو حاصل کرنے کے لئے، اضطراری صورتحال میں صرف رشوت دینا جائز قرار دیا ہے، لینا بہر حال حرام ہے۔ اس مخصوص صورت حال میں بھی رشوت دینے کی

اجازت رخصت شرعی کی بنا پر ہے، کم ہمت صاحبان ایمان کے لئے، ورنہ عزیمت یہی ہے کہ حرام سے ہر صورت حال میں بچا جائے۔ الا یہ کہ جان کو خطرہ درپیش ہو۔ رشوت کے بارے میں یہ مسائل ممتاز فقہاء اسلام علامہ قاضی خان، علامہ ابن ہمام، علامہ ابن نجیم، علامہ شامی رحمہم اللہ اجمعین کی کتب سے ماخوذ ہیں (بحوالہ شرح صحیح مسلم) اب جو صورت دریافت کی گئی ہے اس اصولی گفتگو کے بعد اس کا جواب یہ ہے:

(ا) ٹھیکہ لینے کے لئے رشوت دینا ناجائز اور حرام ہے کیونکہ ٹھیکہ لینا آپ کا حق نہیں ہے۔
 (ب) اگر کام ٹھیکے کے معاہدے میں طے شدہ شرائط کے مطابق انجام نہیں دیا، میٹرل ناقص ہے، کوالٹی مطلوبہ معیار کے مطابق نہیں ہے تو اسے رشوت دے کر پاس کرانا اور کلیرنس سرٹیفکیٹ یا کمپلیشن سرٹیفکیٹ لینا ناجائز اور حرام ہے۔

(ج) اگر کام طے شدہ شرائط اور مطلوبہ معیار کے مطابق انجام دے دیا ہے لیکن افسر مجاز مل کو روکے ہوئے ہے، ادائیگی سے انکار کر رہا ہے، مگر افسران بالا سے یا عدالت سے اپیل کرنے پر اس کا حق مل سکتا ہے تو رشوت نہ دے اور حق طلبی کے لئے یہ طریقہ کار اختیار کرے۔ لیکن اگر رشوت کا چینل اوپر تک ہے اور افسران بالا سے یا عدالت سے رجوع کرنے اور اپیل کرنے سے حق ملنے کے امکانات مزید معدوم ہو جاتے ہیں تو پھر بصورت مجبوری واضطرار رشوت دے کر اپنا حق وصول کر لے اور اپنے اس فعل پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور رزق حلال کے حصول کی جستجو کرتا رہے۔ بعض اوقات لوگ رشوت اس لئے دیتے ہیں کہ انہیں ان کے استحقاق سے زیادہ مل جائے، وقت مقررہ سے پہلے مل جائے، تو ان مقاصد کے لئے رشوت دینا ناجائز ہے۔

لائسنسوں کی فروخت

سوال: بعض لوگ اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی بناء پر حکومت سے اپورٹ لائسنس یا ٹرانسپورٹ کا ”روٹ پرٹ“ اپنے نام لے لیتے ہیں اور آج کل حکومتیں سیاسی رشوت کے طور پر ایسی نوازشات کرتی رہتی ہیں اور پھر یہ لوگ ان ”لائسنسوں“ یا ”پرٹوں“ کو

بالترتیب پیشہ ورتاجروں یا ٹرانسپورٹروں کو بیچ دیتے ہیں ایسی بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟
(جمیل احمد خان، کھارادر، کراچی)

جواب: اگر یہ لائسنس یا پرمٹ کسی خاص آدمی کے نام پر جاری کیے گئے ہیں اور قابل منتقلی نہیں ہیں، تو ان کا دوسرے شخص کو فروخت کرنا شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکا دہی پر مبنی ہے، لیکن اگر یہ لائسنس یا پرمٹ کسی خاص شخص کے نام پر نہیں ہے بلکہ ان کی حیثیت ایک ایسی دستاویز کی ہے کہ جو اس کا حامل ہو، اس کے ذریعے مال بیرون ملک سے درآمد کر سکتا ہے یا ٹرانسپورٹ متعلقہ روٹوں پر چلا سکتا ہے تو پھر ان کی حیثیت ڈاک کے ٹکٹوں کی سی ہوگی اور ان کی بیع جائز ہے۔

فلیٹ، دکان کی پگڑی

سوال: ہمارے ملک کے بڑے شہروں اور تجارتی مراکز میں یہ طریقہ کار عام ہے کہ فلیٹ اور دکانیں کرائے پر دی جاتی ہیں، کرایہ اگرچہ معمولی ہوتا ہے لیکن بھاری رقم بطور پگڑی وصول کی جاتی ہے اور ہر ایک کرایہ دار جب فلیٹ یا دکان دوسرے کرایہ دار کو منتقل کرتا ہے اور قبضہ دیتا ہے تو پگڑی وصول کرتا ہے۔ موقع محل کے اعتبار سے پگڑی کی شرح مقرر ہوتی ہے۔ کیا یہ پگڑی کا لین دین شرعاً جائز ہے؟
(سید آفاق علی، کراچی)

جواب: چونکہ قبضہ کوئی حسی یا عینی چیز نہیں ہے، اس لئے یہ بیع باطل ہے، بعض لوگوں نے اس کے جواز کا یہ حیلہ تجویز کیا ہے کہ دکان اور فلیٹ میں کچھ چیزیں از قسم فرنیچر و سامان وغیرہ رکھ دی جائیں اور پگڑی کی مالیت کے برابر ان کی قیمت مقرر کر کے لی جائے۔ گویا یہ ”اونٹ کے گلے میں بلی“ والی بات ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ فقہی یا قانونی حیلہ اور بات ہے اور خداوند علیم وخبیر کے سامنے سرخرو ہونا اور بات ہے، وہ ظاہر و باطن اور نیتوں کا حال جانتا ہے۔

منافع کی شرح

سوال: شرعاً منافع کی زیادہ سے زیادہ مقدار کیا ہے؟
جواب: (۱) بنیادی طور پر بیع و شراء اور کاروبار کا مقصد نفع کا حصول ہے۔ شرح منافع کی

کمی بیشی کا مدار محض کسی کی خواہش پر نہیں بلکہ حالات اور طلب و رسد (Demand & Supply) کے معاشی اصولوں پر ہے۔ شریعت نے کم از کم یا زیادہ سے زیادہ منافع کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی۔ بس اتنا ضرور ملحوظ رہے کہ زیادہ سے زیادہ حصول نفع اور کثرت مال کی خواہش انسان کو سنگدل اور شقی القلب نہ بنا دے، کسی کی مجبوری کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ اسی لئے بیع و شراء کی وہ صورتیں جو استحصال کا سبب بنتی ہیں، شرعاً ممنوع ہیں۔ مثلاً احتکار (Hoarding) یعنی مال کی طلب کے باوجود اسے جمع کیے رکھنا اور مارکیٹ میں سپلائی نہ کرنا، محض اسے لئے ذخیرہ اندوزی کرنا کہ مال کی طلب بڑھے اور لوگ با مجبوری تجارت فطری اصولوں کے برعکس زیادہ سے زیادہ نفع دینے پر مجبور ہو جائیں۔ اسی طرح حدیث پاک میں ”تلقى الجلب“ کو بھی منع فرمایا، یعنی یہ کہ کوئی شخص مارکیٹ تک پہنچنے سے پہلے کھیت، کھلیان، باغات میں یا گلے بانوں سے وہیں پر جا کر اس لئے مال خریدے کہ لاعلمی اور ناتجربہ کاری کے سبب ایک جانب انہیں نقصان پہنچائے اور دوسری جانب شہری آبادی پر نہایت مہنگے داموں بیچے، اور اگر کوئی نیک دل خدا ترس تاجر زیادہ منافع ملنے کے واضح امکان کے باوجود قناعت اور انسان دوستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رضا کارانہ طور پر اپنے لئے ایک کم سے کم مقدار نفع مقرر کر دیتا ہے، خواہ مارکیٹ کا رجحان زیادہ ہی کیوں نہ ہو تو ایسے تاجروں کے بارے میں ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے ”قیامت کے دن دیانت دار، صداقت شعار تاجر کا حشر انبیاء و صالحین کے ساتھ ہوگا“۔

انعامی بانڈز پر انعام

سوال: کیا انعامی بانڈز کا لین دین اور اس پر انعام کی رقم کا لینا جائز ہے؟۔

(ایم خان آفریدی، بلد یہ ناؤن، کراچی)

جواب: انعامی بانڈز حکومت پاکستان جاری کرتی ہے، شیڈولڈ کمرشل بینکوں یا قومی بچت کے مراکز کے ذریعے درج قیمت پر انہیں فروخت کرتی ہے اور اسی قیمت پر خریدتی ہے، اس آزادانہ خرید و فروخت میں کسی مدت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ خریدار کی نہ اس میں کوئی رقم

ڈوبتی ہے نہ ایسا کوئی خطرہ اس میں ہے اور نہ ہی اسے اس پر کوئی طے شدہ زائد رقم ملتی ہے۔ ان بانڈز کا اس طرح لین دین بغیر کسی شرعی قباحت کے جائز ہے اور اب سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنج بھی اسے جائز قرار دے چکی ہے۔ جن علماء نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اب بھی اپنے فتوے پر قائم ہیں یا رجوع کر چکے ہیں۔ تاہم انہوں نے جو عدم جواز کی بنیاد قائم کی، وہ ان مفروضوں پر تھی کہ یہ قرض ہے جو بینک عوام سے لیتے ہیں اور ان کا سود سب پر مساوی تقسیم کرنے کے بجائے چند افراد کو انعام کی شکل میں دے دیتے ہیں اور ان کے نزدیک چونکہ سود کی مجموعی رقم چند افراد کو مل جاتی ہے اور باقی محروم رہتے ہیں لہذا یہ قمار بھی ہے، لیکن یہ سب مفروضے غلط ہیں، کیونکہ یہ قرض نہیں ہے بلکہ خرید و فروخت ہے، قرض کی واپسی کے لئے مدت متعین ہوتی ہے، انعامی بانڈ میں کسی مدت کا تعین نہیں ہے بلکہ بانڈز کا حامل جب چاہے اسے حکومت کو فروخت کر کے اپنی پوری رقم لے سکتا ہے۔ ان بانڈز کا اجراء حکومت پاکستان کرتی ہے، بینک نہیں کرتے، وہ صرف ان کی خرید و فروخت کے لئے ایجنٹ کا کام کرتے ہیں۔ اس میں کوئی سودی معاہدہ بھی نہیں ہے۔

کروڑ پتی اسکیم، مالا مال اور پرائز بانڈ

سوال: بینکوں کی کروڑ پتی اسکیم، مالا مال اسکیم اور پرائز بانڈ پر انعام کا کیا حکم ہے؟

(محمد اشرف، منظور کالونی، کراچی)

جواب: بینکوں کا سارا کاروبار سود پر قائم ہے، کروڑ پتی اسکیم، مالا مال اسکیم یا اس طرح کی اور ترغیبی اسکیمیں اور ان سے ملنے والی رقوم ناجائز ہیں، کیونکہ یہ حرام میں معاونت کرتی ہیں البتہ ”پرائز بانڈ“ کی مساوی قیمت پر، یعنی بانڈ پر درج قیمت پر خرید و فروخت جائز ہے اور ان پر ملنے والا انعام بھی جائز ہے، علمائے اہلسنت اسے پہلے بھی جائز قرار دیتے تھے اب ”سپریم کورٹ شریعت اپیلٹ بنج“ نے بھی اس کے جواز کا فیصلہ صادر کر دیا ہے البتہ ”پرائز بانڈز“ کی پرچیوں کا، کاروبار ناجائز اور حرام ہے۔

انعامی بانڈز کی پرچیوں کا کاروبار

سوال: (۱) مجھے ایک آدمی نے کچھ رقم دی ہے اور کہا کہ میرے پاس خرچ ہو جائے گا تم اپنے پاس رکھو۔ میں نے رکھ لی میں نے وہ رقم اپنے کاروبار میں لگالی اور اس بندہ کو میں ماہانہ کچھ نہ کچھ خرچ اخراجات کے لئے دیتا ہوں، اس پر کچھ لوگ بولتے ہیں یہ سود ہے، آپ فرمائیں۔ یہ کیسا ہے؟۔

(۲) جناب عالی! میں پرائز بانڈ کی پرچیوں کا کام کرتا ہوں اس کاروبار میں نفع و نقصان دونوں ہوتے ہیں یہ کاروبار کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) پرائز بانڈ رکھنا اور اس پر جو انعام ملتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا کاروبار کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(صالح محمد داؤد، حسین آباد، کراچی)

جواب: (۱) (الف) کسی بھی رقم پر، جسے کاروبار میں لگایا گیا ہو یا بطور قرض دیا گیا ہو، طے شدہ شرح کے مطابق ماہانہ مقررہ رقم دینا اور لینا سودی لین دین ہے اور شرعاً حرام ہے، البتہ اگر رقم شرعی مضاربت کے اصول پر کاروبار کے لئے دی گئی ہے۔ نفع میں شرح تناسب طے کر لیا ہو اور خدا نخواستہ بصورت نقصان، اس کی ذمہ داری قبول کی جائے تو جائز ہے۔

(ب) اگر رقم بطور امانت و حفاظت رکھنے کے لئے دی ہے تو امین کا اس میں تصرف کرنا اور استعمال میں لانا جائز نہیں ہے ورنہ بصورت اتلاف اس پر ضمان ہوگا۔

(۲) انعامی بانڈ کی پرچیوں کا کاروبار کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ کیونکہ ایسے ”انعامی بانڈز“ کا حامل، بانڈز اپنی ملکیت اور قبضے میں رکھتا ہے اور ایک شخص ایک مخصوص رقم کے عوض ”انعامی بانڈز“ کے کچھ نمبرز یا سیریز لکھ دیتا ہے اور طے یہ ہوتا ہے کہ اگر اس پرچی پر درج سیریز میں سے کسی خاص نمبر پر انعام نکل آیا تو بانڈز کا حامل اس پرچی کے خریدار کو انعام کی پوری رقم دے گا، یہ اس لئے حرام ہے کہ اس میں پرچی کے عوض خریدار کو بانڈز نہیں ملتے اور ان نمبرات پر انعام نہ نکلنے کی صورت میں خریدار کی رقم ڈوب جاتی ہے، لہذا یہ قمار کی ایک شکل ہے۔

(۳) پرائز بانڈ رکھنا اور ان پر ملنے والا انعام جائز ہے۔

انعامی بانڈ پر انعام کے جواز کا مسئلہ

وضاحتی نوٹ: پرائز بانڈ کے انعام کے بارے میں آپ میرا موقف 18 اکتوبر کے تفہیم المسائل میں پڑھ چکے ہیں۔ عدم جواز کے بارے میں ایک صاحب نے ایک فتویٰ کی فوٹو اسٹیٹ ارسال کی ہے، یہ سب فتاویٰ ہمارے علم میں ہیں۔ اخبار میں مزید تفصیل کی گنجائش نہیں، جگہ محدود ہے۔ سپریم کورٹ شریعت اپلیٹ کا فیصلہ ”آل پاکستان لیگل ڈائجسٹ جلد نمبر XLIV مطبوعہ 1992ء میں مل جائے گا، اس میں (ر) جسٹس شفیع الرحمن اور (ر) جسٹس پیر کرم شاہ الازہری مرحوم کی آراء پر پرائز بانڈ پر ملنے والے انعام کے جواز کے بارے میں قمار اور لائری وغیرہ کی شرعی حیثیت پر فیصلے کے ضمن میں درج ہیں۔ جو حضرات علمی ذوق رکھتے ہیں، جنہیں مطالعے کا شغف ہے اور فقہی مسائل کی تحقیق میں دلچسپی ہے اور تفصیلی بحث اور دلائل جاننا چاہتے ہیں تو شرح صحیح مسلم جلد 4 صفحہ 111 تا 126 مصنف علامہ غلام رسول سعیدی کا مطالعہ فرمائیں اور اس کے بعد بھی تشنگی محسوس کریں تو ہم سے رجوع فرمائیں۔

کاروباری اداروں کی انعامی اسکیمیں

سوال: آج کل عموماً بہت سے صنعتی اور کاروباری ادارے اپنی مصنوعات کی فروخت میں اضافے کے لئے انعامی اسکیموں کا اعلان کرتے ہیں۔ کیا شرعاً جائز ہیں؟

(کامران قریشی، خداداد کالونی، کراچی)

جواب: مصنوعات کی فروخت میں ترغیب اور اضافے کے لئے انعامی اسکیمیں جائز ہیں، بشرطیکہ متعلقہ کمپنی دیانت داری سے انعام کی رقم ادا کرے، ورنہ اس کے مالکان جھوٹ اور دھوکہ دہی کے مرتکب اور گناہ گار ہوں گے اور اس حیلے سے حاصل کردہ مال میں ان کے لئے خیر اور برکت نہیں ہوگی۔

وہ انعام اپنی جانب سے یا اپنے منافع میں سے ادا کریں، انعامی رقم کی کمی پورا کرنے

کے لئے مال کی کوالٹی یا مقررہ مقدار میں کمی نہ کریں، ورنہ وہ خیانت کے مرتکب ہوں گے۔
ایسا بھی نہ ہو کہ جس نمبر پر انعام نکالنا مقصود ہو، اسے کمپیوٹر میں پہلے سے فیڈ کر دیا جائے اور اسے مارکیٹ میں سپلائی کرنے کے بجائے اپنے پاس رکھ لیا جائے یا اپنے کسی من پسند آدمی کو دے دیا جائے، یہ بھی خیانت اور فراڈ ہے۔ یا یہ کہ انعام کے لئے کسی مخصوص نمبر کو کمپیوٹر میں فیڈ کرنے کے بعد اسے تلف کر دیا جائے تاکہ اس کا کوئی دعویدار ہی سامنے نہ آئے۔ یہ بھی جھوٹ، فریب اور خیانت کے زمرے میں آئے گا اور ایسے لوگ دنیا میں روحانی خیر و برکت سے محروم رہیں گے اور اخروی عذاب کے مستحق ہوں گے۔

ہاں، اگر کوئی ترغیبی انعامی اسکم ان معائب یا ان جیسے دیگر مفاسد سے پاک ہے، اس میں ملاوٹ، مقدار میں کمی، جھوٹ، خیانت اور فریب کا شائبہ نہیں ہے تو شرعاً جائز ہے۔

قومی بچت اسکیمیں سود یا منافع

سوال: قومی بچت اسکیموں کے ذریعے ملنے والی رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سود کا خاتمہ کر دیں گے (ڈینیل، سردار بھٹی، منظور کالونی، کراچی)

جواب: قومی بچت اسکیموں پر منافع کے نام سے ملنے والی رقم سود ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ چیف ایگزیکٹو سود کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں یا اس میں کامیاب ہو سکیں گے یا نہیں، تو ان کے عزائم اور پروگرام کا مجھے علم نہیں ہے، نہ میں اس پوزیشن میں ہوں کہ ان سے رابطہ کر کے آپ کو آگاہ کر سکوں۔ ہو سکے تو آپ اس موضوع پر ان سے براہ راست خط و کتابت کریں یا کسی ذمے دار سرکاری شخصیت سے رابطہ کریں۔ سود کے مفاسد پر تفصیلی گفتگو اس کالم میں نہیں ہو سکتی، گنجائش نہیں ہے۔

بینک کی ملازمت

سوال: (۱) کیا از روئے شریعت بینک کی ملازمت حرام ہے؟ (ب) کیا بیوٹی پارلر کا کاروبار اور اس کی آمدنی شرعاً جائز ہے؟ (سید محمد یامن، نارتھ کراچی)

جواب: (۱) ہمارے ہاں بینکوں میں چونکہ سارا کاروبار سودی ہے، اس لئے اس کی

ملازمت شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ یہ حرام میں معاونت ہے۔ البتہ جس شخص کے پاس گزر بسر اور اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کی بنیادی ضروریات کے لئے کوئی حلال ذریعہ روزی نہ ہو تو دلی کراہت اور ناگواری کے ساتھ ملازمت کرے اور رزق حلال کے لئے جدوجہد کرتا رہے، جب روزی کا حلال ذریعہ مل جائے تو اسے فوراً چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔

(ب) ”بیوٹی پارلر“ میں اگر عورتیں ہی عورتوں کی تزئین اور سنگھار کا کام کرتی ہیں اور غیر مردوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ عورتوں سے عورتوں کے ستر کے معاملے میں حدود شرع کی پاس داری ہو، البتہ عورتوں کا بالوں کی تراش اس طرح کرنا کہ مردوں سے مشابہت ہو تو یہ ناجائز ہے اور ایسی عورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

﴿ كتاب اليمين ﴾

قسم کی قسمیں

سوال: بعض لوگ قسم کھاتے وقت اس طرح کے کلمات استعمال کرتے ہیں، مثلاً تیرے سر کی قسم، میری جان کی قسم، ماں باپ کی قسم، اولاد کی قسم، عرش الہی کی قسم، رسول اللہ ﷺ کی قسم وغیرہ، کیا ان کلمات سے قسم ہو جاتی ہے؟ (محمد احتشام خاں، الفلاح سوسائٹی، کراچی)

جواب: شریعت میں قسم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی ہوتی ہے یا کلام اللہ کی قسم ہوتی ہے۔ غیر اللہ کی قسم کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، نہ ایسی قسم منعقد ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی کفارہ ہے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء و اجداد (یعنی غیر اللہ) کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، سو جو قسم کھانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“

کافر ملت پر معلق کر کے قسم کھانا

سوال: بعض لوگ قسم کھاتے وقت جوش میں آ کر اس طرح کے کلمات استعمال کرتے ہیں کہ: اگر میں نے یہ کام کیا ہو یا ایسا کام کروں تو یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا کافر ہو کر مروں یا ایمان سے محروم ہو جاؤں اور وہ قسم میں جھوٹا ہے یا قسم توڑ دی، تو کیا حکم ہے؟ (کھتری عصمت علی پٹیل، کراچی)

جواب: (نوٹ): اس سوال کا جواب میں نے طبع اول میں مختصر طور پر لکھا تھا، جس میں صرف ایک شق کا ذکر تھا اور حدیث بھی درج کی تھی، مقصود یہ تھا کہ لوگ اس کی سنگینی اور حدیث میں بیان کی گئی وعید کو پڑھ کر اس طرح کے کلمات استعمال کرنے سے اجتناب کریں، کیونکہ جو ”مبتلیٰ بہ“ (یعنی جس نے ایسی قسم کھالی) ہے، اس کے لئے تو رخصت و رعایت شرعی کا پہلو مفید ہوتا ہے، لیکن جواب تک ایسے فعل سے بچے ہوئے ہیں، ان کے لئے وعید کا پہلو مفید ہوتا ہے تاکہ آئندہ بھی احتیاط پر عمل کریں۔ لیکن ہمارے محترم دوست علامہ مفتی محمد رفیق حسنی صاحب مہتمم جامعہ مدینۃ العلوم و نائب رئیس مجلس الفقہ الاسلامی پاکستان نے فقہی باریک بینی اور احتیاط کی جانب متوجہ کیا تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس کا

تفصیلی جواب تحریر کر دیا جائے تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔ میں محترم مفتی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مسئلے کو فقہی اعتبار سے جامع بنانے کی طرف متوجہ فرمایا۔ تفصیلی جواب درج ذیل ہے:

جس شخص نے کسی کام کے کرنے کو ”ملت غیر اسلام“ پر معلق کیا، مثلاً کہا اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں، تو اس کے تین محامل ہیں:

(۱) اگر اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ کام اسی طرح ”واجب الامتناع“ ہے (یعنی اس کا نہ کرنا ضروری ہے) جیسے یہودی نہ ہونا ضروری ہے، اس صورت میں وہ کافر نہیں ہوگا، لیکن چونکہ حدیث میں ایسی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے، اس لئے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا، اور حدیث میں جو اس کو کافر فرمایا گیا ہے، وہ زجر و توبیح پر مشتمل ہے۔

(البحر الرائق جلد 4 صفحہ 284 مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ)

(۲) اور اگر اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہ کام بالکل نہیں کرے گا، اور اس نے یہ کام کیا تو اس کا یہودی ہونا صحیح، برحق اور حلال ہے، اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے ماضی کے حوالے سے کسی کام کے نہ کرنے کی جھوٹی قسم کھائی اور کہا کہ اگر اس نے یہ کام کیا ہو تو وہ یہودی ہے، اور اس کا یہودی ہونا صحیح اور برحق ہے، تو اس صورت میں وہ فی الفور کافر ہو جائے گا، کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے (البحر الرائق جلد 4 صفحہ 285-286 مطبوعہ کوئٹہ اور الدر المختار و رد المحتار جلد 5

صفحہ 392 تا 394 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت 1419ھ)

(۳) اور اگر اس نے یہودیت کی تعظیم کی نیت سے قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی ہوں، اس صورت میں بھی وہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی تعظیم کرنا کفر ہے، اور اگر اس نے یہودیت کی تعظیم کی نیت نہیں کی تھی، تو وہ کافر نہیں ہوگا، اور حدیث پاک میں جو ارشاد ہے، ”وہ کافر ہو جائے گا“ وہ کفران نعمت پر محمول ہے (صحیح مسلم مع شرح النووی، رقم الحدیث: 110، مطبوعہ مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ)

حدیث مبارک، جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، یہ ہے:

”ثابت بن قیس ضحاک بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے درخت کے نیچے (یعنی بیعت رضوان، جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی) رسول اللہ ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کی، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص نے ”ملت غیر اسلام“ پر قسم جھوٹی کھائی (یعنی یمین غموس) تو وہ ایسا ہی ہے، جیسا اس نے کہا“۔

قسم کی شدت

سوال: بعض لوگ طیش میں آ کر اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ اگر میں یہ کام کروں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو، اس کی لعنت ہو، مجھ پر آسمان پھٹ پڑے، مجھ پر خدا کی مار ہو، مجھ پر خدا کی پھٹکار ہو، رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں، مرتے وقت کلمہ نصیب نہ ہو وغیرہ، آیا ان کلمات سے قسم ہوتی ہے یا نہیں؟ (محمد عرفان احمد، بفرزون، کراچی)

جواب: ان کلمات سے قسم تو نہیں ہوتی، لیکن ایسے کلمات استعمال کرنے یا اپنے خلاف بددعا سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر ایسے الفاظ استعمال کیے، پھر جھوٹا ثابت ہو تو گناہگار ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا چاہیے۔

مشروط قسم

سوال: بعض لوگ قسم کھانے کے ارادہ سے یوں کہہ دیتے ہیں کہ اگر میں یہ کام کروں تو فلاں چیز مجھ پر حرام ہے، یعنی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دے دیا، یا یہ کہ تجھ سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے؟۔ (شمیم وحید، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: کسی کے کہنے سے حلال چیز حرام تو نہیں ہوتی کہ اشیاء کو حلال و حرام قرار دینے کا حق و اختیار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاس ہے، بندے کے اختیار میں نہیں ہے تاہم اس سے قسم منعقد ہو جائے گی اور اگر وہ اسے توڑے گا تو کفارہ لازم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے وعدہ

سوال: میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ ”اے اللہ! اگر میرا فلاں کام ہو گیا، تو میں یہ

کام کروں گا۔“ جب میرا وہ کام ہو گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے کچھ وعدے پورے کیے اور کچھ نہ کر سکا۔ کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟ (کامران سعید احمد خاں، بفرزون، کراچی)

جواب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ (بنی اسرائیل)

”اور عہد کو پورا کرو بے شک (قیامت کے دن) عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

اور سورۃ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات میں اہل ایمان کی صفات عالیہ کو بیان کرتے ہوئے آیت نمبر 8 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ (المومنون)

”اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاس داری کرتے ہیں۔“

حدیث پاک میں وعدہ شکنی کو منافق کی نشانی بتایا گیا ہے لہذا وعدہ بندوں سے کیا گیا ہے یارب ذوالجلال سے، دونوں صورتوں میں اسے وفا کرنا چاہیے اور جن معاملات میں عہد شکنی ہوئی ہے ان پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خلوص دل سے استغفار کریں، اس کا کفارہ کوئی نہیں تاہم کسی وعدے کا ایفاء بھی ممکن ہو، تو اسے ضرور پورا کریں یہی اس کی تلافی کی صحیح صورت ہے۔

قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے

سوال: بعض اوقات انسان غصے کے عالم میں اس طرح کی قسم کھا لیتا ہے کہ:

(ا) قسم کھا کر اپنے والدین سے کہتا ہے کہ میں آئندہ آپ کی بات نہیں مانوں گا۔

(ب) اپنے کسی بھائی، عزیز یا دوست سے قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں آئندہ تم سے ہرگز کلام نہیں کروں گا۔

(ج) قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں حج نہیں کروں گا یا رمضان کا روزہ نہیں رکھوں گا، وغیرہ تو ان تمام

صورتوں میں اسے کیا کرنا چاہیے، قسم کو پورا کرے یا توڑ دے؟۔ (جلیل صدیقی، ناظم آباد)

جواب: اگر کسی شخص نے کسی ایسے کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائی کہ قسم پر قائم رہنے میں شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، تو اس پر لازم ہے کہ قسم کو فی الفور توڑ دے، شریعت کے مطابق کام کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے، حدیث مبارک میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”ایک شخص کسی بات کی قسم کھا لیتا ہے، پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ دینی خیر اور بھلائی اس قسم کے پورا کرنے میں نہیں بلکہ اس کے برعکس کام کرنے میں ہے، تو اسے چاہیے کہ ایسی قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کرے اور وہ کام کرے جس میں دینی اور اخروی خیر اور فلاح ہے۔“

سوال میں مذکور قسم کی تمام صورتیں ایسی ہیں، جن پر قائم رہنا شرعاً ممنوع ہے۔ مثلاً:

(۱) والدین کی اطاعت سے انکار حرام ہے قطع رحمی ہے۔

(۲) تین دن سے زیادہ کسی دینی بھائی سے ترک تکلم اور ترک تعلق ناجائز ہے اور کسی قرابت دار سے ترک تعلق قطع رحمی کا بھی سبب ہے۔

(۳) بلا عذر شرعی ان امور کا تارک فاسق اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

لہذا ان تمام صورتوں میں شرعاً ضروری ہے کہ قسم فوراً توڑ دے اور والدین کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جائے۔

اپنے بھائی، عزیز یا دوست سے تجدید تعلق کرے، حج اور روزے کی ادائیگی کا التزام کرے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔

قسم توڑنا

سوال: ایک شخص نے آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائی اور پھر اس کے خلاف کیا، یعنی قسم کو توڑ دیا، ایسی قسم کا کیا کفارہ ہے؟ (خلیل احمد عباسی، لائڈھی)

جواب: ایسی قسم کو اصطلاح شریعت میں ”یمین منعقدہ“ کہتے ہیں۔ اگر اس قسم کے پورا کرنے اور اس پر قائم رہنے میں کوئی شرعی قباحت لازم نہ آتی ہو، تو حتی الامکان اسے پورا کرنا چاہیے، تاہم اگر کسی کمزوری یا مجبوری کے تحت اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکے اور اسے توڑ

دے تو فقہی اصطلاح میں اسے ”حانث“ ہونا کہتے ہیں۔ اس کی تلافی کے لئے کفارہ ادا کرنا چاہیے اور ایسی قسم کا کفارہ قرآن مجید میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے:

دس مسکینوں کو اپنے اوسط معیار کے مطابق دو وقت کا کھانا کھلانا یا دس مسکینوں کو لباس فراہم کرنا اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو تین دن کے روزے رکھنا۔

جھوٹی قسم

سوال: ایک شخص کسی گزشتہ واقعہ کے بارے میں جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھاتا ہے۔ اس قسم کا کفارہ کیا ہے؟ (شاہد خاں، کراچی)

جواب: قصداً جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایسی قسم کو ”میمین غموس“ کہتے ہیں۔ اس جھوٹی قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اس گناہ کی تلافی اور اس کے اخروی عذاب سے بچنے کی ایک ہی امکانی صورت ہے کہ انسان صدق دل سے اپنے گناہ پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا رہے۔

وعدہ کے وقت ان شاء اللہ کہنا

سوال: جب وعدہ کے وقت ان شاء اللہ کہا جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوگا کیا ایسا کہنا درست ہے؟ (گوہر رحمان، بفرزون، کراچی)

جواب: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّي فَاعِلٌ ذٰلِكَ
عَدَاۗلٰتٍۭۙ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ (الکہف)

”اور کسی کام کی بابت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیے۔“

اس ارشاد ربانی کا مقصد یہ ہے کہ انسان آئندہ کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کرے یا عزم کرے تو ساتھ ان شاء اللہ بھی کہہ دیا کرے، یعنی اپنے ارادے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے وابستہ کرے کیونکہ ہر بات اور ہر کام مشیت الہی کے تابع ہے۔ الغرض ان شاء اللہ کہنا اپنے ارادے کو رو بہ عمل لانے کے لئے اخلاص نیت کا اظہار ہے اور اس بات پر

ایمان و ایقان کا ثبوت ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کے تابع ہے۔ گویا ان شاء اللہ کہنے والا یہ بتانا چاہتا ہے کہ میرا یہ کام کرنے کا پختہ ارادہ ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے برعکس ہوئی تو پھر میں بے بس ہوں۔ انشاء اللہ کہنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق بھی شامل حال ہو جاتی ہے۔ جو لوگ کسی بات کا وعدہ بھی کریں ساتھ ہی ان شاء اللہ بھی کہیں لیکن کہنے والے یا سننے والے کی نیت یہ ہو کہ چونکہ ان شاء اللہ کہہ دیا ہے اس لئے یہ کام نہیں ہو گا یا کہنے والا اس وعدے کو پورا نہیں کرے گا تو یہ ان شاء اللہ کی غلط تعبیر ہے۔ یہ سوچ گمراہانہ ہے ایسی سوچ سے توبہ کرنی چاہیے البتہ اگر کوئی شخص کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے لیکن متصلاً ان شاء اللہ بھی کہہ دے (مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قسم میں کل ان شاء اللہ آؤں گا) تو یہ قسم شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے ٹوٹنے سے کفارہ لازم نہیں آئے گا۔

وعدہ معاف گواہ کا حکم

سوال: کسی جرم میں شریک ہو کر بعد میں وعدہ معاف گواہ بن جانا، اسلام کی رو سے اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: جرم کا ارتکاب، جرم کی نوعیت کے اعتبار سے معیوب اور مذموم فعل ہے البتہ اعتراف جرم کرنا اور اپنے آپ کو شرعی سزا اور اپنے کیے ہوئے فعل کی تلافی کے لئے پیش کرنا اچھی بات ہے اس کو حقیقی معنی میں ”توبہ“ کہتے ہیں۔ آج کل ایک اصطلاح ”وعدہ معاف گواہ“ یا ”سلطانی گواہ“ کی ہمارے ہاں رائج ہے، ہمارے ملک میں مروجہ ضابطہ قانون اس کی اجازت بھی دیتا ہے اور اسے تسلیم بھی کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی جرم میں شریک ہے اس شرط کے ساتھ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے سامنے بطور گواہ پیش ہو کر جرم کے ثبوت پیش کرتا ہے اور خود بھی اعتراف جرم کرتا ہے کہ اسے سزا سے بری کر دیا جائے گا، چونکہ مروجہ قانون حاکم مجاز کو اس گواہی کے قبول کرنے اور شریک جرم گواہ کو معاف کرنے کی اجازت دیتا ہے، لہذا جرم کے ثبوت کے لئے اس کی گواہی قبول کر لی جاتی ہے اسے سزا سے بری کر دیا جاتا ہے، اس کو ”وعدہ معاف گواہ“ یا

”سلطانی گواہ“ کہتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ اسلام میں اس گواہی کی حیثیت کیا ہے؟ اور آیا حاکم مجاز کو اس کا شرعاً اختیار حاصل ہے؟۔ اگر ایسا شخص کسی کے قتل کے جرم میں شریک ہے یا ایسے جرم کے ارتکاب میں شریک ہے، جس کے نتیجے میں اس پر اسلامی قانون قصاص یا اسلامی حدود کا اطلاق ہوتا ہے اور جرم شرعاً ثابت ہو جاتا ہے، تو حاکم و قاضی کو ثبوت جرم کے بعد حدود الہیہ میں معافی کا اختیار نہیں ہے اور قصاص میں مطلقاً معافی یا دیت لے کر مصالحت کا اختیار مقتول کے ورثاء کو ہے یا خود مجروح کو، حاکم و قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ ایسے جرائم جن کی سزا شریعت نے مقرر نہیں کی اور اسے حاکم وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، تعزیری جرائم کہلاتے ہیں۔ ان میں عام حالات میں بھی حاکم و قاضی کو سزا میں کمی بیشی کا اختیار ہوتا ہے، لہذا اگر حاکم یا قاضی ایسے امور، جن میں ثبوت جرم کے بعد حاکم کسی شریک جرم شخص کو ”بصورت اعتراف جرم“ سزا میں تخفیف اور رعایت دے دے تو وہ اس کا مجاز ہے۔ اس میں کم از کم ہر دور کے اہل اقتدار کے لئے عبرت کا ایک سامان تو ہے کہ وہ اپنے جن ماتحتوں پر اعتماد کر کے انہیں جرم کے ارتکاب پر آمادہ کرتے ہیں اور خلاف قانون احکام کی بجا آوری کا انہیں حکم دیتے ہیں، تو کل ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ یہ لوگ اس کے خلاف گواہ بن کر آجائیں اور اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے۔ لیکن ایسے شریک جرم وعدہ معاف گواہوں کی سزا میں تخفیف تو حکمت کی بناء پر کر لینا برسبیل تنزیلی قابل قبول ہو سکتا ہے لیکن بالکل سزا سے بری کر دینا حکمت کے منافی ہے، کیونکہ اس طرح تحفظ کا یقین انہیں باسانی قانون شکنی اور ارتکاب جرم پر آمادہ کر سکتا ہے۔ اس کی ضرورت بعض فنی نوعیت کے محکمانہ کاموں یا اہل اقتدار کے پراسرار نوعیت کے ظالمانہ جرم کی تحقیق کے لئے پیش آسکتی ہے، کیونکہ ان معاملات تک سرکاری عمال حکومت کے علاوہ عام لوگوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

اسماء

نام رکھنے کا طریقہ

سوال: قرآن مجید سے نام رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے؟
(عبداللطیف قادری، مظفر آباد، آزاد کشمیر)

جواب: قرآن مجید سے نام رکھنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، یہ ایک جاہلانہ تصور ہے۔ احادیث مبارکہ میں بچوں کے نام رکھنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات منقول ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) تم قیامت کے روز اپنے اور اپنے باپ کے نام سے پکارے جاؤ گے، تو (تمہیں چاہیے کہ) اچھے نام رکھو۔

(۲) انبیائے کرام کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب نام ”عبداللہ“ اور ”عبدالرحمن“ ہیں اور سب سے سچے نام ”حارث“ اور ”ہمام“ ہیں اور برے ”حرب“ اور ”مرہ“ ہیں۔

(۳) میرے نام (یعنی محمد اور احمد) پر اپنے نام رکھو اور میری کنیت (یعنی ابوالقاسم) پر اپنی کنیت نہ رکھو۔ اس حدیث کی تشریح میں علماء کے دو اقوال ہیں، ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے نام اور کنیت کو یکجا کر کے کسی کا نام نہ رکھو۔ جیسے ”ابوالقاسم محمد“ یا یہ کہ حضور ﷺ کا نام رکھنا، آپ کی ”حیات ظاہری“ میں منع تھا تا کہ بلانے میں اشتباہ نہ ہو، آپ کے وصال کے بعد منع نہیں ہے۔

(۴) حضرت عمر کی ایک بیٹی کا نام ”عاصیہ“ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بدل کر ”جمیلہ“ رکھ دیا۔

مطلب یہ کہ نام بامعنی ہونے چاہئیں اور ان سے اچھے معانی نکلتے ہوں۔

”عبداللہ“، ”عبدالرحمن“ اور اس طرح کے نام، جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات سے ”بندگی“ کی نسبت ظاہر ہوتی ہو، اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ لیکن ایسے شخص کو پھر نام توڑ کر نہیں پکارنا چاہیے۔ مثلاً کسی کا نام عبدالرحمن، عبدالغفار، عبدالستار، عبدالجبار وغیرہ ہے تو

لوگ بعض اوقات انہیں ”رحمن صاحب“، ”غفار صاحب“، ”ستار صاحب“ اور جبار صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ رحمن، غفار، ستار اور جبار تو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں اور ہر وہ نام جس میں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات یا اسماء صفات کے ساتھ عبد کی اضافت لگائی گئی ہو، ہمیشہ پورا لینا چاہیے۔ حضور ﷺ کے اسم مبارک پر نام رکھنا مستحسن ہے۔

نام تبدیل کرنا

سوال: بعض اوقات بچہ بڑا ہو جاتا ہے، اکثر بیمار رہتا ہے یا لڑکی کے رشتے نہیں آتے یا رشتے کی بات بنتے بنتے بگڑ جاتی ہے تو بعض عامل قسم کے لوگ مشورہ دیتے ہیں کہ نام کا اثر ہے، نام تبدیل کر دو، تو سوال یہ ہے کہ کیا شخصیت پر نام کا اثر ہوتا ہے، اس کے نیک یا بد اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اگر بڑی عمر میں نام تبدیل کیا جائے تو شریعت میں اس کی گنجائش ہے؟

جواب: نام کے شخصیت پر اثر انداز ہونے یا نیک و بد اثرات مرتب ہونے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ تاہم احادیث میں نبی کریم ﷺ سے بچوں کے نام رکھنے کے بارے میں چند اصول ثابت ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اچھا نام رکھنا نیک فال ہے اور اس کا حضور ﷺ نے استحباباً حکم بھی فرمایا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہیں قیامت کے دن تمہارے اپنے اور تمہارے باپوں کے ناموں سے (یعنی ابن فلاں کہہ کر) پکارا جائے گا لہذا (اپنے بچوں کے) اچھے پیارے نام رکھو“ (مسند احمد و سنن ابی داؤد بحوالہ مشکوٰۃ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارے ناموں میں سے جو نام اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، وہ عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں۔“ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم) سنن ابی داؤد کی ایک روایت ہے کہ ”سب سے سچے نام حارث اور ہمام ہیں۔“

(۲) جس نام کے معنی برے ہوں، اس پر مطلع ہونے پر اسے بدل دینا چاہیے۔ حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر کی ایک بیٹی کا نام ”عاصیہ“ (نافرمان) تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بدل کر ”جمیلہ“ رکھ دیا (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم) لہذا معنی کے اعتبار سے برے نام کو تبدیل کرنا مستحب ہے۔

(۳) جن ناموں سے تکبر، تعالیٰ یا پارسائی اور پندار نفس کا تاثر ابھرتا ہو یا جو الوہی صفات پر مشتمل ہوں، ان کو رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا چنانچہ آپ نے ”ملک الاملاک“، ”شہنشاہ“، ”ابو الحکم“ ایسے ناموں کو ناپسند فرمایا۔ ایک شخص اپنے قبیلے کے لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کیا کرتا تھا اور قبیلے کے لوگ اس کے فیصلوں کو برضا و رغبت تسلیم کر لیا کرتے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ان کے اس عمل کی تحسین فرمائی لیکن اس بناء پر جو ان کا نام ”ابو الحکم“ پڑ گیا تھا، اسے آپ ﷺ نے ناپسند کرتے ہوئے فرمایا: (حقیقی) حکم اور حاکم اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور ان کے بڑے بیٹے کی نسبت سے ان کا نام ”ابو شریح“ رکھ دیا۔

(۴) بعض ناموں میں اپنے معنی کے اعتبار سے نیک شگون ہوتا ہے۔ جیسے ارح (بہت زیادہ کامیاب) یعلیٰ (بلند)، نافع کحج (کامیاب) برکت، اسلام وغیرہ۔ ان ناموں کو رسول اللہ ﷺ نے اس لئے ناپسند فرمایا کہ کوئی شخص آ کر پوچھے گا۔ برکت ہے؟ یا اسلام ہے؟ یا ارح، نافع، کحج، نافع ہے تو آگے سے جواب ملے گا: برکت چلا گیا، اسلام چلا گیا، نافع نہیں ہے وغیرہ۔ اور اس سے ذہن پر اچھا اثر مرتب نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجے میں ہے۔

(۵) اسلام میں بد شگونی، بد فالی وغیرہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بیماری، پریشانی اور مشکل میں بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

عبدالنبی نام

سوال: میرا نام عبدالنبی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اپنا نام بدلو، کیا یہ نام ناجائز ہے؟
(عبدالنبی، کورنگی، کراچی)

جواب: قرآن مجید میں لفظ ”عبد“ کا اطلاق پانچ قسم کے لوگوں پر کیا گیا ہے۔ ان میں

سے ایک غلام اور مملوک پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔ جیسے سورۃ البقرہ آیت 178 میں فرمایا:

”عبد (غلام) کے بدلے میں (بطور

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

قصاص) عبد (غلام کو قتل کیا جائے)“

سورۃ النحل آیت نمبر 75 میں فرمایا:

”اللہ تعالیٰ عبد مملوک (غلام) کی مثال

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا

بیان فرماتا ہے، جس کو کسی چیز پر قدرت و

يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ

اختیار نہیں ہے۔“

اسی طرح سورۃ النور آیت نمبر 32 میں عبد کی نسبت اس کے مالک کی طرف کرتے

ہوئے فرمایا:

”تم اپنے (بے نکاح) آزاد مردوں اور

وَ أَنْكِحُوا الْأَيَّامِيَّ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ

عورتوں کا نکاح اپنے نیک عباد

مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ۔

(غلاموں) اور باندیوں کے ساتھ کرو۔“

ان آیات مبارکہ میں عبد کی نسبت مخلوق (یعنی اس کے مالک) سے کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے کوئی شخص

یہ نہ کہے کہ میرا بندہ (عبدی) اور میری باندی (امتی)، (حقیقت یہ ہے کہ) تم سب اللہ

تعالیٰ کے بندے ہو اور تمہاری سب عورتیں اللہ تعالیٰ کی باندیاں ہیں، بلکہ (بہتر یہ ہے کہ)

یوں کہو کہ میرا غلام، میری خادمہ، میرا خادم اور غلام (عبد) بھی اپنے آقا کو میرا رب نہ کہے

بلکہ میرا سردار (سیدی) کہے۔“

ان آیات و احادیث سے ”عبد النبی“ اور ”عبد الرسول“ کا صریح جواز ثابت ہوتا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی نے لکھا ہے کہ کسی شخص کے لئے اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور

حدیث میں ممانعت ہے یہ مکروہ تنزیہی کے درجے میں ہے، حرام نہیں ہے۔ علامہ ابن

عابدین شامی نے علامہ دمیری شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ نسبت کا شرف حاصل کرنے کے

لئے کوئی شخص ”عبدالنبی“ نام رکھے تو جائز ہے، لہذا اسے زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہا جاسکتا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے لکھا ہے کہ بعض متاخرین نے جو ”عبدالنبی“ کو مکروہ کہا ہے، یہ بھی نام رکھنے کی حد تک ہے، نسبت کا شرف حاصل کرنے کے لئے کوئی کہے تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔ جو لوگ عبدالنبی، عبدالرسول اور عبدالمصطفیٰ نام رکھنے کو کفر و شرک، بدعت یا گمراہی کہتے ہیں، یہ محض دین میں غلو ہے اور قرآن کے اطلاقات کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔

”پرویز“ اور ”قیصر“ نام رکھنا

سوال: (۱) بعض مسلمان پرویز اور قیصر نام رکھتے ہیں، ان کے کیا معنی ہیں۔ کیا یہ نام رکھنا جائز ہے؟ ”عزیز“ کے کیا معنی ہیں؟

(ب) کیا بچوں کا نام رکھنے کے لئے تاریخ، ستارے اور برج کا حساب معلوم کرنا ضروری ہے؟۔ (عبدالحمید، فیڈرل بی ایریا، کراچی)

جواب: (۱) ”پرویز“ کے معنی ہیں ”نہایت اعلیٰ“ مہذب، فاتح، بلند اختر، عزیز، ارجمند وغیرہ اور ”قیصر“ لاطینی زبان میں اس بچے کو کہتے ہیں جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اور ماں فوت ہو جائے اور اسے پیٹ چیر کر یعنی آپریشن کر کے نکالا جائے، روم کا اول بادشاہ ”اغسطوس“ بھی اسی طرح پیدا ہوا تھا، لیکن بعد میں وہ خوش نصیب ثابت ہوا۔ پرویز ”خسرو ثانی“ شاہ ایران کا لقب تھا اور اس طرح روم کے بادشاہوں کا لقب ”قیصر“ قرار پایا۔ لہذا پرویز اور قیصر کے معنی میں تو کوئی خرابی نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ غیر مسلم بادشاہوں کے امتیازی لقب تھے اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں، کیونکہ نام میں نسبت کا بھی اعتبار ہوتا ہے ”عزیز“ انبیائے بنی اسرائیل میں ایک مقدس نبی کا نام ہے، جنہیں یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا تھا کسی نبی مقدس کے نام پر نام رکھنا ہو تو نسبت کا اعتبار ہوتا ہے۔

(ب) بچے کے نام کے لئے تاریخ پیدائش، ستاروں اور برجوں کا جاننا ضروری نہیں ہے، بس اسلام کی تعلیمات فقط اتنی ہیں کہ نام بامعنی اور انبیائے کرام علیہم السلام یا اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کے نام پر ہو تو نسبت کی برکت بھی حاصل ہوگی۔

سیرت

تاریخ و یوم ولادت سید المرسلین ﷺ

سوال: حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کس دن اور کس تاریخ کو ہوئی؟

(محمد سہیل، نارتھ کراچی)

جواب: جمہور علماء امت کے نزدیک ختم المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولادت باسعادت پیر بارہ ربیع الاول عام الفیل میں ہوئی اس پر قرون اولیٰ سے امت کا تعامل رہا ہے اور اس پر تقریباً جماع ہے۔ جسٹس علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اپنی سیرت کی مشہور عالم تصنیف ”ضیاء النبی“ صفحات 33 تا 41 میں اس موضوع پر مدلل اور مفصل بحث کی ہے اور تاریخ طبری اور تاریخ ابن خلدون، سیرت ابن ہشام، مدارج النبوة، اعلام النبوة، محمد رسول اللہ ﷺ، الوفا ابن جوزی، عیون الاثر اور مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ سیرة ابن کثیر، الشمامة العنبر یہ فی مولد خیر البریہ اور سیرة خاتم النبیین کے حوالہ جات سے اسے ثابت کیا ہے۔ اور علامہ شبلی نعمانی اور قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے جو ماہر فکیات محمود پاشا اور دیگر ماہرین تقویم پر اعتماد کر کے 9 ربیع الاول تاریخ ولادت مصطفیٰ ﷺ بتائی ہے، اس کا رد کیا ہے اور بتایا کہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں ان اقوال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جہاں تک یوم ولادت کا تعلق ہے تو وہ صحیح مسلم اور دیگر احادیث کے مطابق قطعی طور پر پیر کا دن ہے۔

نبی کریم ﷺ کے نام کے ساتھ (م) لکھنے پر اکتفا

سوال: ہماری مس نے بتایا کہ بعض لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ جگہ بچانے یا وقت کی قلت کے سبب تخفیف کر کے ﷺ کے بجائے (م) لکھ دیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے حالانکہ ہمارے ہاں یہ رواج عام ہے اکثر جگہ میں نے مذہبی کتابوں میں بھی لکھا ہوا دیکھا ہے، شرعی مسئلہ کیا ہے؟

(ماہ نور، نارتھ کراچی)

جواب: رسول اللہ ﷺ پر صلوة و سلام بھیجنا اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور آپ پر صلوة بھیجنا اللہ تبارک و تعالیٰ اور ملائکہ کی سنت جلیلہ ہے۔ جو مومن حضور انور ﷺ کا اسم

مبارک سن کر آپ پر ہدیہ نہ بھیجے اس کے لئے حدیث مبارک میں بڑی وعید آئی ہے۔ اکابر مت نے درود اور فضائل درود پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں جب تحریر رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک آئے تو ہر بار ”ﷺ“ پورا لکھا جائے اس کو تخفیف کر کے (۴) لکھنا حرام اور ناجائز ہے۔ علامہ سید احمد طحاوی حنفی نے ”حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار صفحہ 5 پر فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو شخص سید الانبیاء کی تخفیف کے ارادے سے ایسا کرے تو اس سے کفر لازم آتا ہے۔ بہر کیف احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے مکمل اجتناب کیا جائے، اس طرح ”صلعم“ لکھنا بھی منع ہے۔ اسی طرح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بجائے (۵) اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے (۶) لکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کون ہیں؟

سوال: حضرت خضر علیہ السلام کون ہیں؟ نبی یا ولی، زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں؟۔
(محمد ناصر خان چشتی، بفرزون، نارتھ کراچی)

جواب: اصل لفظ ”خضر“ (خ کی زبر اور ض کی زیر کے ساتھ) ہے، بعض اہل سیر و تاریخ نے ”خضر“ (خ کی زبر اور ض کے سکون کے ساتھ) اور ”خضرون“ بھی نقل کیا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ان کا وصف ہے، کیونکہ اس کے معنی ہیں: سبز، ہرا، سبز ترکاری، بہت سرسبز و شاداب جگہ۔ وجہ تسمیہ یعنی اس نام کے ساتھ معروف ہونے کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں: (۱) ان کے حسن و جمال کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا، (۲) یہ کہ وہ جس زمین پر بیٹھتے، اس پر سبزہ اُگ آتا، (۳) سفید گھاس یا بالوں کی چادر پر انہوں نے نماز پڑھی تو وہ ہری ہو گئی، (۴) یہ کہ حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام جب ان کی تلاش میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے آثار و علامات کی روشنی میں پلٹ کر آئے تو انہوں نے اسے سطح سمندر پر سبز چادر پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وغیرہ۔ یہ سب اقوال حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں نقل کیے ہیں اور زیادہ راجح بات یہ ہے کہ خضر ان کا اصل نام نہیں بلکہ لقب یا صفاتی نام تھا، یہ الگ بات ہے کہ بعض شخصیات کے القاب اصل نام سے زیادہ مشہور ہو

جاتے ہیں۔ ابن کثیر نے وہب بن منبہ کی روایت سے ان کا نام و نسب یہ بتایا ہے:

ایلیا بن مکان بن فالغ بن عابر بن شالغ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام۔ انہوں نے نام کے بارے میں اور بھی اقوال نقل کیے ہیں۔ مثلاً العمرامریا، ارمیاہ، الیسع وغیرہ۔ ان کے بارے میں محدثین اور اہل سیرت و تاریخ اور اہل تصوف کے کئی اقوال و روایات ہیں: مثلاً (۱) یہ کہ وہ نبی تھے (۲) وہ ولی تھے (۳) وہ وفات پا چکے ہیں (۴) وہ اب تک زندہ ہیں (۵) ان کا تعلق نوع انسانی سے نہیں، وہ فرشتہ تھے۔ سب کے اپنے اپنے دلائل ہیں اور سب نے فریق مخالف کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے اور رد بھی کیا ہے۔ ہم بطور نمونہ صحیح مسلم کے شارح علامہ یحییٰ بن شرف الدین نووی کی رائے نقل کرتے ہیں: ”جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں اور ہمارے ہاں موجود ہیں، یہ امر صوفیاء اور عرفاء کے درمیان متفق علیہ ہے اور صوفیاء کی حضرت خضر کو دیکھنے، ان سے ملاقات کرنے، ان سے علم حاصل کرنے اور ان سے سوال و جواب کے متعلق حکایات مشہور ہیں اور مقدس مقامات اور مواضع خیر میں ان کے موجود ہونے کے متعلق بے شمار واقعات ہیں“۔ امام بخاری حضرت خضر اور حضرت الیاس کی حیات کے قائل نہیں ہیں، وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ اب روئے زمین پر زندہ ہیں ایک سو سال بعد ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا“۔ صحیح مسلم میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں روئے زمین کی قید نہیں ہے بلکہ مطلق ارشاد ہے۔ جو لوگ حیات خضر کے منکر ہیں، وہ قرآن مجید کی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۗ
أَقَابِنُ مَّتَّ فَهُمُ الْخُلْدُونَ ﴿۱۰﴾ كُلُّ
نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء)

”اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا مقدر نہ کیا، پس اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ یہاں ہمیشہ رہیں گے، ہر جان کو موت کا (مزہ) ضرور چکھنا ہے۔“

جو لوگ حیاتِ خضر کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آبِ حیات پی لیا تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ الکہف میں نام کے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے (ایک خاص سیاق و سباق Context) حضرت خضر کا تفصیلی ذکر ہے۔ مفسرین کرام کا اس پر اجماع ہے کہ اس سے حضرت خضر ہی مراد ہیں، ہم اختصار کی بناء پر صرف چند آیات کا ترجمہ درج کرتے ہیں:

”تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضر) کو پایا، جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا ”علم لدنی“ سکھایا، موسیٰ نے ان سے فرمایا: کیا میں اس شرط پر آپ کے ساتھ رہوں کہ آپ مجھے سکھا دیں گے اس سے جو بھلائی پانے کا علم آپ کو دیا گیا، انہوں نے فرمایا: بے شک آپ ہرگز میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے اور آپ اس چیز پر کس طرح صبر کریں گے جس کا اپنے علم سے آپ نے احاطہ نہیں کیا۔“

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اتَّيْنَهُ
رَاحِمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّا لَدُنَّا
عَلِيمًا ۝۱۵ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ
أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۝۱۶ قَالَ
إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۱۷ وَ
كَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝۱۸
(الکہف)

اس تمہید کے بعد قرآن و حدیث اور تاریخ و سیرت کے دستیاب علمی مواد کی روشنی میں ہمارے نزدیک ان اکابر مفسرین کی رائے ہی قابل ترجیح ہے، جنہوں نے حضرت خضر کی نبوت کا قول کیا ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”پھر وہ دونوں (حضرت موسیٰ و حضرت) چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ ایک لڑکے سے ملے تو اس (خضر) نے اسے

فَانطَلَقَا ۝۱۹ حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۝
قَالَ أَقْتَلْتَنِي سَازِئَةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۝
لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فُلًّا ۝۲۰ (الکہف: 74)

قتل کر دیا، موسیٰ نے فرمایا کہ کیا آپ نے
ایک بے قصور شخص کی جان، کسی جان کے
بدلے (یعنی قصاص) کے بغیر لے لی،
بے شک آپ نے بہت برا کام کیا۔

تشریحی طور پر یعنی قانون شریعت کی رو سے جب تک کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب
نہ کرے (جیسے مرتد ہو جانا، یا ناحق کسی کو قتل کرنا) جس سے اس کے (بطور قصاص یا
حد) قتل کا جواز پیدا ہوتا ہو، قتل کرنا جائز نہیں ہے، نہ ہی اسے اس امکان کے پیش نظر کہ وہ
جرم کا ارتکاب کر لے گا، کسی کو پیشگی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس کے باوجود حضرت خضر کا اسے
قتل کرنا، جس کی حکمت یا سبب انہوں نے آیت 80 میں آگے چل کر بتایا ہے، اس بات کی
دلیل ہے کہ یہ کام انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تکوینی امر کے تحت کیا۔ جس کا حکم انہیں بذریعہ
وحی ربانی دیا گیا ہوگا، اسی لئے آگے چل کر آیت نمبر 82 میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ
”یہ کام میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا“ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے تعمیل میں کیا ہے،
یہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی امر تھا، تکوین سے مراد کائنات میں تخلیق و ایجاد کے وہ تمام امور جو محض
اللہ تعالیٰ کے امر، ارادے اور مشیت سے نافذ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہو سکتا ہے، وہ
ولی ہوں اور اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام انہیں ان تکوینی امور کا حکم فرما دیا ہو اور انہوں نے
تعمیل کی ہو۔ اس اعتراض یا اشکال کا جواب یہ ہے کہ ولی کا الہام ظنی ہوتا ہے، دوسروں کے
لئے حجت نہیں ہوتا، جب کہ نبی کی وحی اللہ تعالیٰ کا امر لازمی اور قطعی حجت ہوتی ہے، مزید یہ
کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعے میں ”علم لدنی“ میں حضرت خضر کی فضیلت ظاہر
ہوتی ہے اور اگر انہیں ولی مانا جائے تو ولی امتی ہوتا ہے اور امتی نبی سے علم میں افضل نہیں ہو
سکتا ہے۔ اس مقام پر سید مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے: معلوم ہوتا ہے کہ ”حضرت
خضر بشر نہیں تھے بلکہ فرشتوں میں سے تھے“ اور انہوں نے قرآن میں جو حضرت خضر پر
”عبد“ یا ”رجل“ کا اطلاق کیا گیا ہے، اس کی تاویلات کی ہیں کہ غیر بشر پر بھی ان کا اطلاق

ہوسکتا ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ نبی بشر تشریح کا مکلف ہوتا ہے اور اس سے بظاہر خلاف شریعت تکوینی امر کا صدور نہیں ہوسکتا کہ ایک بے قصور لڑکے کو قتل کر دیں سید مودودی کا یہ اشکال اور اس کے نتیجے میں خضر کو فرشتہ قرار دینے کا استدلال اس لئے باطل ہے کہ حضرت ابراہیم یقینی طور پر نبی و رسول اور نوع انسان سے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے ”ذبح اسماعیل“ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے تکوینی امر کی تعمیل میں کوئی تردد نہیں کیا بلکہ فوراً تعمیل کر دی۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکمیل ذبح سے پہلے اپنے امر سے انہیں روک دیا۔

رہا یہ سوال کہ آیا حضرت خضر علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں یا نہیں؟ دونوں طرف دلائل کا انبار ہے، صوفیاء کرام کے ملاقات خضر کے حوالے سے متعدد مشاہدات، تجربات اور دعوے ہیں۔ لیکن یہ سب ظنی امور ہیں، ہمارے پاس ان کے رد و قبول کا کوئی قطعی پیمانہ نہیں ہے بلکہ ظن غالب قائم کرنا بھی دشوار ہے، کیونکہ قرآن و حدیث اس کے بارے میں ساکت ہیں۔ تاہم عارف باللہ علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے میں حرف آخر کے طور پر لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی سے جب حیات و وفات خضر علیہ السلام کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے مکاشفہ فرمایا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر ان کے سامنے موجود ہیں، آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس علیہما السلام زندہ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو یہ قوت عطا فرمائی ہے کہ ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں، مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں، مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ ”علم لدنی“ کی تعلیم دیتے ہیں، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے روحانی نسبت عطا کرتے ہیں اور اولیاء اللہ میں سے قطب مدار کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

﴿عورتوں کے﴾

﴿متفرق مسائل﴾

بیٹی کی پیدائش پر اظہار رنج و غم

سوال: بعض لوگ بیٹیوں کی پیدائش کو اپنے لئے باعث عار سمجھتے ہیں یا اسے اپنی ذات پر ایک بار سمجھتے ہیں جب کہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سن کر وہ کھل اٹھتے ہیں، شریعت کے نزدیک یہ طرز فکر کیسا ہے؟۔
(سارہ مجید، گارڈن ویسٹ، کراچی)

جواب: مشرکین مکہ کے طرز عمل کے بارے میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ
وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۱﴾ (النحل)

”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کی
پیدائش) کی خوش خبری دی جاتی ہے تو
(غم کے مارے) اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا

ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔“

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ سوال میں جس طرز فکر کا ذکر ہے، وہ مشرکین مکہ کا تھا۔ بیٹا ہو یا بیٹی، اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، باقی رہا یہ سوال کہ مستقبل میں انسان کے لئے بیٹا زیادہ مفید ثابت ہوگا یا بیٹی، اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ سورۃ النساء کی آیت میراث میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَبَاؤُكُمْ وَ أَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ
أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (النساء: 11)

”تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم
(خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے
کے کون زیادہ قریب ہے۔“

ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے:

(۱) ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے بیٹیاں عطا کر کے آزمائش میں ڈالا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت جان کر ان کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا، تو وہ قیامت میں اس کے لئے عذاب جہنم سے نجات کا وسیلہ بن جائیں گی۔“

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس مومن نے دو بچیوں کو پال کر جوان کیا، وہ قیامت کے روز میرے اتنے قریب ہوگا، جیسے ہاتھ کی انگلیاں۔“

(۳) آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس کی ایک بیٹی ہو اور وہ اس کی بہترین تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے اپنی بیٹی کو خوب نوازے، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس بیٹی کو عذاب جہنم سے نجات کا وسیلہ بنا دے گا۔“

شادی شدہ عورت اور چوڑیاں

سوال: کیا شادی شدہ عورت کے لئے چوڑیاں پہننا ضروری ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ سہاگ کی نشانی ہے اور نہ پہننا بیوگی کی علامت ہے؟ (ریاض، کراچی)

جواب: چوڑیاں پہننے یا نہ پہننے کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ سہاگ کی علامت ہے اور نہ ہی یہ نہ پہننا بیوگی کی علامت ہے، یہ محض رسم و رواج کا حصہ ہے تاہم زیب و زینت کے لئے عورتیں چوڑیاں پہنیں تو کوئی ممانعت نہیں ہے۔

عورتوں کا محفل میلاد

سوال: کیا عورتیں محفل میلاد میں شرکت کر سکتی ہیں؟ مائیکروفون پر تقریر کرنا اور نعت و سلام پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: خواتین کا چار دیواری کے اندر یا مکمل باپردہ جلسہ گاہ میں دینی اجتماع منعقد کرنا، محفل میلاد میں شرکت کرنا، تقریر کرنا، نعت اور صلوٰۃ و سلام پڑھنا یا تلاوت کرنا، یہ سب امور جائز ہیں بشرطیکہ بے پردگی نہ ہو۔ عورت کی آواز بھی عورت ہے، حدیث پاک میں اسے فتنہ و آزمائش قرار دیا گیا ہے لہذا اگر مائیک کی آواز چار دیواری کے اندر تک یا جلسہ گاہ کے اندر تک محدود ہے تو حسب ضرورت اس کا استعمال جائز ہے اور اگر یہ آواز غیر محرم مردوں تک پہنچ رہی ہے تو اسے استعمال نہ کیا جائے یا اس کی آواز کی حد کو شرکاء تک محدود رکھا جائے۔

عورتوں کا قبرستان جانا

سوال: کیا عورت قبرستان جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورت قبرستان میں نہ جائے کیونکہ وہ مردے کو بے لباس دکھائی دیتی ہے؟ (ریاض الدین، صغیر سینٹر، کراچی)

جواب: ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً قبرستان میں جانے سے منع فرمایا یعنی سب کو خواہ عورت ہو یا مرد، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے (ابتداءً) تمہیں قبرستان میں جانے سے منع کا تھا مگر اب (میں اجازت دیتا ہوں کہ) وہاں جایا کرو، کیونکہ زیارت قبور سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے“۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ اجازت عام ہے، مردوں کے ساتھ بظاہر تخصیص کا کوئی قرینہ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود فقہائے کرام نے عورتوں کو قبرستان جانے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں وہ بے پردہ ہو کر نہ جائیں، غیر محرم مردوں کے سامنے نہ آئیں۔ وہاں جا کر رونا، چلانا شروع نہ کریں، الغرض شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ ہو اور دعا و ایصال ثواب تو گھر میں بیٹھ کر بھی کیا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے کہ جو ان عورتوں کے لئے تو قبرستان جانا مکروہ ہے، البتہ بوڑھی عورتیں (باپردہ ہو کر شرعی احکام کی پابندی کے ساتھ) جاسکتی ہیں، اگر مقصد عبرت حاصل کرنا ہو، دعائے مغفرت کرنا ہو یا بزرگان دین کے مزارات سے برکت حاصل کرنا مقصود ہو۔

عورتوں کا آپس میں مصافحہ اور معانقہ

سوال: بعض عورتیں محافل مقدسہ (میلااد، قرآن خوانی، آیت کریمہ وغیرہ) کے بعد فرداً فرداً آپس میں مصافحہ و معانقہ کرتی ہیں، شاید مبارک باد کے طور پر کرتی ہوں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب: عورتوں کا آپس میں ملاقات کے موقع پر یا کسی مسرت و شادمانی کے موقع پر مصافحہ و معانقہ کرنا جائز ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ محافل مقدسہ پر اظہار مسرت بھی جائز ہے۔

عدت کے دوران ٹی وی دیکھنا

سوال: کیا عدت کے دوران ٹی وی دیکھنا جائز ہے؟ (عبدالرحیم، چاکیواڑہ، کراچی)

جواب: ٹی وی کے جائز یا ناجائز ہونے کا عدت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی اچھی

چیزیں دیکھنا، مثلاً تلاوت، ترجمہ، نعت، دینی پروگرام، علمی و معلوماتی پروگرام، خبریں وغیرہ دوسروں کے ساتھ ”معتدہ“ بھی دیکھ سکتی ہے، ناچ گانے، فحش پروگرام، فلمیں، بے ہودہ ڈرامے وغیرہ سب کے لئے منع ہیں۔

خواتین کی تزئین جائز، نا جائز

سوال: آپ نے 17 ستمبر کے تفہیم المسائل میں بیوٹی پارلر کے کاروبار کو بعض شرائط پر جائز قرار دیا ہے، اس سلسلے میں وضاحتیں مطلوب ہیں، ان کا جواب تحریر کر کے میری الجھن دور کریں۔ (طویل خط کا خلاصہ درج کیا گیا ہے) (صائمہ عثمان روحیلہ)

جواب: (۱) دلہن کا میک اپ جائز ہے، جسے دلہن بنانا کہتے ہیں، بشرطیکہ اس کام میں استعمال ہونے والے کریم پاؤڈر وغیرہ میں کوئی حرام یا ناپاک اجزا شامل نہ ہوں (۲) چہرے کا مساج بھی جائز ہے (۳) ابرو بنانا اور چہرے کے بال اتارنا (Threading) شرعاً اگرچہ مستحسن نہیں ہے لیکن شوہر کی دلداری کے لئے فقہاء نے اسے مباح قرار دیا ہے (۴) بالوں کو رنگنا یا مہندی لگانا جائز ہے (۵) لمبے بالوں کو برابر کرنے کے لئے ایک دو اونچے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس پر مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے یا مردانہ وضع اختیار کرنے کا اطلاق نہیں ہوتا (۶) چھوٹے بچوں کے بال کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ تمام امور جن کے جواز کا ذکر کیا ہے عورتوں کے لئے مردوں سے کرانا حرام ہے اور ایسی عورتوں سے کرانا بھی منع ہے جو عورتوں کے جسمانی معائب یا محاسن دوسرے مردوں کے سامنے بیان کریں۔ ایسا میک اپ بھی منع ہے جس پر گھنٹوں لگ جائیں اور بیچ میں فرض نمازیں بھی ترک ہو جائیں یا اس میک اپ کو برقرار رکھنے کے لئے انسان وضو نہ کرے اور اس طرح نمازیں چھوٹ جائیں۔ عورت کا اصل حسن عفت، حیاء، پاک دامنی اور حسن سیرت ہے، تقویٰ و طہارت ہے جو خالق کو پسند ہے باقی سب فریب نفس اور فریب نظر ہے۔

شوہر کو بتائے بغیر خرچ کرنا

سوال: میرا تعلق دعوت اسلامی سے ہے، مجھے شوہر سے ماہانہ ایک لگی بندھی رقم گھر کے

خرچ کے لئے ملتی ہے، میں اس میں سے کچھ بچا لیتی ہوں، اس بچت میں سے شوہر کو بتائے بغیر اپنے اور بچی کے زیور کی زکوٰۃ دے دیتی ہوں، کبھی کسی کو سیپارے اور دینی کتابیں لے دیتی ہوں، دعوت اسلامی کے لئے ہفتہ وار اجتماع کے لئے یا محفل میلاد کے لئے بس کے کرائے یا طعام کے اہتمام کے لئے بھی دیتی رہتی ہوں، کیا یہ جائز ہے؟۔

(نجمہ قادری رضوی، کراچی)

جواب: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب عورت اپنے گھر کے طعام میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ) میں خرچ کرے لیکن اسراف کیے بغیر، تو اسے بھی اجر ملے گا اور اس کے شوہر کو بھی“۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب عورت اپنے شوہر کی کمائی سے اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرتی ہے (یعنی صدقہ کرتی ہے) تو اسے بھی آدھا ثواب ملے گا۔ ان احادیث کی روشنی میں علماء نے مندرجہ ذیل مسائل بیان فرمائے ہیں۔

(۱) عورت کو اجر اس لئے ملے گا کہ عملاً اسی نے صدقہ دیا اور شوہر کو اس لئے کہ وہ کمانے والا ہے اور صدقہ اس کی کمائی سے دیا گیا ہے بلکہ احادیث میں اس کی صراحت بھی ہے، عورت کو اجر ملنے سے شوہر کے اجر میں کمی واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے، وہ سب پر مہربان ہے اور اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

(۲) عورت کے کار خیر میں خرچ کرنے کے جواز کو فقہاء نے اس پر محمول کیا ہے کہ اسے صراحت یا اشارات و کنایات سے معلوم ہو گیا ہو کہ شوہر اس کے اس عمل سے خوش ہے یا کم از کم ناراض نہیں ہے۔

(۳) زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اجازت لے یا کبھی کبھی تذکرے کے طور پر بتا دیا کرے۔

(۴) اور اگر اسے شوہر نے صراحت سے یا قطعی طور پر ایسا کرنے سے منع کر دیا ہو تو پھر

احتیاط سے کام لے البتہ زیورات کی زکوٰۃ فرض ہے، اس کے لئے شوہر سے باقاعدہ

اجازت لے یا اسی زیور میں سے دے اگر اس کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں ہے۔
(۵) عورت اپنی بنیادی ضروریات کے لئے (یعنی خوراک، لباس، رہائش وغیرہ) شوہر کی اجازت کے بغیر بھی خرچ کر سکتی ہے۔

شوہر کو ازراہ مذاق پاگل بدتمیز کہنا

سوال: کیا بیوی کے لئے مذاقا اپنے شوہر کو جاہل، پاگل، بدتمیز وغیرہ کہنا جائز ہے؟۔
(آغا عبدالوحید خان، گلشن حدید، کراچی)

جواب: بیوی کا شوہر کو مذاقا ایسے کلمات کہنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ توہین کے کلمات ہیں اور شوہر ہی نہیں کسی کو بھی ایسے کلمات سے مخاطب کرنے کو قرآن نے منع فرمایا ہے:

”اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مذاق
نہ اڑاؤ، کوئی بعید نہیں کہ جس کا مذاق اڑایا
جا رہا ہے وہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک)
مذاق اڑانے والے سے بہتر ہو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُوا قَوْمٍ مِّنْ
قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ
(الحجرات: 11)

اور فرمایا:

”افسوس اور خرابی ہے اس کے لئے جو
(دوسروں کے) عیب تلاش کرتا ہے اور
(ان پر) طعن کرتا ہے۔“

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ (الہمزۃ)

البتہ السلام میں مزاح لطیف کی اجازت ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی بعض اوقات
مزاح فرمایا کرتے تھے، مثلاً ایک شخص نے آپ سے اونٹ مانگا، آپ نے فرمایا: ”اسے
اونٹ کا بچہ دے دو“ اس نے عرض کیا کہ ”اونٹ کا بچہ میرے کس کام کا“ آپ نے فرمایا:
” (اللہ تعالیٰ کے بندے) ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹ کا بچہ ہی ہے۔“

بہو کے ساتھ ناروا سلوک

سوال: سسرال والے بہو کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں (طویل خط میں تفصیلات

(نززہت، نارتھ کراچی)

درج ہیں؟۔

جواب: اس خط میں جو واقعات درج ہیں وہ یہ ہیں کہ نئی دلہن بیاہ کر لانے کے بعد سرال والے خود تو Relex ہو جاتے ہیں اور اسے سارے کاموں میں جھونک دیتے ہیں، ذرا سی کام میں کوتاہی ہو جائے تو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ الغرض کہ زندگی اجیرن کر دی جاتی ہے۔ سرال والوں کو یہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ وہ ایک خادمہ بیاہ کر نہیں لائے بلکہ ایک بیٹی اور بیوی بیاہ کر لائے ہیں۔ بعض اوقات اس کے اپنے آبائی گھر اور سرال کے ماحول میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اسے حالات کو سمجھنے اور ذہنی مطابقت پیدا کرنے کے لئے مناسب وقت ملنا چاہیے اور تنہا سارے کام کا بار اس پر ڈالنا درست نہیں ہے۔ ساس، سراسے بیٹی بنا کر لائے ہیں تو ماں باپ بن کر اسے سہارا دیں۔ ہمارے آقا ﷺ نے تو قرون وسطیٰ کے زر خرید غلاموں سے بھی ایسا کام لینے سے منع فرمایا تھا جو ان کے بس میں نہ ہو بلکہ آپ نے فرمایا ”ان سے وہ کام نہ لو جو تم خود نہیں کر سکتے اور کام دشوار ہو تو اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ، ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو“۔ خاندان کا اجتماعی نظام جو ہمارے اسلامی معاشرے کا سرمایہ افتخار ہے، یہ باہمی تعاون، ایک دوسرے کی دلداری، نمگساری اور محبت و احترام پر قائم ہے، یہ نظام لگے بندھے کڑے ضابطوں پر نہیں بلکہ ”فضل و احسان“ پر قائم ہے یعنی ہر فرد کی کوشش ہو کہ بڑھ چڑھ کر دوسرے کا ہاتھ بٹائے، خود دکھ سہے اور دوسرے کو راحت پہنچائے۔ ایسا مسئلہ کہیں نہیں ہے کہ بہو سارے خاندان کی خادمہ بن جائے گی اور باقی اس پر راج کریں گے، حکم چلائیں گے۔ اگر سعادت مند بہو مل جائے جو اپنی بساط کے مطابق دوسرے کے کام آئے تو یہ کسی کا استحقاق نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور ان عورتوں کیلئے بھی ایسے ہی حقوق
 بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ: 228)
 ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں۔“

ضبط تولید کا مسئلہ

سوال: کیا ضبط تولید کے لئے احتیاطی اقدامات مثلاً گولیاں انجکشن، چھلے وغیرہ کا استعمال جائز ہے:

(زاہد علی، سیماڑی، کراچی)

جواب: ضبط تولید (برتھ کنٹرول) کے مسئلے پر شریعت مطہرہ کے احکام درج ذیل ہیں:

(۱) حدیث مبارک کی رو سے استقرار حمل کے بعد 120 دن میں جنین میں جان پڑ جاتی ہے لہذا اس کے بعد اسقاط حمل قتل نفس ہے اور اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تنگی رزق کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۗ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۗ إِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خَطَاً كَبِيرًا ﴿۳۱﴾ (الاسراء: 31)

مت کرو، ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، بلاشبہ ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔“

لہذا اگر محض تنگی رزق کے ڈر سے احتیاطی تدبیر کے طور پر مانع حمل طریقے اختیار کیے جائیں اور وہ بھی کسی شخصی مجبوری کے تحت نہیں بلکہ قومی اور ملکی پالیسی کے طور پر، تو یہ قرآن کے منشا کی صریح خلاف ورزی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور زمین پر جو بھی چلنے والا (جاندار) رِزْقُهَا (ہود: 6) ہے، اس کا رزق اللہ تعالیٰ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔“

(۲) یہ قانونِ قدرت ہے کہ آج تک جس تناسب سے آبادی میں اضافہ ہوتا چلا آیا ہے، اسی تناسب سے وسائل رزق میں بھی اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس میں انسان کی محنت، جدوجہد منصوبہ بندی اور تدبیر کے ساتھ ساتھ خالق کائنات کی قدرت کا بھی دخل ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ”مسبب الاسباب“ کی مشیت کے بغیر اسباب موثر ہو ہی نہیں سکتے۔

(۳) آج کے دور میں معیشت کی ترقی کے لئے سائنس، ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کی تمام تر اعجاز آفرینی کے باوجود، افرادی قوت ایک بنیادی عنصر ہے، ہمارے ملک جیسے کئی ترقی پذیر یا

پسماندہ ممالک کے زرمبادلہ کا ایک بڑا ذریعہ غیر ممالک میں مصروف عمل تارکین وطن کی جانب سے رقوم کی ترسیل ہے اور ترقی یافتہ ممالک ہمارے لوگوں کو ورک ویزا یا امیگریشن ویزا ہماری محبت میں یا کسی جذبہ غریب پروری کے تحت نہیں دیتے بلکہ اپنی قوم و ملکی ضرورت کے تحت دیتے ہیں۔

(۳) بہت سے ترقی یافتہ ممالک، جہاں کے لوگ تعیش پسندی، خود غرضی اور آوارگی کی وجہ سے رشتہ ازدواج کے بندھن اور بچوں کی پیدائش اور پرورش کو ایک بوجھ سمجھتے ہیں، انفرادی قوت کی قلت سے دوچار ہیں۔

(۵) کوئی شادی شدہ جوڑا ذاتی وجوہ کی بناء پر مانع حمل طریقے استعمال کرے، مثلاً گولیاں، انجکشن، چھلا، کنڈوم وغیرہ تو اس کی جائز وجوہ درج ذیل ہیں:

(۱) بعض خواتین کے ہاں آپریشن سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور دو یا تین آپریشن کے بعد ڈاکٹر مشورہ دیتے ہیں کہ مزید آپریشن سے زچہ کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے یا کوئی مہلک بیماری لاحق ہو سکتی ہے۔

(ب) عورت کی صحت اتنی کمزور ہے کہ وہ حمل کا بار اٹھانے کے قابل نہ ہو اور بصورت حمل اسے جسمانی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

(ج) ماں باپ کی طرف سے کسی موروثی نقص کی بناء پر بچے ناقص الاعضاء، معذور یا بعض لاعلاج امراض ورثے میں لے کر پیدا ہو رہے ہیں اور ڈاکٹر کا یہ کہنا ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

(د) ماں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہے اور قلیل وقفے میں مزید بچہ پیدا ہونے سے، پہلے بچے کی نشوونما اور نگہداشت متاثر ہوتی ہے۔

(ه) کوئی شخص کسی ایسے ادارے یا شعبے میں کام کرتا ہے جہاں تحفظ کے انتظامات غیر تسلی بخش ہیں یا ایسے کارخانے جہاں شدید جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے اور جہاں ڈاکٹروں کے بقول ایک مقررہ وقت سے زیادہ کام صحت کے لئے مہلک ثابت ہو سکتا ہے، لیکن کثیر اولاد ہونے

کی بناء پر بچوں کی پرورش و تعليم و تربيت کے مصارف پورے کرنے کے لئے وقت مقررہ سے زائد (Over Time) بھی کرنا پڑتا ہے يا بعض لوگ اپنی ضرورت کی تکميل کے لئے نا جائز ذرائع اختيار کرتے ہیں تو ایسی تمام صورتوں میں شخصی وجوہ کی بناء پر مانع حمل تدابیر اختيار کرنے کی گنجائش ہے بشرطیکہ ان کا استعمال عورت کے لئے مضر صحت يا مہلک ثابت نہ ہو البتہ مرد يا عورت کا اپنے آپ کو مصنوعی عمل سے مستقل طور پر بانجھ کر ادینا ناجائز ہے۔

حلال و حرام ﴿﴾
جائز و نا جائز ﴿﴾

وظیفے کی تعریف

سوال: وظیفہ کسے کہتے ہیں، کیا اس کے لئے کسی خاص عمر کی شرط ہے؟

(انیس الرحمن خان، سرجانی ٹاؤن، کراچی)

جواب: نوافل، تلاوت، اذکار، تسبیح، درود پاک یا ادعیہ ماثورہ کو بطور نفل ایک خاص پابندی اور التزام کے ساتھ پڑھنے کو وظیفہ کہتے ہیں، اس کے لئے کسی خاص عمر کی قید نہیں ہے۔ احادیث مبارکہ میں بعض مخصوص اوقات اور مواقع کے لئے دعائیں اور تسبیحات مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ضرور پڑھیں۔

(ڈینیئل سردار بھٹی، کراچی)

سوال: سالگرہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ”سالگرہ“ کا مطلب ہے کسی کی ولادت کے دن خوشی منانا۔ اگر اس کا مطلب

اسراف و تبذیر کا مظاہرہ، گانا بجانا، رقص و سرور، عورتوں اور مردوں کا بے حجاب اختلاط اور دیگر خلاف شرع حرکات ہیں تو یہ نہ تو سالگرہ کے نام پر جائز ہیں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور عنوان سے جائز ہیں۔ اس طرح سالگرہ کے نام سے کوئی خاص عبادت بھی بطور خاص مشروع نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے یا اپنے بچوں کی ولادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہے تو وہ نفلی نماز پڑھ کر نفلی روزہ رکھ کر حسب توفیق صدقہ و خیرات کر کے یا عمل صالح کی کوئی بھی جائز اور مشروع صورت اختیار کرے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

بدشگونی کا شرعی حکم

سوال: کیا اسلام میں بدشگونی جائز ہے، کسی دن یا خاص ایام کو نخس قرار دینے کی گنجائش ہے۔ کیا قرآن مجید میں بعض دنوں کو نخس قرار دیا گیا ہے؟

(مولانا شبیر احمد، اسکاؤٹ کالونی، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: شریعت اسلام میں بدشگونی کرنا منع ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ کفار بدشگونی کیا کرتے تھے چنانچہ کفار بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا:

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا ”تو جب انہیں بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے

ہیں یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر نہیں
کوئی برائی پہنچتی ہے تو (اسے) موسیٰ اور
ان کے اصحاب کی نحوست قرار دیتے
ہیں۔ سنو! ان (کافروں) کی نحوست،
اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقدر ہے لیکن ان
میں سے اکثر نہیں جانتے۔“

هَذِهِ ؕ وَ اِنْ تُصِبُّهُمْ سَيِّئَةٌ يَّتَّخِرُوْا
مُوسٰى وَ مَنْ مَّعَهُ ۗ اِلَّا اِنَّمَا ظَنُّوْهُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ وَّلٰكِنْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳۱
(الاعراف: 131)

رہا یہ سوال کہ قرآن میں ماضی کی اقوام کے حوالے سے بعض دنوں کی نحوست کا تذکرہ
ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”تو ہم نے (قوم عاد کی) نحوست کے
دنوں میں ان پر خوفناک آواز والی آندھی
بھیجی۔“

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صٰرًا فِى
اَيّٰمٍ نَّحِسٰتٍ (حم السجدہ: 16)

اور فرمایا

”بے شک ہم نے ان پر نہایت سخت
آواز والی تیز آندھی ان کی دائمی نحوست
کے دن بھیجی۔“

اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صٰرًا فِى
يَوْمٍ نَّحِسٍ مُّسْتَبْرٰٓئٍ ۝۱۳۱ (القمر)

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ کسی دن میں بالذات اور مطلقاً نیک شگون یا بد شگون نہیں
ہوتی کہ جو اچھا ہے تو ہر ایک کے لئے اچھا ہو اور برا ہے تو ہر ایک کے لئے برا ہو، بلکہ دن تو
سارے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کے لئے اچھائی یا برائی ان کے اپنے
عقائد و اعمال کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قوم عاد پر نزول عذاب کی
ابتداء شوال کے آخری بدھ کے دن سے ہوئی تھی اور پھر کئی دن تک آندھی چلتی رہی۔ مفسر
قرآن، صاحب تفسیر روح المعانی علامہ محمود آلوسی لکھتے ہیں: ”میں کہتا ہوں کہ تمام ایام برابر
ہیں اور بدھ کے دن کی نحوست میں کوئی خصوصیت نہیں ہے اور ہر گزرنے والی ساعت کسی

شخص کے لئے اچھی اور مبارک ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے لئے بری اور منحوس ہوتی ہے اور ہر دن کسی شخص کے لئے خیر اور دوسرے شخص کے لئے شر ہوتا ہے ہر دن بلکہ ہر ساعت میں کسی نہ کسی شخص پر کوئی نہ کوئی مصیبت اور بلا نازل ہوتی ہے، تو اس قاعدے کے تحت تو تمام ایام اور ساعات منحوس قرار پائیں گی بلکہ قرآن میں فرمایا کہ قوم عاد پر یہ عذاب سات راتوں اور آٹھ دن تک مسلسل نازل ہوا چنانچہ فرمایا:

”اور رہے قوم عاد کے لوگ تو وہ ایک سخت گرجتی ہوئی نہایت تیز آندھی سے ہلاک کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آندھی کو سات راتوں اور آٹھ دن تک مسلسل ان پر مسلط کر دیا تھا۔“

وَأَمَّا عَادُ فَاهْلَكُوا بِرِيحٍ صَّا صِرِّ
عَاتِيَّةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَ
ثَمَنِيَّةٍ أَيَّامٍ (الحاقہ)

تو کیا اس قاعدے کی رو سے ہفتے کے ساتوں دن ہر ایک کے لئے منحوس قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اشعة اللمعات جلد نمبر 3 صفحہ 620 پر لکھتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا: ”لا طيرة“ یعنی حصول نفع اور دفع ضرر میں بدشگونی کے لئے کوئی تاثیر اور دخل نہیں اور بدشگونی نہیں کرنا چاہیے اور نہ اس کا اعتبار کرنا چاہیے جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو کر رہے گا، شریعت نے اس کو سبب نہیں بنایا۔ انہوں نے مزید لکھا ”نبی ﷺ نے فرمایا: ”لا صفر“ بعض علماء کے نزدیک اس سے مراد ماہ صفر ہے جو محرم کے بعد آتا ہے۔ عام لوگ اس ماہ کو مصیبتوں، بلاؤں، آفات اور حادثات کا مہینہ قرار دیتے تھے۔ یہ اعتقاد بھی باطل ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تیرہ تیزی کیا ہے؟

سوال: بعض لوگ ماہ صفر کو منحوس سمجھتے ہیں بعض اس ماہ کے ابتدائی تیرہ دن کو نحس خیال کرتے ہیں اور انہیں ”تیرہ تیزی“ کہتے ہیں۔ ان ایام میں نکاح یا شادی نہیں کرتے سفر پر جانا بھی منحوس سمجھتے ہیں۔ بعض پورے صفر کے مہینے کو ہی نحس سمجھتے ہیں اور اسے خالی کا چاند یا

خالی کا مہینہ کہتے ہیں اور اسے خوشی کی تقریبات سے خالی رکھتے ہیں اس سلسلے میں شرعی مسئلہ کیا ہے؟
(سید ذاکر شاہ، بلد یہ ناؤن، کراچی)

جواب: صفر المظفر کے قمری مہینے میں کوئی نحوست نہیں ہے، نہ ابتدائی تیرہ ایام میں اور نہ ہی بقیہ ایام میں عوام میں یہ باتیں غلط طور پر مشہور ہیں، بخاری شریف میں ہے: ”لاہامۃ ولا صفر“ ایسی ہی ایک روایت صحیح مسلم میں بھی ہے۔ نیز یہ بھی غلط ہے کہ اس مہینے میں آفات اور بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ شریعت میں ایسا عقیدہ رکھنا باطل ہے۔ تمام مہینوں کی طرح اس مہینے کے تمام دنوں میں بھی شادی بیاہ، نکاح، سفر کاروبار الغرض تمام جائز کام جائز ہے۔

آخری چار شنبہ

سوال: بعض لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات مبارکہ کے آخری سال ماہ صفر کے آخری بدھ والے دن صحت یاب ہوئے تھے اور اس روز آپ نے غسل فرمایا بعض لوگ اس خوشی میں ہر سال ماہ صفر کے آخری بدھ والے دن مٹھائی بانٹتے اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ (ضیاء الاسلام دہلوی، فیڈرل بی ایریا)

جواب: لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ صفر کے آخری بدھ کے دن صحت یاب ہوئے اور آپ نے غسل بھی فرمایا تھا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ جس مرض میں رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تھا اس کی ابتدا اسی دن ہوئی تھی لیکن اس بناء پر اس دن کو نحس سمجھنا بھی درست نہیں ہے۔ اس روایت سے قطع نظر صدقہ و خیرات کرنا یا ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھنا درست ہے، اس کی کسی بھی وقت ممانعت نہیں ہے۔

یوم عاشورہ اور کاروبار

سوال: کیا 10 محرم الحرام ”یوم عاشور“ کے دن یا جمعہ کے دن یا کسی اور موقع پر کاروبار کرنا حرام ہے؟ کیا جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد ظہر کے فرض بھی پڑھنا ضروری ہیں؟ اور کیا کسی عذر کے سبب جمعہ یا ظہر کی سنتیں چھوڑی جاسکتی ہیں؟

جواب: سال کے کسی بھی دن حلال کاروبار کی ممانعت نہیں۔ قرآن مجید سورہ جمعہ آیت نمبر 9 میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

”اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لئے ندا (یعنی اذان) دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر (یعنی نماز) کی طرف دوڑے چلے آؤ اور کاروبار چھوڑ دو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (الجمعة: 9)

یعنی صرف نماز جمعہ کے وقت کاروبار منع ہے۔ اذان جمعہ سے پہلے اور نماز جمعہ کے بعد کاروبار کرنا جائز ہے اور قرآن نے ایسی تجارت اور کاروبار کو اللہ کے فضل سے تعبیر کیا ہے، جو بندے کو اللہ کی عبادت سے نہ روکے۔ اسی طرح ان اوقات میں بھی کاروبار منع ہوگا جو فرض نمازوں اور دینی فرائض کی ادائیگی میں حائل ہوں۔ جمعہ کے دن نماز جمعہ باجماعت پڑھ لی جائے تو ظہر کی نماز ساقط ہو جاتی ہے۔ باقی کسی شدید ہنگامی نوعیت کی مصروفیت، سفر، بیماری، مجبوری، تنگی وقت (یعنی کسی نماز کا وقت صرف اتنا رہ جائے کہ صرف فرض ادا کیے جاسکتے ہوں) یا کسی اور عذر شرعی کے بغیر سنن مؤکدہ، خواہ وہ جمعہ کے وقت کی ہوں یا دیگر اوقات کی چھوڑنی نہیں چاہئیں اور اگر کبھی چھوٹ جائیں تو اسے عادت اور تیرہ نہیں بنانا چاہیے۔

نظر بد سے بچنے کے لئے مکان پر سینگ، کالا کپڑا لٹکانا
یا کالا دھاگا باندھنا

سوال: بعض لوگ گھروں یا دوکانوں پر نیل کے سینگ، کالا کپڑا، صراحی وغیرہ لٹکاتے ہیں، (یعنی نظر بد کی تاثیر سے بچنے کے لئے) اور ہاتھ یا گلے میں کالا دھاگا باندھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ (انور حسین، کراچی)

جواب: تاثیر نظر حق ہے۔ نظر بد سے بچنے، اللہ تعالیٰ کی آغوش رحمت میں پناہ لینے اور مخلوق کے ہر شر سے امان طلب کرنے کے لئے خالق عزوجل ہی سے عفو و سلامتی کا خواستگار

ہونا چاہیے۔ اس کے لئے مختلف مواقع پر احادیث مبارکہ میں دعائیں تعلیم فرمائی گئی ہیں، چنانچہ نظر بد سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ سے جو دعا منقول ہے، وہ یہ ہے:

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ هَامَّةٍ وَعَيْنٍ لَامَّةٍ“ ترجمہ: ”میں ہر موذی جانور اور نظر بد کے شر سے اللہ تعالیٰ کے کامل اور تمام کلمات (مبارکہ) کی پناہ میں آتا ہوں۔“ یہ دعا پڑھ کر اپنے آپ کو، اپنے اہل و عیال یعنی بیوی بچوں کو اور ہر اس چیز کو دم کرنا چاہیے، جس کے لئے عافیت اور سلامتی مقصود ہے۔ اہل اللہ، عارفین کا ملین اور علماء عالمین نے یہ بھی بتایا ہے کہ نظر بد سے بچنے کے لئے قرآن مجید کی سورہ القلم کی آخری دو آیات مبارکہ آیت نمبر 51-52 پڑھ کر دم کرے، وہ آیات مبارکہ یہ ہیں:

”اور یقیناً ایسا لگتا ہے کہ کافر گویا آپ کو
اپنی نظر (بد) لگا کر گرا دیں گے۔ وہ جب
قرآن سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور
مجنون ہیں، اور وہ قرآن تو صرف تمام
جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔“

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ
بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ
يَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۗ وَمَا هُوَ إِلَّا
ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ۝۵۱ (القلم)

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں منقول ہے کہ اہل عرب میں بعض لوگ نظریں لگانے میں بڑی شہرت کے حامل تھے، وہ بعض اوقات دعویٰ کر کے نظر لگاتے اور ان کی نظر بد کا جو بھی چیز نشانہ بنتی وہ ہلاک ہو جاتی، ایسے کئی واقعات لوگوں کے مشاہدے میں تھے، چنانچہ کفار مکہ نے معاذ اللہ! رسول اللہ ﷺ کو گزند پہنچانے کے لئے ان نظر بازوں کو استعمال کیا، انہوں نے لاکھ جتن کیے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا، کفار کے دیگر مکر و فریب اور تدابیر شر کی طرح یہ حیلہ بھی ناکام و نامراد ثابت ہوا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت حسن کا فرمان ہے: ”جس کو نظر بد لگے، اس کو یہ آیات پڑھ کر دم کیا جائے۔ انسان کو کوئی اچھی صورت، اچھی چیز، فن پارہ یا کمال و ہنر کا کوئی ایسا مظہر و نمونہ نظر آئے، جو دل کو لبھائے اور اس کی طرف دل مائل ہو تو ”مَا شَاءَ اللَّهُ

لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ اور ”فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ“ پڑھ لینا چاہیے تاکہ وہ چیز اللہ نہیں ہے۔ ان چیزوں کو بالذات موثر ماننا شرک ہے اور ان کی تاثیر ذاتی کا ایمان و اعتقاد رکھے بغیر انہیں اختیار کرنا گمراہی، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی ہے۔

نظر لگنے کا حکم

سوال: کیا نظر کی تاثیر یا نظر لگنے کا ثبوت قرآن و سنت میں ملتا ہے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟
(محمد یاسین، ماڈل کالونی)

جواب: نظر کی تاثیر حدیث سے ثابت ہے صحیح مسلم میں ہے کہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکی کو دیکھا، جس کے چہرے پر جھائیاں تھیں۔ آپ نے فرمایا: ”اس کو نظر لگ گئی ہے اس پر دم کراؤ“۔ صحیح بخاری میں ہے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دم کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کو انہی کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔ وہ کلمات دعایہ ہیں:

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ هَامَّةٍ وَعَيْنٍ لَامَّةٍ“ ترجمہ: ”میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل و تمام کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور ہر موذی سے اور ہر نظر بد سے۔“

ستاروں کی تاثیر

سوال: کیا ستارے انسان کے مستقبل پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ برج سے کیا مراد ہے؟ کیا ستاروں کے ذریعے مستقبل کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے؟

(ڈاکٹر عطاء المصطفیٰ جمیل راٹھور، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: علم ہیئت (Astronomy) کے ماہرین اور قدیم یونانی فلسفیوں کا قول ہے کہ سات آسمانوں میں سے ہر آسمان پر ایک ستارہ گردش کر رہا ہے جسے وہ ”کوکب سیارہ“ کہتے ہیں۔ آٹھویں آسمان پر حرکت نہ کرنے والے ستارے ہیں جنہیں ”ثوابت“ کہتے

ہیں۔ آٹھویں آسمان پر سیاروں کے اجتماع سے مختلف اوقات میں مختلف شکلیں بنتی ہیں جو نویں آسمان، فلک اطلس پر اس کے شفاف ہونے کی وجہ سے منعکس ہوتی ہیں، انہیں یہ لوگ ”برج“ کا نام دیتے ہیں، یہ برج بارہ ہیں، حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ سب سیارات کے نام ہیں: قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مشتری، زحل۔ اہل نجوم (ستارہ پرت، جو ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں) کہتے ہیں: کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں پہنچ جائے تو بارش ہوتی ہے یا قحط پڑتا ہے یا طوفان آتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح یہ لوگ انسان کے نام اور تاریخ پیدائش سے سیارہ نکالتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت یہ سیارہ فلاں برج میں تھا اور اس کی یہ تاثیر ہے، یہ سعد ہے یا نحس ہے۔

قرآن نے آسمانوں کی تعداد نو نہیں بلکہ سات بتائی ہے۔ قرآن میں ”بروج“ کا ذکر ہے، لیکن ”بروج“ سے سورج کے سفر کی منازل ہیں۔ اسلام کی رو سے بارش کے برسنے، قحط سالی یا طوفان آنے، سعد یا نحس ہونے میں ستاروں کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ تمام امور اللہ تعالیٰ کی تقدیر، مشیت اور حکم کے تابع ہیں، اسی کی ہستی مؤثر بالذات ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حدیث ہے: صحابی زید بن خالد بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز پڑھائی، اس وقت رات کی بارش کا اثر باقی تھا، نماز سے فارغ ہو کر آپ حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟“ صحابہ نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر ہوئی اور بعض کی کفر پر ہوئی ہے، جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر خدا کے فضل و کرم سے بارش ہوئی، اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستاروں کی تاثیر سے بارش ہوئی، اس نے میرا انکار کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا۔“

سورج گرہن اور ستاروں کی تاثیر کی بابت اسلام کا نظریہ

قرآن مجید بنیادی طور پر ”کتاب ہدایت“ ہے، سورۃ البقرہ آیت نمبر 2 میں اسے ”اہل تقویٰ“ کے لئے ذریعہ ہدایت اور آیت نمبر 185 میں سارے عالم انسانیت کے لئے ہادی قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں آیات میں تطبیق اس طرح کی گئی ہے کہ قرآن کا پیغام ہدایت اور دعوت تو بلاشبہ ساری انسانیت کے لئے ہے لیکن اس سے فیض وہی پاتے ہیں جو اہل تقویٰ و ایمان ہیں۔ لہذا کتاب و سنت اور نبوت و رسالت کا بنیادی موضوع اور مشن عالم انسانیت کی رشد و ہدایت ہے۔ قرآن مجید میں اگر کہیں انفس و آفاق، حیات و کائنات، طبیعیات، فلکیات، ارضیات اور دیگر سائنسی و فنی علوم کی جانب اشارات و تصریحات ملتی ہیں تو ان کا مقصد بھی اہل فکر و نظر کے لئے تعقل اور تفکر و تدبر کی دعوت ہے، تذکیر و موعظت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت و جلالت، اس کی کتاب مقدس اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی حقانیت و صداقت پر حجت قائم ہو جائے، اس میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے بندوں کی فلاح و بقا کے لئے استعمال میں لانے کی ترغیب بھی ہے۔

اشیاء کی حقیقت، ان کے آثار اور ان میں تغیر و تبدل کی سائنسی توجیہات کیا ہیں؟ یہ قرآن و حدیث کا اصل موضوع نہیں ہے، یہ ضمنی مباحث ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان مباحث کو اپنی عظیم قدرت کی نشانی کے طور پر ضرور بیان فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے، یہ بڑی غالب اور علیم ہستی کا مقرر کیا ہوا نظام ہے، اور ہم نے چاند کے لئے بھی منزلیں مقرر فرمادی ہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ کر کھجور کی پرانی شاخ کی مانند (باریک) ہو جاتا ہے، نہ سورج کی یہ

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۶﴾ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۳۷﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۗ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۳۸﴾ (ياسين)

مجال کہ وہ (اپنی گردش کے دوران) چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، اور ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے۔“

دوسرے مقام پر فرمایا:

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَالنَّجْمُ
وَالشَّجَرُ يَسْجُدْنَ ۝ (الرحمن)

”سورج اور چاند حساب (اور قدرت کے مقررہ ضابطے) کے پابند ہیں اور (زمین پر بچھا ہوا) سبزہ اور (کھڑے) درخت (اس کے حضور) سجدہ ریز ہیں“

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُمَسِّكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ
أَنْ تَزُولَا ۗ وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا
مِنْ أَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي ۗ (فاطر: 41)

”بے شک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ اپنی جگہ سے (نہ) ہٹیں اور اگر وہ ہٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انہیں کوئی روک نہ سکے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ
اِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي
تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا
أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا
بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ
كُلِّ دَابَّةٍ ۗ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ وَ
السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَ

”بلاشبہ زمین و آسمان کی پیدائش، گردش لیل و نہار اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لئے سمندر میں رواں دواں ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمایا، پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کی

الْأَرْضِ لَا آيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٣﴾
 (البقرہ)

گردش اور بادلوں میں جو زمین و آسمان
 کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع
 ہیں، ضرور (ان سب میں) اہل عقل و
 خرد کے لئے (اللہ تعالیٰ کی معرفت کی)
 نشانیاں ہیں۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ سورج، چاند، ستارے، بحر و بر، ہوائیں، بادل اور گردش
 لیل و نہار، حتیٰ کہ پورا نظام کائنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، یہ سب مظاہر کائنات ایک
 قادر مطلق ہستی کے غیر مرئی (Unseen) نظم و ضبط کی لڑی میں اتنی شدت سے بندھے
 ہوئے ہیں کہ کسی کو مجال انحراف نہیں ہے۔ یعنی یہ نظام کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ
 ایک مربوط، منضبط اور منظم شاہکار قدرت ہے۔

موجودہ دور میں کسوف (سورج گرہن) اور خسوف (چاند گرہن) کی سائنسی توجیہ اور
 عادی سبب تو سب کو معلوم ہے کہ جب دوران گردش زمین اور سورج کے درمیان چاند حائل
 ہو جاتا ہے تو سورج کی روشنی جزوی یا کلی طور پر زمین پر پہنچ نہیں پاتی اور تاریکی چھا جاتی ہے،
 اسے سورج گرہن کہتے ہیں اور جب چاند اور سورج کے درمیان زمین حائل ہو جاتی ہے تو
 چاند گرہن ہو جاتا ہے۔ سائنس دانوں اور ماہرین فلکیات کے نزدیک یہ ایک معمول کی بات
 ہے جو وقتاً فوقتاً ظہور میں آتی رہتی ہے، لیکن اسلام کی نظر میں یہ ایک غیر معمولی صورتحال ہے،
 یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور قدرت و کمال کی ایک عظیم نشانی ہے اور مومن صادق اسے
 اسی زاویہ نظر سے دیکھتا ہے۔ گویا منظر (Scenario) ایک ہی ہے لیکن مومن اور کافر و ملحد
 کے زاویہ نظر اور طرز فکر میں بنیادی فرق ہے۔ کیونکہ جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ قدرت
 باری تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی ہے تو اس کی حکمت قرآن نے یہ بتائی ہے کہ:

”ہم اپنی نشانیاں (اپنے عذاب سے) ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں (بنی اسرائیل: 59)“
 یعنی یہ مقام عبرت ہے کہ جب سورج جیسا عظیم منبع حرارت و نور اور معلوم کائنات کا

سب سے بڑا مظہر ایک خاص وقت میں اور ایک خاص مرحلے پر زمین تک اپنی روشنی کی ترسیل پر قادر نہیں ہوتا اور اس کی روشنی کی شعاعوں کی راہ میں ایک محدود وقت کے لئے زمین یا چاند کا حائل ہونا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے اور کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اپنی قدرت و طاقت کے بل پر اس میں کوئی تبدیلی لائے یا اس گرہن کو ٹال دے یا اس کی مدت میں کمی بیشی کر دے۔ تو اس موقع پر انسان یہ سوچے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ سورج کے منبع حرارت و نور سے روشنی کو بالکل سلب فرما دے تو کس کے بس میں ہے کہ اسے بحال کر سکے اور جب قیامت قائم ہوگی تو ایسا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ (التکویر)

”جب سورج لپیٹ دیا جائے گا (یعنی

سورج کی وہ روشنی جو ساری کائنات کو منور کرتی ہے، اسی پر لپیٹ دی جائے گی اور

اس کی ترسیل (Transmission)

روک دی جائے گی)۔“

لہذا بندہ مومن جب قدرت باری تعالیٰ کی ایسی آیات عظیم کو دیکھے تو سراپا تسلیم و رضا بن کر اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائے اور یہ سوچے کہ جب سورج اور چاند جیسے عظیم مظاہر کائنات اس کے حکم کے آگے بے بس ہیں تو انسان عاقل کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کی حکم عدولی کرے، چنانچہ احادیث مبارکہ میں بکثرت آیا ہے کہ جب سورج گرہن لگتا تو حضور ﷺ بے اختیار نماز کے لئے نکل کھڑے ہوتے۔ جب عہد رسالت میں سورج گرہن لگا تو یہ ایک اتفاقی امر تھا کہ ان ہی دنوں نبی کرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے سورج گرہن کو اسی کا سبب قرار دیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان باطل نظریات کی واضح تردید کرتے ہوئے فرمایا، سورج یا چاند کو کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں لگتا بلکہ یہ دونوں (کسوف و خسوف) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو نماز پڑھو (صحیح مسلم) ایک اور روایت میں ہے

کہ اس تاریکی کو دیکھ کر قبر کی تاریکی کو یاد کرو اور عذابِ قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔
 پس معلوم ہوا کہ سورج گرہن کا کسی کی موت و حیات اور نفع و نقصان سے کوئی تعلق نہیں
 ہے، نہ ہی کسی شہ گھڑی یا خمس ساعت سے اس کا کوئی تعلق ہے، اسلام کی رو سے یہ سارے
 توہمات، نظریات اور عقائد باطل ہیں، فقط اتنی بات درست ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی
 نشانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا سورج گرہن کے موقع پر نماز کسوف پڑھنا اس لئے تھا کہ
 اس عالم اسباب میں لوگوں کی نظر اسباب پر ہوتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی نظر ذات
 مسبب الاسباب پر ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ کی جلالت، عظمت اور ہیبت دل پر چھا جاتی تھی کہ
 حرارت و نور کے اتنے بڑے سرچشمے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے کنٹرول کر رکھا ہے، اگر
 یہ زمین کے قریب آجائے تو سب کچھ جل کر خاکستر ہو جائے اور اگر زمین سے بہت دور چلا
 جائے تو شدید سردی کے سبب سارے ذی حیات فنا ہو جائیں۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے
 لوگوں کو نماز، توبہ و استغفار، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور ذکر و تسبیح کی تعلیم دی۔ سورج گرہن کے
 وقت سورج کی طرف دیکھنے کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، البتہ اگر طبی لحاظ سے ماہرین کی
 رائے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو ضرور احتیاط کریں یا ان آلات کی مدد سے دیکھیں جو تجویز
 کئے گئے ہوں۔ یہ خیال بھی شرعاً بالکل باطل ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر خواتین
 بالخصوص حاملہ خواتین پر کوئی خاص اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان توہمات کی شرعاً کوئی
 حیثیت نہیں ہے۔ البتہ خواتین کو بھی چاہیے کہ نماز، ذکر، توبہ و استغفار اور تسبیح و تہجد میں
 مشغول رہیں۔

صلوٰۃ کسوف

سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، باجماعت پڑھنا مستحب
 ہے، چار رکعات یا زیادہ بھی پڑھی جاسکتی ہیں، اس میں اذان و اقامت نہیں ہے، فقہ حنفی
 کے مطابق خطبہ بھی نہیں ہے اور یہ نماز عام نوافل کی طرح پڑھی جائے گی، افضل یہ ہے کہ
 سورج روشن ہونے تک نماز میں مشغول رہیں۔ قرأت طویل کریں اور رکوع و سجود میں

نسبجات بھی زیادہ پڑھیں۔ نماز سے فارغ ہو چکے ہوں تو دعا و اذکار اور استغفار میں مشغول رہیں۔ نماز باجماعت میں قرأت بلند آواز سے نہ کریں۔ یہ نماز تنہا بھی پڑھی جاسکتی ہے، باجماعت پڑھنی ہو تو عید گاہ یا مسجد میں پڑھیں۔ چاند گرہن کی نماز مستحب ہے، اسے تنہا پڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر تکبیر کہنے اور صدقہ دینے کا بھی حکم فرمایا ہے۔ لہذا صدقہ و خیرات بھی مستحب ہے۔

ستاروں کی تاثیر

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر حاضرین کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا: ”اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (ﷺ) ہی بہتر جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر ہوئی اور بعض کی کفر پر، جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم پر بارش ہوئی، اس نے مجھ پر ایمان رکھا اور ستاروں کا کفر کیا اور جس شخص نے یہ کہا کہ فلاں ستارے کی تاثیر سے ہم پر بارش ہوئی، اس نے میرا کفر کیا اور ستاروں پر ایمان رکھا (واضح رہے کہ اس رات بارش ہوئی تھی اور صبح تک اس کا اثر باقی تھا)۔ اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہوتا ہے، وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے کہ اس کی ہستی موثر بالذات ہے، کائنات کے تکوینی نظام میں ستاروں یا کسی اور چیز کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

عالم اسباب میں بعض چیزیں بظاہر علت اور معلول اور سبب اور مسبب (Cause and Effect) کے رشتے میں منسلک ہیں، لیکن ان امور میں بھی اسباب کی تاثیر قطعی اور ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کے تابع ہے۔ مثلاً شافی الامراض بالذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کی مشیت ہوتی ہے تو دوا سے شفا مل جاتی ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح وہ اپنی مشیت کو نافذ کرنے میں اسباب کا محتاج نہیں ہے بلکہ یہ محض

اس کی سنت جا رہی ہے، مثلاً عالم اسباب میں انسان کی تخلیق کا سبب والدین ہیں، لیکن اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے وسیلے کے بغیر، حضرت حوا علیہا السلام کو عورت کے وسیلے کے بغیر اور حضرت آدم علیہ السلام کو مرد و زن دونوں کے وسیلے کے بغیر پیدا فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ اس کی قدرت اسباب کی محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”تو مجھے قسم ہے ان جگہوں کی جہاں ستارے واقع ہوتے ہیں، اگر تم سمجھو تو یہ یہ بڑی قسم ہے، بے شک یہ بڑی عزت والا قرآن ہے، محفوظ کتاب میں (ہے)، اس کو صرف پاک لوگ چھونے کے اہل ہیں، (یہ) رب العالمین کی جانب سے نازل کیا ہوا ہے، تو کیا تم اس کلام کے ساتھ لا پرواہی کرتے ہو اور تم (قرآن میں) اپنا حصہ یہ رکھتے ہو کہ (اسے) جھٹلاتے ہو۔“

فَلَا أُقْسِمُ بِمَوْقِعِ النُّجُومِ ۗ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعَلَمُونَ عَظِيمٌ ۗ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۗ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۗ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۗ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۗ أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۗ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْتُمْ تُكْذِبُونَ ۗ (الواقعه)

قدیم فلاسفہ یونان اور علماء ہیئت کا یہ کہنا ہے کہ سات آسمانوں میں ہر آسمان پر ایک گردش کرنے والا ستارہ ہے جسے ”کوکب سیارہ“ کہتے ہیں، پہلے آسمان پر قمر، دوسرے پر عطارد، تیسرے پر زہرہ، چوتھے پر شمس، پانچویں پر مریخ، چھٹے پر مشتری اور ساتویں پر زحل ہے۔ آٹھویں آسمان پر ”ثابت“ ستارے ہیں جو حرکت نہیں کرتے، نواں آسمان فلک اطلس پر ہے جس پر کوئی ستارہ نہیں ہے۔ آٹھویں آسمان پر ستاروں کے اجتماع سے جو ہیئت بنتی ہے وہ نویں آسمان کے شفاف ہونے کی بناء پر اس پر منعکس ہوتی ہے۔ یہ بارہ شکلیں ہیں: ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ ان کو علماء ہیئت ”برج“ کہتے ہیں۔

اہل نجوم جو ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ جب فلاں برج میں پہنچ جائے تو مثلاً بارش ہوتی ہے یا قحط پڑتا ہے یا دریاؤں اور سمندروں میں طوفان آتے ہیں، یا اچھی فصل پیدا ہوتی ہے وغیرہ، یہ لوگ کسی شخص کے نام اور اس کی تاریخ پیدائش سے اس کا ستارہ نکالتے ہیں اور پھر بتاتے ہیں کہ اس کی پیدائش کے وقت اس کا ستارہ فلاں برج میں تھا اور یہ ستارہ سعد ہے یا نحس۔ اور پھر اس کی زندگی کے واقعات کو اس ستارے سے جوڑتے ہیں کہ مثلاً جب وہ فلاں برج میں پہنچے گا تو اسے سفر میں، تجارت میں یا کسی اور مقصد میں کامیابی ہوگی یا ناکامی۔ اخبارات میں کالم شائع ہوتے ہیں کہ ”آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا“ یہ سب انکل پچو باتیں ہیں، ظن و تخمین کے خیالی گھوڑے ہیں جو دوڑائے جاتے ہیں۔ اسلام میں ایسے باطل نظریات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، قضا و قدر، تقدیر اور نظام کائنات کی باگ دوڑ اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے، وہ مالک و مختار ہے، اس کی مشیت کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہلتا۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا؟ وہ خود فرخی افلاک میں ہے خوار و زبوں
قرآن مجید میں ”بروج“ کا ذکر ضرور ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”اور برجوں
والے آسمان کی قسم (البروج: 1)“ لیکن ان بروج سے مراد سورج، چاند اور ستاروں کی
منزلیں ہیں، کسی چیز یا کسی شخص کے خیر و شر میں یہ موثر بالذات نہیں ہیں اور حدیث پاک کی
رو سے جو ان ستاروں کو تکوینی امور میں موثر بالذات مانے، وہ کافر ہے، اللہ تعالیٰ کی
قدرت کا منکر ہے۔

اوجھڑی حلال یا حرام

سوال: جانور کی اوجھڑی کھانا حلال ہے یا حرام؟ بعض لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں،
اس کا شرعی حکم کیا ہے؟
(محمد علی، اورنگی ٹاؤن، کراچی)

جواب: رسول اللہ ﷺ نے حلال جانور کے جن اجزاء کو حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں
ذکر، فرج، خصیتین، غدود، پتہ، مثانہ اور دم مسفوح (بہنے والا خون) ان میں سے دم مسفوح

(ذبح کے وقت بہنے والا خون) تو حرام قطعی ہے کیونکہ اس کی حرمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور باقی چھ چیزیں مکروہ تحریمی ہیں۔ اوجھڑی کو ہم مٹانے پر قیاس کرتے ہیں۔ گوبر کا مستقر ہونے کی وجہ سے اوجھڑی کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔ اور طبیعت اور فطرت سلیم بھی اسے پسند نہیں کرتی بلکہ گھن آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور نبی (ﷺ) ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں“۔ اگر مٹانے اور اوجھڑی میں علت مشترکہ کو دیکھا جائے تو اس کا حکم بھی مکروہ تحریمی ہونا چاہیے، لیکن اگر اس پہلو سے دیکھا جائے کہ اس کی ممانعت حدیث میں مذکور نہیں ہے تو کم از کم مکروہ تنزیہی تو بہر حال قرار پائے گی۔

پولٹری فارم کی مرغیوں کی خوراک

سوال: پولٹری فارم کی غذا (Feed) کے بارے میں سنا ہے کہ اس میں ذبیحہ کے جانوروں کا خون اور ہڈیاں وغیرہ شامل ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں جانور کے ذبح کے وقت بہنے والے خون کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جو چیز حرام ہو وہ ناپاک بھی ہوتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ آیا (۱) حلال جانوروں کی غذا حرام اور ناپاک چیز سے تیار ہو سکتی ہے (ب) اور یہ کہ کیا (بہنے والے) خون کی بیع جائز ہے اور اس سے حاصل ہونے والی قیمت حلال ہے؟

جواب: (۱) ما کول اللحم (یعنی جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے یا جو عرف عام میں حلال جانور کہلاتے ہیں) کی غذا ان اشیاء سے ہو سکتی ہے۔ دیہاتوں میں مرغیاں گلی کوچوں میں پھرتی ہیں اور نجاست بھی کھاتی رہتی ہیں۔ فقہی اصطلاح میں گندگی کھانے والے جانور کو ”جلالہ“ کہتے ہیں۔ اگر نجاست کھانے یا پیشاب پینے سے جانور کا گوشت یا دودھ بدبودار ہو جائے تو اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے، بعض فقہاء نے اس کے پسینے کو بھی مکروہ لکھا ہے۔ لہذا ذبح سے پہلے یا دودھ استعمال کرنے کے لئے ایسے جانوروں کو اتنی مدت کے لئے تھان پر باندھ کر رکھا جائے کہ بدبو کا ازالہ ہو جائے۔ فتاویٰ درمختار میں لکھا ہے کہ مرغی کو تین دن تک، بکری کو چار دن تک اور اونٹ، گائے وغیرہ کو دس دن تک رکھا جائے۔ فتاویٰ شامی میں بزازیہ کے حوالے سے مردار کھانے والے اونٹ کو ایک ماہ تک،

گائے کو بیس دن تک اور بکری کو دس دن تک باندھے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہ اپنے قیاسات ہیں۔ لیکن اگر ان جانوروں کے گوشت میں ناپاک اشیاء کی بدبو سرایت نہ کرے اور اثر انداز نہ ہو تو ان کا کھانا مطلقاً حلال ہے۔ فتاویٰ ردالمحتار (شامی) اور درمختار میں یہی مسئلہ لکھا ہے۔ چونکہ فارم کی مرغیوں کے گوشت میں کسی بدبو کا اثر نہیں ہوتا لہذا وہ مطلقاً حلال ہیں۔ الغرض حلال جانور کی غذا حرام یا نجس وغیرہ سے ہو سکتی ہے، اس کے حلال اور طیب ہونے کی شرط نہیں ہے۔ (ب) ذبح کے وقت بہنے والا خون حرام اور ناپاک ہے لہذا شرعاً اس کی بیع جائز نہیں ہے اور اس کے عوض بائع کو حاصل ہونے والی قیمت اس کے لئے حلال نہیں ہے لیکن اس خون کو جمع کرنے اور پیک کرنے کا خرچ وہ لے سکتا ہے۔

مرد کے لئے زیور پہننا

سوال: (۱) کیا مرد کے لئے زیور پہننا جائز ہے؟ (۲) لوہے، تانبے، چاندی کی انگوٹھی جائز ہے؟ (محمد شریف بلوچ لیاری، کراچی)

جواب: (۱) مرد کے لئے زیور پہننا مطلقاً حرام ہے۔ (۲) لوہے، تانبے، پیتل، جست اور دیگر دھاتوں کی انگوٹھیاں مرد اور عورت دونوں کے لئے ناجائز ہیں۔ (۳) مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی، کڑے یا بالیاں حرام ہیں البتہ چاندی کی ایک انگوٹھی مرد کے لئے جائز ہے جس کا وزن ساڑھے چار ماشے سے زیادہ نہ ہو۔

اعتراف جرم

سوال: کیا مجرمان سے اعتراف جرم کرانے کے لئے انہیں جسمانی اذیت دینا درست ہے، اسے جسمانی ریمانڈ کا نام دیا جاتا ہے؟ (محمد ایوب عباسی، بولٹن مارکیٹ، کراچی)

جواب: ملزم سے تفتیشی ادارے کا تفتیش کرنا، تحقیق کرنا درست ہے، لیکن کسی جرم کے قطعی ثبوت کے بغیر سزا دینا، اذیت پہنچانا یا جبراً اقرار جرم کرانا، خواہ اس نے جرم کا ارتکاب نہ کیا ہو، درست نہیں ہے۔

بالوں میں خضاب لگانا یا رنگنا

سوال: از روئے شریعت بالوں اور داڑھی میں رنگ لگانا کہاں تک درست ہے؟
(منور رمضان، معمار کوٹ، گلشن اقبال، کراچی)

جواب: اس مسئلے کی شرعی حیثیت جاننے کے لئے یہ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہود و نصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے، سو تم ان کی مخالفت کرو۔“

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 875، سنن ابوداؤد جلد 2 صفحہ 222)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سفید بالوں کو متغیر کرو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔“ (جامع ترمذی صفحہ 266)

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جن چیزوں سے بالوں کا رنگ تبدیل کیا جاتا ہے، ان میں سب سے اچھی چیز مہندی اور کتم ہے۔“

(جامع ترمذی صفحہ 266)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”نبی کریم ﷺ بغیر بالوں کے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور اپنی داڑھی کو سرخ اور زرد رنگ سے رنگتے تھے۔“

(سنن ابوداؤد جلد 2 صفحہ 222)

(۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سفید بالوں کو نہ اکھاڑو، جس شخص کے بال بھی سفید ہوں گے، وہ قیامت کے دن اس کے لئے نور بن جائیں گے۔“

(سنن ابوداؤد جلد 2 صفحہ 224)

(۶) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آخر زمانہ میں ایک قوم کبوتر کے پوٹوں کی طرح سیاہ رنگ کے ساتھ اپنے بالوں کو رنگے گی، وہ (میدان حشر میں) جنت کی خوشبو نہیں پائے گی۔“ (سنن ابوداؤد جلد 2 صفحہ 222)

(۷) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ

کے ساتھ رنگے گی، اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔“

(مجمع الزوائد جلد 5 صفحہ 161)

سید المرسلین ﷺ کی داڑھی مبارک میں آپ ﷺ کے وصال مبارک تک زیادہ سے زیادہ بیس بال سفید تھے، بعض روایات میں ہے کہ سرخ اور زرد رنگ سے رنگے ہوئے تھے اور بعض میں ہے کہ سفید تھے، ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس صحابی نے جس حال میں مشاہدہ کیا، اسے بیان کر دیا۔ سفیدی اصل حالت ہے اور سرخ یا زرد رنگ وصف زائد ہے اور اصول یہ ہے کہ جس روایت میں وصف زائد ہو، وہ قابل ترجیح ہوتی ہے۔ بعض صحابہ و تابعین سے سیاہ رنگ کے استعمال کی روایات بھی ثابت ہیں، ان تمام احادیث و آثار کی روشنی میں خلاصہ کلام حسب ذیل ہے:

امام شافعی کے نزدیک سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے (یعنی سرخ، زرد، عنابی وغیرہ) اور سیاہ خضاب مکروہ تحریمی ہے۔ امام مالک کے نزدیک بالوں کو رنگنا مستحب اور سیاہ رنگ خلاف اولیٰ ہے۔ امام احمد کے نزدیک سفید بالوں کو رنگنا مستحب ہے اور سیاہ رنگ مکروہ ہے، بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین سے جو سیاہ رنگ ثابت ہے وہ حالت جنگ پر محمول ہے اور اس دور میں جہاد تقریباً تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ سیاہ خضاب کے بارے میں چونکہ احادیث مبارکہ میں وعید آئی ہے اس لئے مکروہ ہے اور اس سے اجتناب کرنا چاہیے، اس مسئلے پر مفصل اور مدلل بحث شرح صحیح مسلم مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی جلد 6 صفحہ 410 تا 427 پر موجود ہے، علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والے اصحاب اس کا مطالعہ کریں۔

خودکشی حرام کیوں؟

سوال: جب ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہوتا ہے تو خودکشی پر سزا کیوں ہے اور یہ فعل حرام کیوں ہے؟

(سعید اسد اللہ، کورنگی)

جواب: ”مشیت الہی“ اور ”رضائے الہی“ میں بڑا فرق ہے۔ دنیا میں ہر کام اللہ تعالیٰ

کی مشیت سے ہوتا ہے لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا بھی ہو۔ جیسے ایک معلم اپنے طلبہ کو پڑھاتا ہے، اس کی رضا اس میں ہوتی ہے کہ سب طالب علم دل لگا کر پڑھیں۔ خوب محنت کریں، آوارگی نہ کریں، اعلیٰ درجے میں کامیاب ہوں، لیکن بد قسمتی سے ایک طالب علم آوارہ ہے، پڑھائی پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ امتحان میں کامیابی اور ناکامی کا ایک ضابطہ ہے، معلم امتحان لیتا ہے۔ وہ طالب علم فیل ہو جاتا ہے۔ استاد کا اسے فیل کرنا، یہ اس کی مشیت ہے، قانون ہے، ضابطہ ہے لیکن اس کی رضا نہیں ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو عقل عطا کی ہے، کتاب الہی اور انبیاء کرام کے ذریعے شریعت کے احکام عطا کیے ہیں، نیکی اور بدی کی پہچان اور دونوں کا انجام بھی بتا دیا ہے۔ اسے اپنے اختیار اور صوابدید کے مطابق خیر و شر میں سے ایک راستے کو منتخب کرنے کا اختیار دیا ہے اور اسی اختیار پر جزا اور سزا ہے۔ انسان اپنی جان کا مالک نہیں ہے، انسان کی جان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے ہمیں صرف اس جسم و جان، عقل و خرد اور صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا اختیار دیا ہے۔ یعنی ہم اپنی جان کے متصرف ہیں۔ مالک نہیں ہیں لہذا ہمیں اپنی جان تلف کرنا تو درکنار، ایک عضو تلف کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا ”اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“۔ ”اپنے آپ کو قتل نہ کرو“۔ لہذا ”اتلاف عضو“ اور ”اتلاف جان“ (خودکشی) حرام ہے، گناہ ہے اور اس پر سزا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص زہر کھا کر خودکشی کرے گا، اس کی سزا یہ ہے کہ وہ جہنم میں زہر کھاتا رہے گا اور مسلسل اذیت پاتا رہے گا جو کسی بلند و بالا مینار یا بلڈنگ سے چھلانگ لگا کر خودکشی کرے گا، وہ جہنم کے گڑھے میں گرتا ہی چلا جائے گا، علیٰ ہذا القیاس۔ حضور ﷺ نے دوسری صورتوں کا بھی ذکر فرمایا۔ تو اب یہ جرم اور اس کی یہ سزا اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کا قانون مکافات عمل تو ہے اس کی رضا نہیں ہے، اس کی رضا تو اس میں تھی کہ اس کا بندہ اس کے احکام پر عمل کرتا اور جنت کی ابدی نعمتوں سے فیض یاب ہوتا۔

چوری شدہ مال

سوال: جن گھروں میں چوریاں ہوتی ہیں، کیا ان کا مال حلال کا نہیں ہوتا؟ کیونکہ اکثر لوگوں سے سنے میں آیا ہے کہ حلال کا مال کبھی ضائع نہیں ہوتا؟

(ڈینیئل سردار بھٹی، منظور کالونی)

جواب: کسی کا مال چوری ہو جائے یا ڈاکے میں لٹ جائے یا کسی ناگہانی آفت میں تلف ہو جائے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا نخواستہ وہ مال حلال کا نہیں تھا، ایسا مال حلال کمائی کا بھی ہو سکتا ہے اور حرام کا بھی، حرام مال ہونے کی صورت میں ہمارے ہاں یہ مقولہ عام ہے کہ مال حرام بود بجائے حرام رفت، مگر اس سے سارا قصہ تمام نہیں ہوتا، اگر حرام کا مال تلف بھی ہو جائے تب بھی ”کسب حرام“ کا جواب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دینا پڑے گا اور جس کا حق مارا ہے، اس کا تاوان بھی دنیا یا آخرت میں دینا پڑے گا۔ تاہم اگر حلال کمائی کسی آفت کا شکار ہو جائے یا چوری ہو جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش اور امتحان سمجھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور البتہ ہم تم کو کچھ ڈر، بھوک اور
(تمہارے) مالوں، جانوں اور پھلوں
میں کمی کے ذریعہ ضرور آزمائیں گے اور
(اے حبیب! مصیبت میں) صبر کرنے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَ نَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَ الْأَنْفُسِ وَ
الْثَّمَرَاتِ ۗ وَ بَشِيرِ الصَّابِرِينَ ﴿٥٥﴾ (البقرہ)

والوں کو بشارت دیجئے۔“

ایسی آزمائش کے موقع پر صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ یا تو دنیا میں ہی بہتر بدل عطا فرمائے گا یا آخرت میں اجر عظیم سے نوازے گا یا اسے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا یا درجات میں بلندی عطا فرمائے گا۔ ایسے موقع پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُونَ ﴿٥١﴾ پڑھنے کے بعد یہ دعا مانگنی چاہیے جو حدیث میں تعلیم فرمائی گئی ہے: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيبَتِيْ هَذِهِ وَ اَخْلَفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا، ترجمہ: اے اللہ! مجھے اس مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا

فرماتو (یقیناً) اللہ تعالیٰ اسے بہتر بدل عطا فرمائے گا (صحیح مسلم)

حلال کمائی اور دوسرے لوگ

سوال: ایک شخص ہے جو خود حلال کماتا ہے مگر اس کے دو بھائی حرام کماتے ہیں اور تینوں بھائی مل کر رہتے ہیں اور ایک ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ حلال کمانے والا چھوٹا ہے اور بڑوں کو منع کرتا ہے مگر وہ نہیں مانتے۔ چھوٹے بھائی کے لئے کیا حکم ہے؟ (محمد اسرار الحق، کراچی)

جواب: جو بھائی حلال روزی کماتا ہے، وہ دوسرے بھائیوں کو حرام کمائی سے منع کرے، اگر وہ کسی بھی تدبیر سے باز نہ آئیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لے، ہم ہر روز وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ”اے اللہ! جو تیرا فرمان ہے ہم اس سے قطع تعلق کرتے ہیں“۔ اور علیحدگی کے بعد بھی انہیں حرام سے بچنے کی ترغیب و تلقین کرتے رہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو خیر کی طرف مائل فرمادے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے رہیں، اور اگر علیحدگی میں کوئی ایسی وجوہ حائل ہوں جن کا ازالہ اس کے بس میں نہیں ہے تو کھاتے پیتے وقت یہ نیت کریں کہ میں اپنی حلال کمائی کا حصہ کھا رہا ہوں، جو شخص حلال کماتا ہے، حلال کھاتا ہے، کوئی اور سبب مانع نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔

تعویذ کی شرعی حیثیت

سوال: کیا تعویذ باندھنا جائز ہے۔ بعض لوگ اسے شرک کہتے ہیں؟

(نور نبی، شاہ پور چاکر، سندھ)

جواب: ”عوذ“ اور ”عمیاذ“ کے معنی ہیں پناہ مانگنا، کسی کے شر سے پناہ مانگنا اور کسی کی حفاظت و پناہ میں آنا۔ ”تعویذ“ سے مراد وہ اسمائے مقدسہ اور آیات ہیں جو کسی شر یا مرض سے بچاؤ کے لئے گلے میں باندھے جاتے ہیں۔ کسی کے لئے دعائے خیر، آیات الہی یا کلمات مقدسہ پڑھ کر دم کرنا یا اسمائے مبارکہ اور آیات لکھ کر تعویذ کی صورت میں باندھنا یا لٹکانا شرعاً جائز ہے۔ امراض جس طرح جسمانی و طبعی ہوتے ہیں، اسی طرح روحانی، اخلاقی اور اعتقادی

بھی ہوتے ہیں، اس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے ”شافی الامراض بالذات“
 صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی مشیت کے بغیر شفاء کا ملنا ناممکن ہے لیکن
 یہ عالم اسباب ہے اور ہم شرعاً اسباب کو اختیار کرنے کے مکلف ہیں یا یہ کہ اسباب کا اختیار
 کرنا جائز ہے۔ جیسے بیماری کی صورت میں ہم ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں اور دواؤں کا
 استعمال کرتے ہیں، لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ طبیب کی تشخیص اور دوا کی تاثیر اللہ تعالیٰ کی
 مشیت کے تابع ہے۔ اس طرح دعا، دم اور تعویذ وغیرہ ازالہ مرض و شرکے روحانی اسباب
 ہیں جیسے دوا مادی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

”اور ہم قرآن میں ایسی چیز نازل
 فرماتے ہیں جو اہل ایمان کے لئے
 (وسیلہ) شفا و رحمت ہے اور اس سے
 ظالموں کے لئے خسارے میں اضافہ ہی
 ہوتا ہے۔“

و نُنزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ
 رَاحَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ
 إِلَّا خَسَارًا ﴿۱۰﴾ (بنی اسرائیل)

اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ قرآن اخلاقی اور اعتقادی امراض کے لئے شفا ہے، تاہم جمہور
 مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آیات قرآنی پڑھ کر دم کرنے یا آیات و اسمائے الہی کا تعویذ
 باندھنے سے اللہ تعالیٰ جسمانی امراض سے بھی شفا عطا فرماتا ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو
 داؤد اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور
 ایک شخص جو بچھو کے کاٹنے سے تڑپ رہا تھا اسے شفا مل گئی، انہوں نے اس پر بکریوں کا
 ریوڑ معاوضہ بھی لیا۔ لیکن صحابہ کا آپس میں اختلاف ہو گیا کہ آیا یہ اجرت، جسے آج کل کی
 اصطلاح میں نذرانہ کہتے ہیں، جائز ہے یا نہیں لہذا انہوں نے توقف کیا اور مدینہ طیبہ پہنچ کر
 حضور ﷺ سے اس کا شرعی حکم دریافت کیا تو آپ نے نہ صرف اسے جائز قرار دیا بلکہ
 فرمایا کہ اس میں سے مجھے بھی دو۔ یہ بعض مواقع پر حضور اس لئے کرتے تھے تاکہ صحابہ کرام
 کو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ آیات قرآنی اور کلمات مقدسہ پڑھ کر دم کرنے

(نظر بد یا موذی جانوروں کے ایذا یا جنات وغیرہ کے اثر یا مرگی کے دورے سے تحفظ کے لئے) کا ثبوت و جواز متعدد احادیث مبارکہ اور رسول اللہ ﷺ کے اپنے عمل مبارک سے بھی ثابت ہے۔ لیکن یہ قرآن مجید کی ضمنی اور اضافی برکات ہیں۔ بنیادی طور پر قرآن مجید کتاب ہدایت اور ضابطہ عمل ہے جس پر ایمان بھی ضروری ہے اور اس کے احکام پر عمل بھی، اور قرآن پاک کی اسی جہت کو غالب حیثیت حاصل ہے۔ جن احادیث مبارکہ میں تعویذ یا دم کی ممانعت آئی ہے وہ اس پر محمول ہے کہ (۱) وہ دم یا منتر کلمات شرک و کفر یا کلمات ضلالت پر مشتمل ہو اور (۲) یا یہ کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ذات کو فراموش کر کے محض اسباب کو موثر بالذات مانے۔ بلاشبہ موثر بالذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسباب میں تاثیر اسی نے پیدا فرمائی اور وہ جب چاہے اسے سلب فرما سکتا ہے۔

رات کے وقت ناخن کاٹنا

سوال: کہا جاتا ہے کہ رات کے وقت ناخن نہیں کاٹنے چاہئیں کیونکہ اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے، کیا یہ درست ہے؟
(نائلہ، کراچی)

جواب: رات کے وقت ناخن کاٹنے کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے، ممکن ہے کسی بزرگ نے اسے کاہلی سمجھ کر منع کیا ہو۔

”اذان“ کے نام سے فلم بنانا

سوال: عرض یہ ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں شعبہ شو بزز سے تعلق رکھنے والی ایک اداکارہ نے لفظ ”اذان“ پر فلم بنانے کا اعلان کر رکھا ہے جس پر علماء کرام سمیت سائل کو اس نام سے فلم بنانے پر شدید اعتراض ہے۔ اس سلسلے میں اخبارات کے ذریعے اس پر زبردست احتجاج کیا گیا، جس کے جواب میں موصوفہ نے جہاں شعائر اللہ کی بے حرمتی کی وہاں علماء کرام کی شان میں بھی گستاخی کی۔ راقم نے بھی وقتاً فوقتاً اس موضوع پر اپنی سی کوشش کی، جس کے نتیجے میں اب ان کا جو موقف سامنے آیا ہے، اس کے متن کی کاپی بھی اس سوال کے ساتھ منسلک ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے التماس ہے کہ قرآن و سنت کی

روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ کیا واقعی ”اذان“ کے نام کو کرپشن، تعصب، لسانیت کے سدباب کے لئے اور فلم میں علامتی طور پر ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ بصورت دیگر اس نام سے فلم روکنے پر کیا اقدام کیے جاسکتے ہیں؟

(سید منیر احمد، خواجہ چوک، حیدرآباد سندھ)

جواب: ”اذان“ اسلامی شعائر میں سے ایک شعار ہے۔ اس کو اسلامی شعار کے بجائے لہو و لعب میں استعمال کرنا حرام ہے۔ جب کہ فلم بنانا، فلم میں کام کرنا یا معاونت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

تو ایک کام جو اپنی اصل اور صورت ظاہری دونوں اعتبار سے ایک سے زائد شرعی ممنوعات پر مشتمل ہے، اس کے تعارف و فروغ کے لئے ”اذان“ کے نام کو استعمال کرنا جو ایک خالص اسلامی شعار ہے، حرام اور کفر کے قریب ہے۔ لہذا اس سے اجتناب لازمی ہے اور حکومت کو چاہیے کہ فلموں کے لئے اسلامی شعائر کا نام استعمال کرنے پر پابندی لگائے۔

آنکھوں کی گناہ سے حفاظت

سوال: میں ایک دکان دار ہوں۔ ایک لڑکی بائیں کھڑی، دوسری دائیں، تیسری سامنے، میں اپنی آنکھیں بچا نہیں سکتا، کیا کروں؟ (احمد شاہ)

جواب: آپ نے جو صورت حال بیان کی ہے کہ یہ واقعی آزمائش ہے۔ ایسے ہی امور کو شریعت نے ”فتنہ“ سے تعبیر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور (اے رسول ﷺ) آپ مومن قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ (النور)

مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔“

سب سے اولین احتیاط تو یہ ہے کہ اپنی نگاہیں حتی الامکان بچائے رکھے، غیر ارادی پہلی نظر پر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مواخذہ نہیں ہے، لیکن لذت نگاہ، حظ نفس اور شہوت رانی کے لئے غیر محرم خاتون کو دیکھنا حرام ہے، ”لا حول“ پڑھتے رہا کریں۔

معوذتین پڑھتے رہا کریں (قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ) جب نفس آمادہ لذت کرے تو جہنم کی آگ کے شعلوں کا ذہن میں تصور کریں، حضرت ذوالنون نے فرمایا ”جب نظر نہ آنے والا شیطان تمہیں بہکائے تو اس کے شر اور وسوسے سے اس ذات باری تعالیٰ کی مدد مانگو جو شیطان کے دائرہ نگاہ سے بھی باہر ہے اور جس کی نگاہ و قدرت میں شیطان اور اس کا مکر و فریب ہے۔ اس کے علاوہ کوشش بھی کرتے رہیں اور دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ایسا وسیلہ رزق عطا فرمائے جس میں غیر محرم عورتوں سے واسطہ نہ پڑے۔

دوسروں کی چیزیں استعمال کرنا

سوال: بہت سے لوگ دوسروں سے چیزیں لے کر استعمال کے بعد ادھر ادھر ڈال دیتے ہیں؟

جواب: حسن اخلاق اور شرافت نفس کا تقاضا ہے کہ دوسرے کی چیز بلا اجازت استعمال نہیں کرنی چاہیے اگر اس نے استعمال کی آزادانہ اجازت دے رکھی ہے تو استعمال کے بعد چیز جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دینی چاہیے تاکہ اسے تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو۔

انسان کے گھر میں اور باہر الگ الگ رویہ

سوال: بہت سے لوگ دینی مجالس میں شرکت کرتے ہیں اس کے علاوہ مذہبی لٹریچر بھی پڑھتے ہیں، مگر گھر میں جن کے ساتھ زیادہ وقت گزارتے ہیں، انہیں ہر طرح سے آزار پہنچاتے ہیں جب کہ گھر سے باہر دوسروں کے ساتھ اچھا رویہ رکھتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(تبسم حمید)

جواب: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ”تم میں سے سب سے بہتر شخص وہ ہے جس کا

رویہ، سلوک اور برتاؤ اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔ کسی شخص کی سیرت و کردار، اخلاق کا اصلی رخ اور داخلی پرت اس کے اہل خانہ کے سامنے ہی اپنی اصل شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں بے ساختگی ہوتی ہے، تصنع اور فریب نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس بعض لوگ دہری شخصیت کے مالک ہوتے ہیں گھریلو زندگی میں بدخو، بدکلام اور بد اطوار ہوتے ہیں۔ جب کہ گھر سے باہر خارجی زندگی میں اپنی شخصیت پر خوش اخلاقی کا نقاب چڑھا لیتے ہیں۔ اسلام ایسی دو عملی کو پسند نہیں فرماتا، آدمی کو چاہیے کہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی اسی حسن اخلاق سے پیش آئے جس سے دوسروں کے ساتھ پیش آتا ہے۔

دوسرے لوگوں کو تکلیف دینا

سوال: میری رہائش کے قریب ایک صاحب روزانہ 12 بجے اپنی گاڑی میں ایک بڑا تھیلا گوشت کالے کر آتے ہیں اور کتے، بلیوں، کوؤں اور چیلوں کو کھلاتے ہیں۔ یہ کام وہ اپنے گھر کے آگے نہیں بلکہ میرے گھر کے آگے کرتے ہیں جہاں ہر وقت کتے، بلیاں، کوئے جمع رہتے ہیں۔ برائے مہربانی یہ بتائیے کہ ان کو اس کا کوئی ثواب ملے گا؟ (محمد علی خان)

جواب: جانوروں کو کھلانا بلاشبہ ثواب ہے لیکن ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ ایک ہاتھ سے ثواب کمائے اور دوسرے ہاتھ سے اسے گنوائے۔ پڑوسیوں کے بھی حقوق ہوتے ہیں بلکہ بہت زیادہ ہیں، لہذا مذکورہ شخص کو پڑوسیوں کے لئے باعث آزار بننے کے بجائے اپنے گھر کے سامنے یہ کار خیر کرنا چاہیے اور اگر جگہ ایسی ہے کہ راہ چلنے والوں کے لئے اذیت کا باعث ہے تو پھر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں کسی کو تکلیف و اذیت نہ پہنچے۔

بزرگان دین کے مزارات پر عقیدت

سوال: کیا بزرگان دین کی قبور کو تعظیماً سجدہ کرنا، ان کا طواف کرنا اور بوسہ دینا شرعاً جائز ہے؟ (تاج محمد، لائڈھی، کراچی)

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام، اولیائے کرام یا کسی کی بھی قبر کو عبادت کی نیت سے سجدہ کیا جائے تو یہ شرک ہے، محض تعظیم و توقیر کی نیت سے سجدہ کیا جائے تو یہ بھی شرعاً حرام

ہے، صرف بیت اللہ کا طواف ہی عبادت ہے، قبور انبیائے کرام علیہم السلام یا اولیائے کرام کا طواف تعظیماً کیا جائے تو یہ بھی ناجائز ہے، عامۃ المسلمین کو قبر کو بوسہ دینے سے بھی منع کیا جائے، زیادہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

میت کے ایصالِ ثواب کے لئے اہتمام

سوال: اہل میت کی طرف سے میت کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی اور کھانے کا اہتمام کیا جاتا ہے جسے عام طور پر وہ تمام رشتے دار اور احباب کھاتے ہیں جو معاشی طور پر خوشحال ہوتے ہیں، کیا یہ کھانا مال داروں کے لئے جائز ہے یا صرف فقراء کے لئے جائز ہے؟

(عبد القادر نجمی، نئی کراچی، کراچی)

جواب: کتاب و سنت سے تقریباً تو اتر کی حد تک یہ بات ثابت ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو بھی نیک عمل کیا جائے مثلاً قرآن خوانی، مستحقین کے لئے کھانے کا اہتمام یا لباس کی فراہمی، نقد صدقات یا مساجد و مدارس کی تعمیر میں حصہ لے کر صدقہ جاریہ کا اہتمام کرنا وغیرہ۔ تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اس سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کا جو اہتمام ہوتا ہے اور ان مواقع پر کھانے کا جو اہتمام ہوتا ہے، اس کی حیثیت نفلی صدقے کی ہے۔ افضل تو بلاشبہ یہی ہے کہ یہ صرف فقراء و مستحقین پر صرف کیا جائے اور اس صورت میں اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں یقیناً زائد ہو گا۔ تاہم چونکہ یہ نفلی صدقہ ہے اس لئے مال داروں کے لئے بھی اس کا کھانا جائز ہے اور اس پر بھی اجر ملے گا۔

میت کو دوسری جگہ دفن کرنا

سوال نمبر 1: جس قبرستان میں سیلابی پانی جمع ہو اور قبروں کے اندر بھی پانی بھرا ہوا ہو تو کیا میت کو نکال کر کسی اور قبرستان میں دفن کر سکتے ہیں؟

سوال نمبر 2: شرعی عذر کیا ہے جس کے تحت قبر سے میت کو نکال کر کہیں اور دفن کیا جائے؟

سوال نمبر 3: سونے چاندی کے ذاتی استعمال کی کتنی مقدار ہے جس کو وزن کر کے زکوٰۃ ادا کی جائے؟۔
(عبداللہ، محمود آباد، کراچی)

جواب نمبر 1: عذر شرعی کی وجہ سے قبر کو کھودنا جائز ہے اور میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ منتقل کرنا بھی جائز ہے۔ جب قبرستان میں سیلاب یا سیم و تھور کا پانی آجائے تو ان صورتوں میں میت کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔ اگر غالب امکان یہ ہے کہ میت گل سڑ چکی ہے، سلامت نہیں رہی یا اس پر تغیرات آچکے ہیں تو قبر کو اندر سے چھیڑے بغیر اوپر سے مرمت کر لیں کہ قبر کا نشان باقی رہے۔

جواب نمبر 2: شرعی عذر یہ ہے کہ میت کو کسی دوسرے شخص کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر دفن کیا گیا ہو اور وہ شخص مطالبہ کرے کہ زمین خالی کی جائے یا قبرستان میں سیلاب کا پانی آئے اور خدشہ ہو کہ زمین پانی میں ڈوب جائے گی تو ان صورتوں میں میت کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے۔

جواب نمبر 3: فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ چاندی دو سو درہم یعنی 612.36 گرام ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے جب کہ سونا 20 دینار یعنی 87.48 گرام ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ البتہ اگر نقد رقم ہے یا مال تجارت ہے یا متفرق چیزیں ہیں اور ان کی مجموعی مالیت 612.36 گرام چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر بن جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید سفر میں کیسے لے جائیں

سوال: میری نو اسی امریکہ سے آئی ہوئی ہے وہ اپنے ساتھ قرآن شریف لے جانا چاہتی ہے کیا وہ اپنے سوٹ کیس کے درمیان قرآن شریف رکھ کر لے جاسکتی ہے، بے ادبی تو نہیں ہوگی، یہ سوٹ کیس کارگو میں دے دیا جائے تو گناہ تو نہیں ہوگا؟

(حکیم محمود علی بیگ پی ای سی ایچ ایس، کراچی)

جواب: زیادہ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کسی پاک کپڑے یا بیگ میں لپیٹ کر اپنے

گلے میں لٹکا لے یا مسافروں کے سروں کے اوپر ہلکا سامان رکھنے کے لئے جو خانہ ہوتا ہے اس میں دوسرے سامان کے اوپر رکھ لے اس میں کوئی دشواری ہو تو کپڑے میں لپیٹ کر بیگ میں سامان کے اوپر یا درمیان میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ کسی مسلم ملک کی ایئر لائن یا خاص طور پر پی آئی اے میں سفر کر رہے ہیں تو ہمارا مشاہدہ ہے کہ عملے کے لوگ بھی اس سلسلے میں کافی تعاون کرتے ہیں، آپ عملے کی مدد بھی لے سکتے ہیں کیونکہ موجودہ دور میں ہمارے اعمال کا معیار تو بلاشبہ بہت گرا ہوا ہے، لیکن قرآن مجید کی توقیر و احترام کے بارے میں بالعموم ہر طبقے کا مسلمان حساس ہوتا ہے۔

کیا سینے میں دودل ہو سکتے ہیں

سوال: اخبارات میں آیا ہے کہ ایک ایسا لڑکا پیدا ہوا ہے جس کے سینے میں دودل ہیں، جب کہ قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دودل نہیں بنائے۔ یہ خبر پڑھ کر میرا ایمان متزلزل ہو رہا ہے اور اسلام کے بارے میں میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے اور فاسد خیالات پیدا ہو رہے ہیں ازراہ کرم میرے ان خدشات کا ازالہ فرمادیتے؟
(ن س، لائڈھی، کراچی)

جواب: سورۃ الاحزاب آیت نمبر 4 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لئے اس کے سینے میں دودل نہیں بنائے اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یعنی یہ کہتے ہو کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے) اللہ نے انہیں تمہاری ماں نہیں بنایا۔ اور نہ ہی اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (حقیقی) بیٹا بنایا ہے یہ سب تمہارے

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِۦٓ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمْ اِلٰى تَظْهَرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهَاتِكُمْ ۗ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ ۗ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿٤﴾ (الاحزاب)

اپنے منہ کی (بنائی ہوئی) باتیں ہیں اور
اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور وہی (سیدھی)
راہ دکھاتا ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ”قلب“ کی اصطلاح استعارہ کے طور استعمال کی ہے۔ یہاں قلب سے مراد گوشت کا وہ ٹکڑا یا توٹھڑا نہیں ہے جو انسان کے سینے میں دھڑکتا ہے اور جو بدن میں رگوں کے ذریعے صاف خون کو پمپ کرتا ہے اور جس کے صحیح کام کرنے پر انسان کی جسمانی صحت کا مدار ہے۔ بلکہ اس سے مراد انسان کی قوت عاقلہ ہے، جس کے ذریعے وہ حقائق کا ادراک کرتا ہے اور وہ خیر و شر میں تمیز کرتا ہے۔ جو محبت یا نفرت کا محل ہوتا ہے۔ اور یہ انسان کی عقل یا انسان کا دماغ ہے۔ قرآن و حدیث میں اسے کہیں ”قلب“ سے تعبیر کیا ہے، کہیں ”نفس“ سے، کہیں ”عقل“ سے اور کہیں ”فؤاد“ کہا ہے۔ رہا یہ سوال کہ جب قرآن و حدیث میں اس سے مراد عقل و دماغ ہے تو اس کے لئے ”قلب“ کی اصطلاح کیوں استعمال کی گئی؟ تو جواباً عرض ہے کہ قرآن مجید بنیادی طور پر طب یا سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ ”کتاب ہدایت“ ہے، لہذا اس میں ایسے الفاظ، استعارات اور اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو لوگوں کے عرف محاورہ اور روزمرہ کے مطابق ہوں تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور حق ثابت ہو جائے۔ عرف عام اور روزمرہ اور محاورات میں ادراک، احساس، محبت اور نفرت کے لئے مجازاً قلب (دل) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، مثلاً میں نے دل میں سوچا میرے دل میں یہ خیال آیا، میرا دل اس کو نہیں مانتا، میرا دل اس سے نفرت کرتا ہے، میرے دل میں اس کی بڑی عزت یا محبت ہے وغیرہ۔ ائمہ اربعہ میں سے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے کہ عقل کا محل و مرکز دماغ ہے اور جدید طب اور سائنس بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ اس تفصیلی بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ آیت میں قلب سے مراد دل نہیں بلکہ عقل ہے۔ لہذا اگر کوئی بچہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کے سینے میں دو دل ہیں تو یہ قرآن کے منافی نہیں ہے اور نہ ہی اس پر شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے

کی ضرورت ہے۔ باقی یہ سوال کہ ”اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لئے اس کے سینے میں دو دل نہیں بنائے“ اس کا مطلب کیا ہے؟ تو امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور علامہ قرطبی نے تفسیر ”الجامع لاحکام القرآن“ میں اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے:

(۱) جب عقل انسانی ایک ہے تو ایک انسان کی عقل میں یا تو ایمان ہوگا یا کفر، دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

(۲) ایک ہی عقل میں اللہ تعالیٰ اور غیر اللہ کی محبت ایک ہی درجے میں جمع نہیں ہو سکتی۔

(۳) یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کے دل میں تقویٰ بھی ہو، اللہ تعالیٰ سے ڈرے بھی اور غیر اللہ سے بھی اس طرح ڈرے جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے چنانچہ فرمایا:

”اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک ٹھہراتے ہیں، اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے، اور جو اہل ایمان ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات سے (سب سے) زیادہ محبت کرتے ہیں“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ
(البقرہ: 165)

اور فرمایا:

”آپ لوگوں کی طعن و تشنیع سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ
تَخْشَاهُ (الاحزاب: 37)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

’ شیخ محمد یوسف لدھیانوی کی خدمت میں چند گزارشات بہ سلسلہ

”آپ کے مسائل اور ان کا حل“

تمہید: ہر جمعہ کو روزنامہ ”جنگ“ کراچی کے ”اقرا ایڈیشن“ میں شیخ محمد یوسف لدھیانوی کا کالم ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ شائع ہوتا ہے، اس کالم پر ادارے کی طرف سے موصوف کی اجارہ داری ہے، لہذا جوابات میں وہ اپنے ذاتی نظریات کو اکثر ترجیح دیتے ہیں، حالانکہ وقتاً فوقتاً یہ نوٹ لکھا جاتا ہے کہ مسائل کا جواب ”فقہ حنفی“ کے مطابق دیا جاتا ہے لیکن بعض اوقات اس کی رعایت نہیں کی جاتی۔ اس سے قارئین غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، بعض اوقات دین کی مصلحت اور حکمت کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ سطور ذیل میں ہم چند اہم مسائل کی نشاندہی کر رہے ہیں تاکہ قارئین کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔

شہید کی نماز جنازہ

روزنامہ جنگ کراچی کے 26 ستمبر 1997ء کے ایڈیشن میں شیخ لدھیانوی لکھتے ہیں: ”جو شخص کسی کے ہاتھ سے بے گناہ قتل کیا جائے، وہ شہید ہے اور شہید کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔“

یہ مسئلہ احناف کے مسلمہ اور اجتماعی موقف کے سراسر خلاف ہے۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الشہید میں حدیث نمبر 1344 میں ہے:

”حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن نکلے اور آپ ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی، جیسے کہ میت پر پڑھی جاتی ہے، پھر آپ ﷺ (خطبہ دینے کے لئے) منبر کی طرف پلٹے اور فرمایا: ”میں (آخرت میں) تمہارا پیشرو ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں، اور اللہ کی قسم میں اس وقت بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، یا (آپ ﷺ نے فرمایا) زمین کی کنجیاں دی

گئی ہیں اور بخدا مجھے اس بات کا خدشہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ خدشہ ضرور ہے کہ تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔“

اس حدیث کے تحت محدثین و شارحین نے لکھا ہے کہ اگر ایک واقعے کے بارے میں ایک روایت اثبات کی ہو اور دوسری نفی کی تو ترجیح کا مسلمہ اصول یہ ہے کہ روایت ”اثبات“ کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے علاوہ المبسوط مصنفہ شمس الائمہ محمد ابن احمد سرحسی، رد المحتار مصنفہ علامہ ابن عابدین شامی، عالمگیری مؤلفہ ملا نظام الدین، الہدایہ مصنفہ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی اور فقہ حنفی کی تمام امہات کتب میں یہ مسئلہ درج ہے۔ بلکہ فقہاء احناف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ قرآن و سنت میں جو ”حیات شہداء“ کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ عالم برزخ و آخرت کے اعتبار سے ہے، دنیوی احکام کے اعتبار سے ان پر موت کا اطلاق کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ شہید کی میراث تقسیم ہوتی ہے، شہید کی بیوہ عدت و فوات گزرنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔

اگرچہ یہ بات قوی آثار و روایات سے ثابت ہے کہ بسا اوقات شہدا کے دنیوی اجسام بھی باقی رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے۔ عام برزخی زندگی تو کفار کو بھی حاصل ہے۔ اور ان کی ارواح کا ان کے اجسام کے ساتھ ایک خاص قسم کا تعلق قائم ہوتا ہے، جس سے وہ عذاب کی اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان کے برعکس ثواب و جزا کی لذت کو محسوس کرتے ہیں۔ شہید کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی زندگی شہادت کے بعد بھی جسمانی اور بدنی زندگی ہوتی ہے۔

والدین کی نصیحت

اسی اشاعت میں ”اطاعت والدین“ کے تحت شیخ لکھتے ہیں: ”لیکن نہ ان کو نصیحت کرو“۔ یعنی والدین کی ناحق بات پر ان کو قبول حق کی نصیحت نہ کرو۔ یہ مسئلہ قرآن کے عمومی حکم ”وَتَوَاصُوا بِالْحَقِّ“ (یعنی ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت و نصیحت کرو) کے سراسر خلاف ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی ماں باپ کو دعوت حق اور نصیحت کا ثبوت ملتا ہے، امام محمد بن اسماعیل بخاری نے ”الادب المفرد“ میں ”باب عرض الاسلام علی الام النصرانیة“ کے تحت حدیث نمبر 34 نقل کی ہے، راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرما رہے تھے: ”میرے بارے میں جس یہودی و نصرانی نے بھی سنا، اس نے مجھ سے محبت کی، (بات یہ ہے کہ) میں چاہتا تھا کہ میری ماں اسلام قبول کرے تو وہ انکار کر دیتیں، میں نے پھر انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے انکار کر دیا، پھر میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری ماں کے لئے دعا فرمائیے (کہ وہ اسلام قبول کر لے) حضور نے دعا فرمائی، میں واپس آیا اور وہ اپنا دروازہ بند کر چکی تھیں، انہوں نے (اندر ہی سے) آواز دی، ابو ہریرہ میں نے اسلام قبول کر لیا، میں نے اس خوشخبری کی اطلاع حضور ﷺ کو دی اور عرض کی: (یا رسول اللہ ﷺ) میرے لئے اور میری ماں کے لئے دعا فرمائیے! تو حضور انور ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ! تو اپنے بندے ابو ہریرہ اور اس کی ماں دونوں کو لوگوں کی نظروں میں محبوب بنا دے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں کو بار بار قبول حق کی نصیحت کی اور حضور ﷺ نے نہ صرف یہ کہ انہیں اس ”دعوت حق“ سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان کی ماں کے لئے دعا فرما کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب انسان اپنے والدین کو نصیحت کرے، ناحق بات پر ان کی غلطی کی نشاندہی کرنا چاہے تو ملامت و ملاطفت کا لب و لہجہ اختیار نہ کرے، ادب کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھے، مثلاً یوں کہے کہ: ”ابا جان! میرے خیال میں مسئلہ یہ ہے، بہتر ہوگا آپ کسی عالم سے معلوم کریں، اگر میں غلطی پر ہوا تو میری اصلاح ہو جائے گی، وغیرہ۔“

کارخانوں اور دفاتر میں نماز جمعہ

حکومت پاکستان نے جب فروری 1997ء میں تقریباً 20 سال کے بعد اچانک جمعہ کی تعطیل کو منسوخ کر دیا تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ کارخانوں اور دفاتر کی مساجد میں نماز جمعہ ادا

کرنا جائز ہے یا نہیں؟ شیخ لدھیانوی سے جب یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے جنگ کے صفحات پر جواب دیا کہ: ”جہاں عام مسلمانوں کو آ کر نماز پڑھنے کا اذن عام نہ ہو، وہاں نماز جمعہ ادا کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے اذن عام شرط ہے۔“ اصولی طور پر تو شیخ کی یہ بات درست ہے، لیکن مسند افتاء کے لئے نفس مسئلہ کو جاننے کے ساتھ ساتھ فقہت، دینی بصیرت، مصالح دینیہ کا ادراک، عرف سے آگاہی، فرع کو اصل پر قیاس کرنے، ایک جیسی نظائر کے ایک دوسرے پر انطباق، مجتہدانہ فکر اور اصابت رائے بھی ضروری ہے۔ مشہور قول ہے کہ: ”جو فقیہ اپنے دور کے عرف سے آگاہ نہیں، وہ جاہل ہے۔“

چنانچہ صحت جمعہ کی ایک شرط ”اذن عام“ کے تحت ”در مختار“ اور ”ردالمحتار“ میں ہے کہ اگر دشمن کے خطرے کے پیش نظر قلعے (فصیل شہر کا دروازہ ہو۔ لیکن حدود قلعہ کے اندر رہنے والوں کے لئے اذن عام ہو تو یہ نماز جمعہ کی صحت ادا کے لئے کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان فقہاء عظام کی تربتوں میں اپنی رحمتوں کا نزول فرمائے کہ انہوں نے اپنے دور کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام شریعت کے انطباق اور اطلاق (Application) میں وسعت پیدا کی، جہاں تک حدود شرع میں ممکن ہو ایسر کو ملحوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کے فرمان کے مطابق تنفیر کے بجائے تبشیر کی راہ اختیار کی۔

علامہ شامی نے تو یہاں تک توسع اختیار کی ہے کہ در مختار کی یہ عبارت کہ (الْإِذْنُ الْعَامُ)..... مِنْ الْإِمَامِ، وَهُوَ يَحْضُلُ بِفَتْحِ أَبْوَابِ الْجَامِعِ لِلْوَارِدِينَ (كَافِي) فَلَا يَضُرُّ غَلْقُ بَابِ الْقَلْعَةِ لِعَدُوٍّ أَوْ لِعَادَةِ قَدِيمَةٍ، لِأَنَّ الْإِذْنَ الْعَامَّ مُقَرَّرَةٌ لِأَهْلِهِ وَغَلْقُهُ لِمَنْعِ الْعَدُوِّ لَا الْمُصَلِّي نَعْمَ لَوْ لَمْ يَغْلُقْ لَكَانَ أَحْسَنُ كَمَا فِي ”مَجْمَعُ الْأَنْهَرُ“ مَعْرِيًّا ”لِشَرْحِ عُيُونِ الْمَذَاهِبِ“ ترجمہ: ”امام کی جانب سے اذن عام..... اور وہ مسجد جامع میں آنے والوں کے لئے دروازے کھلے رکھنے سے حاصل ہو جاتا ہے، لہذا اگر مسجد جامع کے دروازے کسی قدیم عادت یا خطرہ دشمن کے پیش نظر بند ہوں تو اذن عام کے لئے مضر نہیں ہے، کیونکہ اس کے اہل (یعنی اندر رہنے والوں) کے لئے تو بہر حال

ثابت ہے اور دروازے کی بندش نمازی کے لئے نہیں ہے، دشمن کو روکنے کے لئے ہے، تاہم اگر دروازہ بند نہ ہوتا تو بہتر ہوتا لے۔“

علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں: ”قُلْتُ: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مَحَلَّ النَّزَاعِ مَا إِذَا كَانَتْ لَا تَقَامُ إِلَّا فِي مَحَلٍّ وَاحِدٍ، أَمَا لَوْ تَعَدَّدَتْ فَلَا، لِأَنَّهُ لَمْ يَتَحَقَّقُ التَّفْوِيتُ كَمَا أَفَادَهُ التَّعْلِيلُ تَامُّلٌ“ ترجمہ: ”میں کہتا ہوں، (مسجد جامع کے دروازے کی بندش) محل نزاع تب قرار پانا چاہیے جب کہ نماز صرف ایک ہی جگہ ہوتی ہو، لیکن اگر نماز جمعہ کئی جگہ ہو رہی ہو تو پھر یہ مسئلہ محل نزاع نہیں رہے گا، کیونکہ نماز جمعہ کا فوت ہونا متحقق نہیں ہوگا، جب کہ تعلیل اس کا فائدہ دے رہی ہے، غور کیجئے۔“ یعنی علامہ شامی کے نزدیک موجودہ حالات میں بعض مقامات پر اگر سیکورٹی اور تحفظ کی خاطر کسی مسجد جامع میں اذن عام نہ بھی ہو یا دروازے باہر والوں کے لئے بند ہوں، تب بھی جمعہ جائز ہوگا، اذن عام کی شرط متحقق ہوگی کیونکہ اور متعدد مقامات (یعنی مساجد جامع) ایسے ہیں جو سب کیلئے کھلے ہیں۔ (رد المحتار علی الدر المختار جلد 3 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان)

ہمارے دور میں سیکورٹی اور سلامتی کے مسائل سنگین خطرات سے دوچار ہیں، بعض صنعتی اور انتظامی ادارے انتہائی حساس اور دفاعی نوعیت کے ہیں اور تقریباً ہر صنعتی ادارے میں باہر کے غیر متعلقہ افراد کا داخلہ خصوصی اجازت اور پاس کے بغیر منع ہے۔ بعض اداروں میں ہزاروں افراد کام کرتے ہیں اور وہ میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں، جیسے پاکستان اسٹیل، پی آئی اے، پورٹ، شپ یارڈ، کینٹ، واہ فیکٹری، کامرہ فیکٹری وغیرہ۔ ان میں سے بعض اداروں کی حدود کے اندر ایک سے زائد مساجد ہیں۔ تو اگر ”اذن عام“ کی کڑی شرط کا غیر دانش مندانہ اطلاق کر کے ان اداروں میں نماز جمعہ کے صحیح نہ ہونے کا فتویٰ دے دیا جائے تو مسلمانوں کی عظیم اکثریت اسلام کے ایک عظیم شعار، سعادت جمعہ سے محروم رہ جائے گی۔ کیونکہ ان لوگوں کے لئے کارخانوں کی حدود سے باہر آ کر کھلی مساجد میں جمعہ پڑھنا تقریباً ناممکن العمل ہو جائے گا۔ اور تو چھوڑیے، ایوان صدر، گورنر ہاؤس، وزیراعظم ہاؤس وغیرہ کی

حدود میں جمعہ ناجائز قرار پائے گا، کیونکہ سیکورٹی کے مقاصد کے تحت ان اداروں میں داخلے کا اذن عام نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعلیٰ ارباب اقتدار محفوظ ترین سیکورٹی کے بغیر باہر کھلی مساجد میں آکر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ لہذا اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ جو رخصت ہمارے فقہاء متقدمین نے پرانے ادوار میں ادائے جمعہ کے لئے قلعہ بند بستیوں کے رہنے والوں کے لئے دی تھیں، اس کا اطلاق موجودہ دور کے ”ٹائٹ سیکورٹی“ والے اداروں، کارخانوں، دفاتر اور اڈوں وغیرہ پر بھی کر کے جمعہ کی شرط ”اذن عام“ میں نرمی پیدا کی جائے۔

ہاں البتہ وہ حساس نوعیت کے (Sensitive) والے ادارے جہاں باقاعدہ مساجد ہیں، جن کی تائیس ہی مسجد کے لئے کی گئی ہے، وہاں باجماعت پنج وقتہ اور جمعہ کی نماز پڑھنے سے مسجد اور جماعت دونوں کا ثواب ملے گا، لیکن جہاں باقاعدہ فرش سے مسجد قرار دیئے بغیر، کوئی کمرہ، ہال یا عمارت کا کوئی حصہ وقتی ضرورت کے تحت نماز کے لئے مختص کر دیا گیا تو وہاں باجماعت نماز پنج وقتہ اور جمعہ کی ادائیگی تو ہو جائے گی، لیکن مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔

ٹی وی، ویڈیو کا مسئلہ

ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر، وی سی پی وغیرہ کے استعمال اور استفادے کے بارے میں معاصر علماء کی دو آراء ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا استعمال بالکل ناجائز ہے، یہ رائے ہندوستان کے ممتاز عالم دین علامہ اختر رضا خان بریلوی اور ان کے ہم خیال علماء کی ہے، دوسری رائے ہندوستان کے ممتاز عالم دین مولانا مدنی میاں، مفتی محمد وقار الدین قادری مرحوم اور ان کے ہم خیال علماء کی ہے۔ چنانچہ مفتی محمد وقار الدین قادری مرحوم سے جب ان آلات کی مرمت اور کاروبار کے جواز اور استعمال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ: ”ان کے جائز و ناجائز ہونے کا حکم فی نفسہ ان پر نہیں بلکہ ان کے استعمال پر ہوتا ہے۔ ان کا جیسا استعمال ہوگا، ویسا ہی حکم ہوگا، لہذا ان کی مرمت کر کے روزی کمانا جائز ہے۔“ مزید لکھتے ہیں: ”ریڈیو اور ٹی وی مشینی آلات ہیں، ان سے جائز کام بھی لئے جاتے ہیں اور ناجائز کام بھی، یہ صرف حرام کے لئے استعمال نہیں ہوتے اور نہ محض غلط کاموں کے لئے بنائے جاتے

ہیں، جس طرح چھری اور بندوق وغیرہ جیسے آلات سے جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اپنے ذاتی کاموں اور شکار میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہی سے انسان کو قتل کرنے والا فعل قبیح بھی کیا جاتا ہے۔ لہذا جو آلات صرف معصیت کے لئے متعین نہ ہوں، ان کا بنانا اور مرمت کرنا جائز ہے تو ریڈیو اور ٹی وی کی مرمت کرنا بھی جائز ہے، اسی طرح اس کی مرمت کی اجرت بھی حلال ہے۔ ٹی وی کے ایسے پروگرام جو دینی ہوں اور جن میں عورت یا اس کی آواز نہ ہو۔ دیکھنے اور سننے میں کوئی حرج نہیں۔“ (وقار الفتاویٰ صفحہ 218-219)

شیخ لدھیانوی صاحب سے دریافت کیا گیا کہ دولت پور کی مسجد میں تقریب نکاح کی مووی (Movie) بن رہی تھی، کسی نے امام صاحب سے کہا کہ منع کریں، امام صاحب نے کہا کہ حرمین طیبین میں بھی مووی بنتی ہے۔ شیخ نے ”جنگ“ کے صفحات پر جواب دیا کہ امام کا یہ فعل حرام ہے اور اس امام کی اقتدا میں نماز جائز نہیں ہے۔ شیخ نے دولت پور کے امام کا مسئلہ تو بیدھڑک بتا دیا، لیکن امام حرم کے پیچھے نماز کے جواز یا عدم جواز کا مسئلہ نہیں بتایا۔ کسی بھی عالم ربانی کو کسی طمع و لالچ اور خوف و خطر کے بغیر پورا مسئلہ بتانا چاہیے۔ دولت پور کا امام تو کسی وڈیرے یا کمیٹی کا ملازم و ماتحت ہوگا، جب کہ امام حرم تو ”مدیر العام لشؤون الحرمین الطیبین“ یعنی ڈائریکٹر جنرل برائے امور حرمین طیبین ہیں، اور ان کا عہدہ مملکت کے نائب وزیر کے برابر ہے، وہ مملکت کی جانب سے امور حرمین کے مجاز و مختار ہیں۔ شریعت میں حلال و حرام کا معیار دولت پور اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے لئے ایک ہے۔ بلکہ اگر مسجد الحرام میں نیکی کا اجر دوسرے مقامات کے بہ نسبت ایک لاکھ گنا ہے تو گناہ کا وبال بھی زیادہ ہوگا۔ لیکن بعض لوگوں کے نزدیک معیار حق و باطل، جائز و ناجائز افراد اور مقامات کے اعتبار سے بدل جاتا ہے یا ممکن ہے مصلحتیں حائل ہو جاتی ہوں۔

بقول ولی دکنی

پہلے وہ آپ کہہ کر بلاتے تھے، اب وہ تو کہتے ہیں
وقت کے ساتھ خطابات بدل جاتے ہیں

پہلے تھے میخانہ میں، اب ہیں مسجد میں ولی
 عمر کے ساتھ مقامات بدل جاتے ہیں
 اسی طرح حرمین طیبین کے مختلف ائمہ عظام کی رنگین تصاویر کے البم بھی موجود ہیں، جو
 ان کی مرضی سے وقتاً فوقتاً جاتی رہیں۔ لدھیانوی صاحب ذرا ہمت کر کے ہمیں بتائیں کہ ان
 کے نزدیک حکم شرعی کیا ہے؟ افراد کے اعتبار سے شرعی احکام کی حیثیت اور جائز و ناجائز کا
 معیار بدلنے کی رسم علماء یہود نے ایجاد کی تھی، جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ:
 اِتَّخَذُوا اٰحْبَابًا لَهُمْ وَاٰهْبَانَهُمْ ”انہوں نے اپنے دینی پیشواؤں اور
 اٰرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ: 31) راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا
 لیا۔“

اس لئے لدھیانوی صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ دین و شریعت کا مسئلہ وہ بتائیں
 جس کا اطلاق وہ یکساں طور پر ہر ایک اور ہر جگہ کر سکیں۔

اختلاف امت اور صراط مستقیم

شیخ لدھیانوی جنگ کے فورم کو اپنی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کی تشہیر
 کے لئے استعمال کرتے ہیں اور مختلف سوالات کے جوابات میں لکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ میری
 کتاب میں مطالعہ کریں۔

اس کتاب میں شیخ لدھیانوی کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ مختلف مسالک و مکاتب فکر کے
 عقائد و نظریات تحریر کرتے ہیں اور پھر اپنے نقطہ نظر سے ان کی تردید کرتے ہیں۔ اس کتاب
 میں موصوف نے اہل سنت و جماعت جنہیں وہ بزعم خویش بریلوی سے تعبیر کرتے ہیں، پر یہ
 ظلم عظیم کیا ہے کہ پہلے اپنی طرف سے فرضی عقائد ان کی طرف منسوب کیے ہیں اور پھر اپنے
 انداز سے ان کی تردید کی ہے۔ کسی کی طرف مسلمہ ثبوت کے بغیر کوئی بات منسوب کرنا، شرعاً
 کذب، تہمت اور بہتان کے زمرے میں آتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے، تاہم یہاں نمونے کے
 طور پر ایک مثال ذکر کر رہے ہیں:

شبیه بیت اللہ کا طواف

لدھیانوی صاحب اپنی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کے صفحہ نمبر 92 پر نمبر (10) کے تحت لکھتے ہیں: ”اب میں اس ”عید میلاد النبی“ کا آخری کارنامہ عرض کرتا ہوں، کچھ عرصہ سے ہمارے کراچی میں ”عید میلاد النبی“ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر اور بیت اللہ کی شبیہ بنائی جاتی ہے اور جگہ جگہ بڑے چوکوں میں سناگ بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ لوگ ان سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور ”بیت اللہ“ کی خود ساختہ شبیہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں اور علماء کی نگرانی میں کرایا جا رہا ہے۔ فیا اسفاہ!“۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ علماء اہلسنت کے نزدیک شبیہ کا حکم اصل کا نہیں ہے، اور مزید یہ کہ ہمارے نزدیک صرف مسجد الحرام، مکہ مکرمہ میں بیعت اللہ کا طواف عبادت ہے۔ خود مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں بھی ”بیت اللہ“ کی شبیہ بنا کر اس کا طواف کرنا عبادت نہیں ہے، چہ جائیکہ کراچی یا دنیا کے کسی اور مقام پر ایسا کیا جائے۔ اہل سنت و جماعت کے کسی ثقہ و مستند عالم دین یا مفتی نے نہ ایسی بات کہیں لکھی اور نہ ہی کبھی ایسی بات کہی اور نہ کسی مستند عالم دین نے ان بدعات کی نگرانی کی ہے، لہذا یہ سراسر بہتان اور افتراء ہے اور لدھیانوی صاحب کو اس سے رجوع کرنا چاہیے۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا ہونا تو ہے۔ اگر بفرض محال کہیں ایسا ہو رہا ہے تو کیا کسی کے عقائد ثابت کرنے اور کسی کی طرف عقائد منسوب کرنے کا شرعی طریقہ یہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی عیسائی، یہودی یا ہندو یہ کہے کہ اسلام میں شراب بنانا، بیچنا اور پینا جائز ہے کیونکہ میں نے خود دیکھا ہے لنڈن کے فلاں مقام پر ایک مسلمان شراب پی رہا تھا اور ایک مسلمان شراب بیچ رہا تھا اور فلاں مقام پر فلاں مسلمان کا شراب کا کارخانہ ہے۔

قبروں پر ملتیں اور چڑھاوے

(شیخ محمد یوسف لدھیانوی نے اپنی کتاب ”اختلاف امت اور صراط مستقیم“ کے

صفحات 75, 76 پر مندرجہ بالا عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے، وہ من و عن درج ذیل ہے):
 بہت سے لوگ نہ صرف اولیاء اللہ سے مرادیں مانگتے ہیں، بلکہ ان کی منتیں بھی مانتے
 ہیں کہ اگر ان کا فلاں کام ہو جائے تو ان کی قبر پر غلاف یا شیرینی چڑھائیں گے یا اتنی رقم ان
 کی نذر کریں گے۔ اس سلسلہ میں چند مسائل معلوم کر لینا ضروری ہے۔

(۱) منت ماننا و نذر و نیاز دینا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں۔ ہمارے حنفیہ کی
 مشہور کتاب درمختار میں ہے:

”وَاعْلَمُ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنْ
 الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ
 فَهُوَ بِالْأَجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ. مَا لَمْ يَقْصِدُوا صَرْفَهَا لِفُقَرَاءِ الْأَنَامِ، وَقَدْ ابْتُلِيَ
 النَّاسُ بِذَلِكَ لَا سِيَّمَا فِي هَذِهِ الْأَعْصَارِ وَقَدْ بَسَطَهُ الْعَلَامَةُ قَاسِمٌ فِي شَرْحِ
 دُرِّدِ الْبَحَارِ“۔ (درمختار قبیل باب الاعتکاف)

”جاننا چاہیے کہ اکثر عوام کی طرف سے مردوں کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے اور
 اولیائے کرام کی قبروں پر روپے پیسے، شمع تیل وغیرہ۔ ان کے تقرب کی خاطر جو لائے
 جاتے ہیں وہ بالاجماع باطل اور حرام ہے۔ اور لوگ اس میں بکثرت مبتلا ہیں خصوصاً اس
 زمانے میں۔ اور اس مسئلہ کو علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے درالبحار“ کی شرح میں بڑی تفصیل
 سے لکھا ہے۔“

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ایسی نذر کے باطل اور حرام ہونے کی کئی وجوہ
 ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے۔ اور مخلوق کے نام کی منت ماننا جائز نہیں۔ کیونکہ
 نذر عبادت ہے۔ اور عبادت مخلوق کی نہیں ہوتی..... دوم یہ کہ جس کے نام کی منت مانی گئی
 ہے وہ میت ہے۔ اور مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا..... سوم یہ کہ اگر نذر ماننے والے کا خیال
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مرا ہوا شخص بھی تکوینی امور میں تصرف رکھتا ہے تو اس کا یہ عقیدہ کفر
 ہے (ردالمحتار صفحہ 139) (اختلاف امت اور صراط مستقیم صفحہ 75, 76)

ترجمہ میں علمی خیانت

مذکورہ بالا اقتباس کے پیرا گراف نمبر (1) میں علامہ علاء الدین ہسکفی کی کتاب ”الدر المختار“ کی عربی عبارت دی گئی ہے جو بالکل درست طور پر نقل کی گئی ہے، لیکن اس کے اردو ترجمے میں بہت بڑی علمی خیانت کا ارتکاب کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سہوایا اتفاقی غلطی نہیں ہے بلکہ دانستہ طور پر ایسا کیا گیا ہے، جس کا مقصد اپنی طرف سے مزعومہ (Pretended) عقائد کو اہلسنت وجماعت کی طرف منسوب کر کے عامۃ المسلمین کو ان سے بدظن کرنا ہے۔ علامہ علاء الدین ہسکفی کی عربی عبارت میں ایک جملہ ہے: ”مالم یقصدوا صرفہا لفقرآء الانام“۔ صاحب درمختار نے نذر باطل میں سے اس صورت کو مستثنیٰ (Exempt) کر دیا ہے، جو باطل و حرام کے زمرے میں نہیں آتی بلکہ شرعاً بالکل جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ: ”عوام اولیاء اللہ کی قبروں پر جو نقد رقوم یا شمع و تیل وغیرہ لاتے ہیں، اگر وہ اس نیت سے لائے جاتے ہیں کہ (اللہ کے) نادار بندوں پر خرچ کیے جائیں یا وہ ان سے فائدہ اٹھائیں تو یہ بالکل جائز ہے اور الحمد للہ اہلسنت وجماعت کا یہی عقیدہ و نظریہ ہے۔“

علامہ محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”ردالمحتار“ میں درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کی تشریح کرتے ہوئے جو حرام و باطل ہونے کی صورت لکھی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی شخص صاحب قبر ولی اللہ کو مخاطب کر کے یہ کہے: ”اے بزرگ محترم! اگر میرا (فلاں) گمشدہ عزیز (سلامتی کے ساتھ) واپس آ گیا یا میرا (فلاں) مریض شفا یاب ہو گیا یا میرا (فلاں) کام ہو گیا، تو یہ سونا چاندی یا کھانا یا شمع و تیل آپ کے لئے ہے، تو یہ نذر باطل و حرام ہے اور آگے علامہ شامی نے اس کے حرام ہونے کی وجوہ تحریر فرمائی ہیں، جنہیں جناب شیخ محمد یوسف لدھیانوی نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، اسی عبارت میں متصلاً علامہ شامی نے اولیاء اللہ کے مزارات پر دی جانے والی نذر کے جائز ہونے کی وجوہ بھی لکھ دی ہیں اور علمی دیانت و امانت کا تقاضا یہ تھا کہ پوری عبارت نقل کی جاتی، پورا مفہوم ترجمے میں بیان کر دیا جاتا تاکہ قارئین کو جائز اور ناجائز دونوں صورتیں معلوم ہو جائیں اور علامہ شامی کا پورا

موقف سامنے آجاتا۔ لیکن چونکہ اس سے جناب لدھیانوی کا مقصد پورا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ وہ تو اہل سنت و جماعت کے عقائد و نظریات کو باطل ثابت کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے تھے، اس لئے اپنے مطلب کے خلاف عبارت پر قینچی چلا دی اور اسے قلمزد (Censor) کر دیا، آئیے! ہم پہلے علامہ شامی کی محولا بالا عبارت درج کرتے ہیں اور پھر اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں:

”وَاعْلَمُ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِحِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ.

مَطْلَبُ فِي النَّذْرِ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ مِنْ شَمْعٍ أَوْ زَيْتٍ أَوْ نَحْوِهِ. قَوْلُهُ: (تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ) كَانَ يَقُولُ: يَا سَيِّدِي فَلَانَ إِنْ رُدَّ غَائِبِي أَوْ غُوفِي مَرِيضِي أَوْ قَضَيْتُ حَاجَتِي فَلَكَ مِنَ الذَّهَبِ أَوْ الْفِضَّةِ أَوْ الطَّعْمِ أَوْ الشَّمْعِ أَوْ الزَّيْتِ، كَذَا (بِحِر) قَوْلُهُ: (بَاطِلٌ وَحَرَامٌ) لَوْجُوهُ: مِنْهَا أَنَّهُ نَذْرٌ لِمَخْلُوقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِمَخْلُوقٍ، وَمِنْهَا، أَنَّ الْمَنْذُورَ لَهُ مَيْتٌ وَالْمَيْتُ لَا يَمْلِكُ، وَمِنْهَا: أَنَّهُ إِنْ ظَنَّ أَنَّ الْمَيْتَ يَتَصَرَّفُ فِي الْأُمُورِ دُونَ اللَّهِ تَعَالَى وَاعْتَقَادَهُ ذَلِكَ كُفْرًا. اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ قَالَ: يَا اللَّهُ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ إِنْ شَفَيْتُ مَرِيضِي أَوْ رُدَّدْتَ غَائِبِي أَوْ قَضَيْتُ حَاجَتِي أَنْ أَطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِينَ بِيَابِ السَّيِّدَةِ نَفِيسَةَ أَوْ الْإِمَامِ الشَّافِعِيِّ أَوْ الْإِمَامِ اللَّيْثِ أَوْ أَشْتَرِي حُضْرًا لِمَسَاجِدِهِمْ أَوْ زَيْتًا لَوْقُودِهَا أَوْ دَرَاهِمَ لِمَنْ يَقُومُ بِشَعَائِرِهَا إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَكُونُ فِيهِ نَفْعٌ لِلْفُقَرَاءِ وَالنَّذْرُ لِلَّهِ عَزُّوَجَلَّ۔ (رد المحتار علی

الدر مختار جلد 3 صفحہ 379-380 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، لبنان)

یعنی ہاں، یہ صورت بالکل جائز ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ: اے اللہ! اگر میرا (فلاں)

مریض شفا یاب ہو گیا یا میرا (فلاں) گمشدہ عزیز (سلامتی کے ساتھ) واپس آ گیا یا میرا

(فلاں) کام ہو گیا تو میں تیرے نام کی نذر مانتا ہوں کہ سیدہ نفیسه یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا امام ابواللیث کے مزار پر جو فقراء ہیں، میں انہیں کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مساجد کے لئے چٹائیاں (دریاں) خرید کر دوں گا یا وہاں (پر جو چراغ جلائے جاتے ہیں، ان) کے لئے تیل خرید کر دوں گا، یا جو لوگ وہاں کا انتظام و انصرام کرتے ہیں، انہیں نقد رقم دوں گا، وغیرہ (الغرض) نذر اللہ عزوجل کے لئے ہو اور اس سے فائدہ (وہاں کے) فقراء کو پہنچانا مقصود ہو تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔ اور علامہ ^{ہسکفی} نے بھی اپنی استثنائی عبارت میں نذر کے مال کو خرچ کرنے کا جائز محل و مصرف بیان کیا ہے اور وہ ایسے مستحقین ہیں جو ان مساجد یا مزارات کے پاس رہتے ہیں، تو ان پر نذر کی ان رقوم کا خرچ کرنا جائز ہے، البتہ نذر کے اس مال کا ایسے متولی و سجادہ نشین پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے جو نادار نہیں ہے بلکہ مالدار ہے۔ چنانچہ آگے چل کر صفحہ 78 پر جناب لدھیانوی نے خود صورت جواز کو تسلیم کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

(۴) ”اور اگر کسی شخص نے منت اللہ کی مانی ہو اور محض اس بزرگ کی روح کا ایصال ثواب مقصود ہو یا وہاں کے فقراء کو نفع پہنچانا مقصود ہو تو اس کو حرام اور شرک نہیں کہا جائے گا۔“ لیکن پھر صفحہ 79 پر مسلمانوں کی نیت پر حملہ آوار ہوتا ہے اور لوگوں کی نیتوں اور دلوں کے احوال کا فیصلہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں، جس کا شریعت نے انہیں حق نہیں دیا، کیونکہ شریعت میں ظاہر حال پر حکم لگایا جاتا ہے اور باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہوتا ہے، مگر جناب لدھیانوی حد شرعی سے تجاوز کر کے لکھتے ہیں:

”مگر مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ بزرگوں کے مزاروں پر چڑھاوے چڑھاتے اور منتیں مانتے ہیں، ان کی یہ نیت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ وہ یہ کہہ کر ”ہم خدا کی منت مان رہے ہیں اور بزرگوں کو صرف ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے، اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔“ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ
 ”اے مومنو! بہت سی بدگمانیوں سے اجتناب کرو، بے شک بعض بدگمانیاں

گناہ (کا باعث) ہیں۔“

(الحجرات: 12)

اور ارشاد رسول اللہ ﷺ ہے:

” (لوگوں کے بارے میں) بدگمانی
کرنے سے بچے رہو، کیونکہ بدگمانی
اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ اكْذَابُ
الْحَدِيثُ

سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

صفات باری تعالیٰ کا مظہر بننے کا مفہوم

ہمارے ایک شاگرد ڈاکٹر حافظ قاری عطاء المصطفیٰ جمیل راٹھور نے ہمارے حوالے سے جامع مسجد قبا کرمانوالہ، بلاک نمبر 1 گلستان جوہر میں خطاب جمعہ کے دوران حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا کہ بندہ تقرب الہی کی منزلیں طے کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کا مظہر بن جاتا ہے، اس پر جناب کامران احمد انصاری گلستان جوہر کراچی نے ایک مفصل اعتراض تحریری شکل میں ان پر وارد کر دیا کہ جو کچھ آپ بیان کر رہے ہیں، یہ تو شرک کے زمرے میں آتا ہے، پہلے حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنِي بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أَحْبَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرَجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا وَإِنْ سَأَلَنِي لِأَعْطِيَنَّهُ وَلَنْ اسْتَعَاذَنِي لِأَعِيذَنَّهُ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدَّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ إِسَاءَتَهُ وَلَا بُدَّ لَهُ مِنْهُ (رواه البخاري بحواله مشکوٰۃ المصابيح باب ذِكْرُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ وَالتَّقَرُّبُ إِلَيْهِ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے: جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت کرے، میں اس کے خلاف اعلان

جنگ کرتا ہوں، اور بندہ اپنے جس عمل سے، جو مجھے محبوب ترین ہے، میرے قریب ہوتا ہے، وہ اس پر میرے عائد کردہ فرائض ہیں، اور (ادائیگی فرائض کے بعد) میرا بندہ نوافل ادا کرتے کرتے مسلسل میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ (کسی چیز کے شر سے) میری پناہ مانگے تو میں ضرور اسے پناہ دیتا ہوں، اور میں جس چیز کے کرنے کا ارادہ فرمالوں تو پھر اس میں تاخیر نہیں کرتا، سوائے مومن کی جان لینے کے موقع پر، کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ نہیں کرنا چاہتا اور (بہر کیف) موت کا قانون قدرت تو اس پر نافذ ہونا ہی ہے۔“

اس حدیث قدسی کا ایک مفہوم جو عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے یہ ہے: کہ اللہ تعالیٰ کا بندے کے کان، آنکھیں، ہاتھ اور پیر بن جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی صلاحیتوں (سماعت، بصارت، گرفت اور رفتار) اور ان اعضاء و جوارح (کان، آنکھیں، ہاتھ اور پیر) کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں میں استعمال کرتا ہے اور اس کے محرّمات، ممنوعات اور مکروہات سے انہیں بچائے رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک مفہوم ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر عطاء المصطفیٰ جمیل راٹھور صاحب نے ہمارے حوالے سے اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کیا کہ بندہ فرائض کی ادائیگی سے کما حقہ، عہدہ برا ہونے کے بعد، عبادات نافلہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی منزلیں طے کرتے کرتے اس کی صفات کا مظہر بن جاتا ہے اور وہ اللہ کے نور تجلی سے دیکھتا ہے، سنتا ہے وغیرہ۔ اس مفہوم پر کامران احمد انصاری صاحب نے شرک کا فتویٰ صادر فرما دیا اور ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ حدیث کا یہ مطلب و مفہوم کس عالم جلیل نے کہاں بیان کیا ہے، تو میں نے ان کی تشفی کے لئے یہ سطور سپرد قلم کی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زیر بحث حدیث مبارک کا سیاق و سباق یہ ہے کہ بندہ فرائض کی ادائیگی سے کماحقہ عہدہ براہونے کے بعد نوافل ادا کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں، بعد میں آنے والی عبارت ”مقام محبوبیت باری تعالیٰ“ پر فائز ہونے کا ثمرہ اور اکرام و اعزاز ہے۔

چنانچہ حدیث قدسی کے کلمات مبارک یہ ہیں:

”فَإِذَا أَجَبْتُهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي

يُطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا“ الخ

”پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے اور میں اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے“ الخ

مقام غور یہ ہے کہ اگر اس کے اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع نہ ہوتے تو وہ مقام محبوبیت پر کیسے فائز ہوتا؟ یہ اعزاز و اکرام جو اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما رہا ہے، یہ تو ”مقام محبوبیت باری تعالیٰ“ پر فائز ہونے کا ثمرہ ہے۔ لہذا جو مفہوم حدیث قدسی کا آپ بیان کر رہے ہیں، وہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا منطوق نہیں ہے۔

باقی ہم یہ بات نہ کہتے ہیں اور نہ اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ اس میں منتقل ہو جاتی ہیں یا اس میں حلول کر جاتی ہیں، بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ وہ بندہ محبوب صفات الہی کا مظہر بن جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اذن و عطا سے خرق عادت تصرفات کر لیتا ہے، ایسے خرق عادت امور کا ظہور اگر رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات سے ہو تو شریعت کی اصطلاح میں اسے ”معجزہ“ کہتے ہیں اور کسی ولی اللہ اور عہد صالح کی ذات سے ہو تو اسے ”کرامت“ کہتے ہیں۔ مخلوق کا صفات الہی کا مظہر ہونا، قرآن مجید سے ثابت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ
الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ
الشَّجَرَةِ أَنْ يُّوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ
الْعَالَمِينَ ﴿١٠١﴾ (القصص)

(از شیخ اشرف علی تھانوی): ”سوجب وہ
اس آگ کے پاس پہنچے تو ان کو اس
میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ
کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام
میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ:
”اے موسیٰ میں رب العالمین ہوں۔“

تو آپ کیا تاویل کریں گے کہ معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ نے درخت میں حلول کر لیا تھا؟ یا یہ
کہ وہ درخت اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا مظہر بن گیا تھا۔

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند شیخ انور شاہ کشمیری فیض الباری (شرح صحیح بخاری جلد 4
صفحہ 429) پر زیر بحث حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جب درخت سے ”میں اللہ ہوں“ کی آواز آ سکتی ہے تو نقلی عبادت کرنے والے کا کیا
حال ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کے
سمع و بصر ہو جانا ایسی صورت میں کیونکر مستبعد و محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابن آدم جو رحمن کی
صورت پر پیدا کیا گیا ہے، شرف و کمال میں شجر موسیٰ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔“
شیخ انور شاہ کشمیری کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

”فَإِذَا صَحَّ الشَّجَرَةُ يُنَادِي فِيهَا بِنَائِي أَنَا اللَّهُ، فَمَا بَالُ الْمُتَصَرِّفِ بِالنَّوَافِلِ أَنْ
لَا يَكُونُ اللَّهُ سَمْعَهُ وَبَصْرَهُ؟ كَيْفَ وَأَنَّ ابْنَ آدَمَ الَّذِي خُلِقَ عَلَى صُورَةِ
الرَّحْمَنِ لَيْسَ بِأَدْوَنَ مِنْ شَجَرَةِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ“۔

تو جناب کامران احمد انصاری صاحب

آپ کا کیا خیال ہے، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث انور شاہ کشمیری بندے کو صفات
الہیہ کا مظہر مان کر عقیدہ توحید سے انکار کر رہے ہیں یا شرک کی تعلیم دے رہے ہیں؟
اسی حدیث مبارک کی شرح میں امام المفسرین امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد 5

نہ 427 پر لکھتے ہیں:

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقربین کی آنکھوں، کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا، اس لئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے کوئی حصہ باقی رہتا تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔“

آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

”اور اس لئے حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا، اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر ارواح ملکیت کے جوہر سے مشابہ ہو گئی تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی۔ اور اس طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر دوام اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ”كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصْرًا“ فرمایا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور دور کی آواز کو سن سکتا ہے اور جب نور (الہی) اس کی بصر ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہ نور (جلال) اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ مشکل اور آسان، قریب اور دور ہر طرح کے امور میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔“

ہمارے نزدیک ”مظہریت باری تعالیٰ“ کا یہی مفہوم ہے اور اکابر امت کا ہمیشہ سے یہ عقیدہ رہا ہے اور یہ شرک و بدعت نہیں بلکہ عین توحید ہے۔ اور بندے کو یہ کمالات اور تصرفات اللہ

تعالیٰ کے اذن اور عطا سے حاصل ہوتے ہیں، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

”میں اللہ کے اذن سے پیدائشی نابینا اور
برص کے مریض کو شفا یاب کرتا ہوں اور
مرے کو زندہ کرتا ہوں۔“

وَأُبْرِئُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي

الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ (آل عمران: 49)

”اور میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے
کی صورت بناتا ہوں، پھر میں اس میں
پھونکتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے
اللہ (آل عمران: 49)

(اڑتا ہوا) پرندہ بن جاتا ہے۔“

یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شفا دینے کی نسبت، زندہ کرنے کی نسبت اور پیدا کرنے
یا بنانے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں مگر چونکہ وہ اذن الہی سے مظہر صفات ربانی بن کر یہ
تصرفات کرتے ہیں، اس لئے یہ عین توحید ہے۔

ضروری یادداشت

پروفیسر مفتی منیب الرحمن

کی زیورن طبع سے آراستہ ہونے والی مؤثر تصنیف

تفسیر سورۃ النساء

دور جدید کی منفرد جامع اور عام فہم تفسیر، انداز بیان مؤثر و دلکش
قدیم و جدید اہم تفاسیر کا پختہ

ضیاء القرآن پبلسٹی کیشنز